شیعیت گلگت میں
شیعہ ملٹی میڈیا
مولف
استاد غلام حسین انجم
شیعہ یعنی یک بیابانِ بی کسی
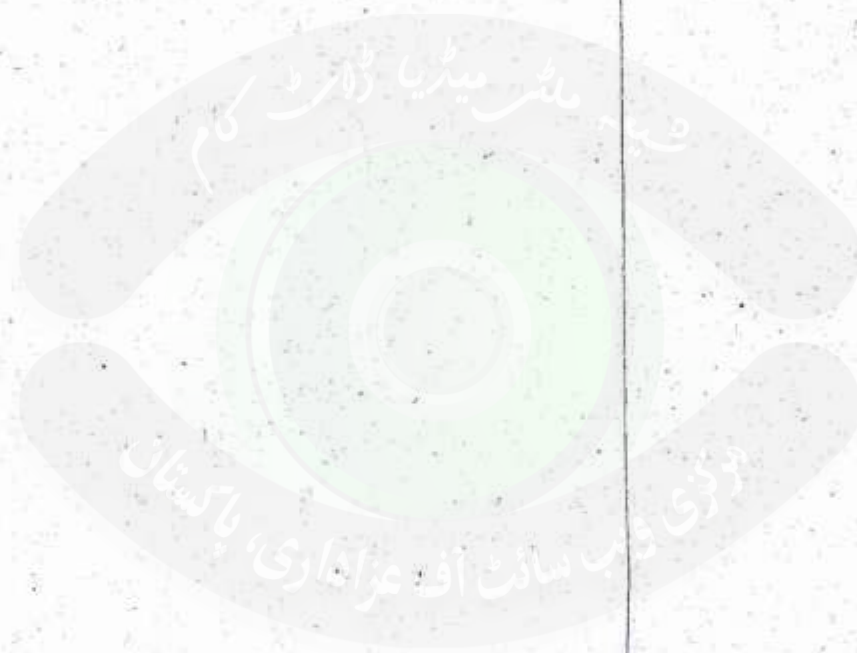
شیعیت گلگت میں

مؤلف

استاد غلام حسین انجم دینوری

خیر الناس ویلفیئر ٹرسٹ دینور

گلگت

نام کتاب..............شیعیت گلگت میں

مؤلف..............استاد غلام حسین انجم دینوری

نظر ثانی......علامہ غلام علی وزیری، پروفیسر شیخ علی مدد

کمپوزنگ..........قربان علی نیئر ﴿ڈروٹ روندو﴾

معاون اشاعت..........محبوب علی صابری ﴿دینور﴾

تعداد..............500/

سن اشاعت..........یکم مئی 2006ء
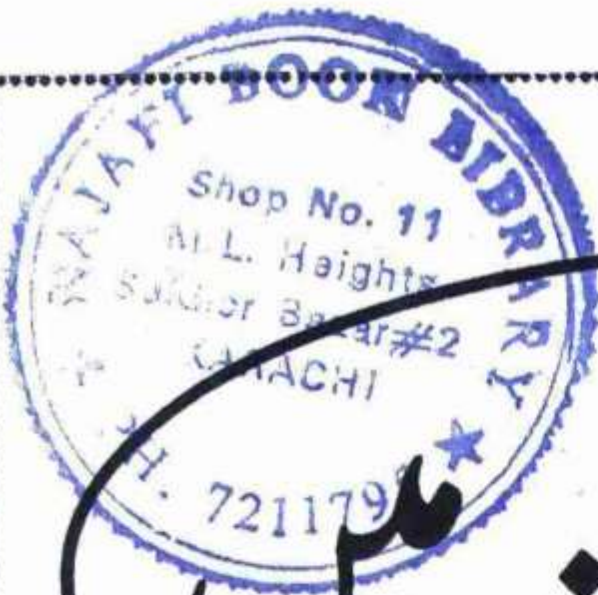
﴿ناشر﴾

خیر الناس ویلفیر ٹرسٹ دینور

گلگت

فہرست

فہرست

عرض مؤلف

اقوام وملل اور مکاتب ومذاہب کی تاریخ ان اقوام ومذاہب کی تمدنی معاشرتی اور تہذیب کے پس منظر میں پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے ماضی کے ان پوشیدہ معاشرتی اور تہذیبی حقایق کو منظر عام پر لانے کے لئے ایک غیر جانبدار اور غیر متعصب محقق اور مورخ کی خاص ضرورت ہوتی ہے تا کہ ماضی کے ان گمنام جھروکوں سے تاریخ کے ان پوشیدہ واقعات وحالات کو منظر عام پر لایا جاسکے۔ چونکہ دنیا میں حال کا انسان اپنے مستقبل کو سنوارنے کی خاطر اس آزاد فکر روشن خیال اور تعصب سے پاک مورخ کی بے لاگ تحریر سے استفادہ کرسکتا ہے ورنہ افراد وجامعہ کی روشن تاریخ اور انسان کی تمدن اور اس کی تہذیب وثقافت تعصب اور جانبداری کے مہیب اندیہروں میں چھپ جائیگی کیونکہ اقوام ومذاہب کی تمدنی اور ثقافتی تاریخ کو بری دیانت اور محنت سے مرتب کر کے اقوام وملل کو ان کے تاریخی حقایق کے ذریعے سے زندہ رکھا جاسکتا ہے اور اقوام وملل کی تاریخ کو زندہ رکھنے کا اس انداز فکر سے انسانیت کی خدمت کے ساتھ دین اور مذہب کی بھی خدمت ہوتی ہے۔

راقم نے اپنی کتاب شیعیت گلگت میں کو مرتب کرتے وقت عام مروجہ جانبداری سے الگ رہ کر غیر جانبدار فرد کی طرح دیانتداری کے ساتھ ان حالات وواقعات کو صفحہ قرطاس پر لانے کی فراخدلانہ کوشش کی ہے اور خطہ شمال گلگت کے

تاریخی اور ثقافتی پس منظر کے حوالے سے لکھی ہوئین مختلف تحریروں سے استفادہ کے علاوہ قابل اعتبار قصہ گو حضرات کی زبانی سنی باتوں کے ساتھ خود اپنے چشم دیدہ واقعات وحالات اور روایات کو علم ورایت کی خاص تناظر میں چھان بین کر کے اس مختصر کتاب میں جمع کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔ میری صاحبان بصیرت محققین سے گزارش ہے کہ کسی بھی صاحب کو کوئی واقعہ یا تحریر خلاف حقیقت نظر آئے تو واضح حقائق اور خاص ثبوت کے ساتھ تردید یا تصحیح کردے تو مؤلف اس خاص غلطی کو شکریہ کے ساتھ دوسرے ایڈیشن میں درست کر کے شامل کرنے کی کوشش کرے گا تا کہ خطہ شمال گلگت کی تاریخ وثقافت اپنے صحیح اور واضح خدوخال کے ساتھ منظر عام پر آجائے۔

والسلام

غلام حسین انجم

تقریظ

علامہ محقق استاد غلام حسین انجم صاحب نے اپنی لکھی ہوئی کتاب ''شیعیت گلگت میں'' کا مسودہ نظر ثانی کے لئے دیا تو میں نے انتہائی گہری نظر سے مسودے کو پڑھا سرزمین گلگت کی تاریخ وثقافت اور خصوصاً مکتب تشیع کے بارے میں ان کی تحقیق بڑی اہم ہے۔ علامہ موصوف ایک علمی اور تحقیقی ذہن کے مالک ہیں علم وادب اور تاریخ وثقافت کے لئے ان کی جستجو قابل ستائش ہے موصوف کی اور چند کتابوں کو پڑھنے کا موقع ملا ہے مگر یہ کتاب ان سے منفرد ہے۔ اگرچہ اردو ہماری مادری زبان نہیں پھر بھی موصوف اردو زبان میں اپنا مدعا صفحہ قرطاس پر لانے میں کامیاب ہوئے ہیں قوموں کی تاریخ وثقافت کو ضبط تحریر میں لانا نہایت مشکل اور صبر آزما کام ہوتا ہے مگر علامہ موصوف نے اس کتاب میں تاریخ وثقافت اور سیاست مدن کے حوالے سے قوم کے مسائل ومشکلات کو بڑے ذمدارانہ اور بلیغ انداز میں پیش کیا ہے آپ کی منفرد کتاب ''اسلام گلگت میں'' کے بعد ''شیعیت گلگت میں'' کو پڑھنے سے شمالی علاقہ جات کی تاریخ وثقافت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی اور اقوام وملل کے محققین اس کتاب سے بھرپور استفادہ کرینگے۔

فقط پروفیسر شیخ علی مدد

ڈگری کالج محمد آباد دینور و پرنسپل کمیونٹی کالج اوشکھنداس گلگت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل اول :شیعیت کی توضیح

وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ ۔''اور بیشک ابراہیم ان کا شیعہ تھے (الصّٰفّٰت)

لفظ شیعہ قرآن مجید میں اٹھ بار ذکر ہوا ہے اور قرآن مجید کی کسی آیت بالفظ کا اپنی مرضی سے ترجمہ یا تفسیر کرنا درست نہیں ہے اور تفسیر بالرائے کی جسارت سے سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے اور کتاب خدا کے بارے میں ایسی جسارت کرنا سب سے بڑی غلطی ہے اور ایسی غلطی دل کے اندھے نادان ہی کرتے ہیں عربی زبان قرآن کی زبان ہے اور بڑی وسیع زبان ہے اور اس زبان کو سمجھ کر کلام الٰہی کا ترجمہ کرنا چاہئے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور اس عظیم کتاب کا ہر لفظ کی طرح لفظ شیعہ کے بھی لغوی اور اصطلاحی معنی ہیں اس طرح کتاب قاموس جلد سوم صفحہ ۴۷ طبع مصر میں لفظ شیعہ کے معنے گروہ، متبع، مطیع، ناصر، مددگار، اور ساتھی لکھا ہے اور اسطرح اس لفظ شیعہ کے عرفی اور شرعی معنی بھی ہے اور مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۹۲ طبع مصر میں لکھا ہے کہ جاننا چاہئے کہ لفظ شیعہ ایک نام ہے جس کا

اطلاق حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے پیروکاروں پر ہوتا ہے اور فاضل شیرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل جلد اول صفحہ ۱۴۷ طبع ایران میں یوں لکھا ہے یعنی شیعہ وہ ہیں جو حضرت علیؑ کی متابعت کرتے ہیں اور ان کے خلافت منصوصہ کے قائل ہیں اور اس طرح کتاب قاموس اور المنجد وغیرہ میں بھی درج بالا معنی بیان ہوئے ہیں اور یہ خاص توضیح موجود ہے کہ یہ نام اس گروہ پر بولا جاتا ہے جو حضرت علی اور ان کے اہل بیتؑ سے محبت رکھتا ہے اور یہاں تک کہ یہ لفظ شیعہ ان کا مخصوص نام ہو کر رہ گیا ہے اور اگر اس لفظ کے لغوی معنی متبع، گروہ، اور مددگار کے ہیں تو اس لفظ یا نام میں بذاتہ کوئی حسن و قبح یعنی اچھائی اور برائی نہیں ہے پس اگر کوئی اچھوں کی پیروی کرے تو وہ شخص اچھا ہوا اور کوئی بروں کی پیروی کرے تو وہ برا ہوا۔ قرآن مجید میں آٹھ مقامات پر یہ لفظ شیعہ مختلف انداز میں استعمال ہوا ہے لہذا اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی اپنے اپنے مواقع اور محل کی مناسبت سے استعمال ہونا چاہئے نیز اس لفظ کے لغوی معنی مددگار اور آدمی کے پیروکار بھی لکھا گیا ہے کتاب المنجد طبع دار الاشاعت کراچی اور مصباح الغات مکتبہ برہانی دہلی میں اس لفظ شیعہ کے اصطلاحی معنی علی کا طرفدار لکھا ہے اور اس طرح علامہ ابن حجر مکی اپنی خاص کتاب صوائق محرقہ میں لکھتا ہے کہ شیعہ وہ کہلاتا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے محبت کرے اور باقی سب اصحاب سے آپ کو افضل مانے اور علامہ ابن اثیر جذری نے النہایہ میں لکھا ہے کہ شیعہ نام اس گروہ کے لئے مختص ہو گیا ہے جو حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیتؑ

سے محبت کرتا ہے اور یہاں تک کہ یہ نام ان کے لئے اسم خاص بن گیا ہے۔

قرآن مجید کا پارہ ۲۳ رکوع ۷ سورہ الصٰفٰت کی آیت ۸۳ میں؛ **وان من شیعتہ لا براھیم** ۔ "اور بے شک حضرت ابراہیمؑ ان کے شیعوں میں سے ہیں یہاں ہ کی ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کے شیعہ تھے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں جملہ مفسرین نے یہی لکھا ہے اور ان آیات کا صحیح تراجم کے لئے تفسیر جلالین تفسیر ابن جریر طبری ترجمہ شاہ رفیع الدین ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ وحید الزمان کی تراجم کی جانب رجوع کرنا چاہئے مولانا نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں کہ اور نوح کے طریق پر چلنے والوں میں سے جناب ابراہیمؑ بھی تھے اور تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ منجملہ جناب نوح کے تابعین کے جنہوں نے باوجود طول زمان کے اہل دین میں ان کی متابعت کی جناب ابراہیم بھی تھے اور اسطرح تفسیر فتح الخبیر مع خوز الکبیر مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے کہ **ان من شیعۃ واھل دینہ ابراھیم** "حضرت ابراہیم نوح کے شیعہ تھے یعنی ہم دین تھے اور مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے اس طرح امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۱۲۹ میں لکھا ہے کہ لفظ شیعہ مشایعت سے ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب ابراہیم ان لوگوں میں سے ہیں جو دین و دیانت تقوی اور طہارت میں جناب نوحؑ کے پیروکار تھے اور قلب سلیم کے ساتھ آئے اس بارے میں علما اصول نے کہا ہے کہ

اس کا مقصد یہ ہے کہ گناہوں کی ہر قسم کی کثافت سے پاک وصاف رہ کر زندہ رہے اور حالت پاکیزگی میں وفات پائی اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی شیعہ وہی ہوتا ہے جو نبی کے دین پر ہو اور اس کا دل شرک خفی اور گناہوں کی آلودگی سے پاک وصاف ہو اس سے کھل کر معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کے شیعہ تھے اور ہم کو یہ واضح حکم دیا گیا ہے کہ: **فاتبعو ملة ابراهيم حنيفا** ''ملت ابراہیم کی اتباع کرے اگر ملت ابراہیم کی اتباع کرنا ہے تو پھر ہمیں صحیح شیعہ بننا ہوگا۔

قرآن مجید کا پارہ بیس رکوع ۵ سورہ قصص میں ارشاد خداوندی ہے: **هذا من شيعته وهذا من عدوه فاستغاثه الذى من شيعته** ''یہ ایک ان کے شیعوں میں سے تھا اور یہ ایک ان کے دشمنوں میں سے تھا اور تفسیر صافی میں لکھا ہے کہ ان دونوں لڑنے والوں میں سے ایک حضرت موسیٰ کا شیعہ تھا اور دوسرا اس کا دشمن اور اس آیہ مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں اور ان کے دین پر چلنے والے دوستوں کو قرآن مجید کی زبان میں شیعہ کہا جاتا ہے اور ان کے مخالفوں کو دشمن مگر کچھ لوگ حسد و کینہ اور بغض و عناد کی وجہ سے شیعہ اور شیعیت کو حضرت علیؑ کے دور خلافت کے بعد سے شمار کرتے ہیں اور خاص نادانی کی بدولت یہ کہتے ہیں کہ بعد از وفات پیغمبرؐ کے اس دور کے سیاسی اور ثقافتی ماحول میں جو تغیرات رونما ہونے تھے ان حالات و واقعات کی بدولت اس نام اور نظریہ نے جنم لیا ہے اور اسیطرح دور خلافت علیؑ کے دوران اس نظریہ کی بنیاد پڑھ گئی ہے یہ سراسر الزام اور

غلط بہتان ہے کیونکہ قرآن مجید کے واضح توضیح اور اعلان کے علاوہ سنت رسول اسلامؐ میں بھی لفظ شیعہ خاص تعریفی انداز میں بار ہا زبان رسالت مآبؐ سے بھی اعلان ہوا ہے یعنی: **یا علی انت و شیعتك هم الفائزون** ''اے علیؑ تم اور تیرے شیعہ کامیاب ہیں علامہ دیلمی نے اپنی مشہور کتاب فردرس میں اس روایت کو ام المومنین بی بی ام سلمہؓ سے روایت کی ہے اور اس طرح جب اسرائیلی اور قبطی آپس میں لڑ رہے تھے تو خداوند عالم نے جو دلوں کا راز خوب جانتا ہے فرمایا: **هذا من شیعته وهذا من عدوه** ''یعنی ایک حضرت موسیٰ کا شیعہ تھا یعنی ان کے دین پر تھا اور دوسرا ان کا دشمن یعنی کافر تھا مفسرین اہلسنت نے بھی یہی ترجمہ اور تفسیر بیان کیا ہے چنانچہ تفسیر بیضادی جلد چہارم صفحہ ۱۲۵ طبع مصر میں لکھا ہے کہ: **من شیعته ای شایعه علی دینه** ''ایک ان کا شیعہ یعنی ان کے دین پر تھا۔ معالم التنزیل جلد سوم صفحہ ۱۷۵ پارہ ۲۰ میں لکھا ہے: **هذا مومن وهذا کافر** ''یعنی ان دو لڑنے والوں میں سے ایک مومن شیعہ تھا اور دوسرا کافر تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرامؑ کے ہم مسلک کو شیعہ اور مومن کہا جاتا ہے اور آیۃ اللہ باقر الصدر شہید نے اپنا رسالہ بحث حول الولایہ میں جسکا ترجمہ تشیع اور رہبری کے نام سے ہوا ہے اور اس کتاب میں لفظ شیعہ پر سیر حاصل بحث و تبصرہ کر کے وضاحت فرمائی ہے اور ۳۲۸ھ کا محقق علامہ ابو حاتم سمستانی بصری نے اپنی تحریر کتاب الزینت میں لکھا ہے کہ زمانہ رسول اسلام میں ایک لفظ مشہور ہوا وہ شیعہ تھا اور اسی طرح عبداللہ اعرافی مصری اپنی

کتاب اسلافہ فی امر اخلافہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابی رسول سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری اذان میں شہادت رسول خاتمؐ کے ساتھ ولایت علیؑ کی شہادت بھی دیتے تھے اس طرح رسول اسلام کے زمانے میں 16 اصحاب رسول شیعیان علیؑ کے نام سے علی ولی اللہ کی شہادت دیتے تھے جب یہ خبر نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو رسول اسلامؐ نے جواب میں فرمایا کہ یہ صحابہ حق کہتے ہیں کیا تم نے خطبہ غدیر خم میں میرے یہ الفاظ نہیں سنے تھے کہ: من کنت مولا فہذا علی مولا۔ اس طرح ولایت علی کی شہادت دینے والے ان شیعیان علیؑ میں مشہور صحابی رسول حضرت سلمان فارسی حضرت ابوذر غفاری حضرت عمار یاسر حضرت عثمان حنیف حضرت ابو ایوب انصاری حضرت مقداد بن اسود حضرت خالدؓ بن سعید حضرت بردہ اسلمی حضرت ابی بن کعب حضرت حذیفہ یمانی حضرت خزیمہ بن ثابت حضرت سیہان بن حنیف حضرت سعد بن سعادہ انصاری حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت ابو الہشیم بن تیہان رضوان اللہ علیہم موجود تھے اور حضرت سلمان فارسی حضرت علیؑ کے سب سے پہلے شیعہ تھے اور اسطرح 10 ھجری سے تا ایندم شیعوں نے طوفان مصائب کے تھپڑوں سے مسلسل مقابلہ کر کے مکتب شیعہ کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس مکتب شیعہ کو پوری کائنات میں زندہ وتابندہ رکھا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک یہ مکتب شیعہ بڑی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری رہے گا۔ مگر بعض ناصبی علماء نے مکتب تشیع کی حقانیت اور حقیقت کو عام لوگوں کی نظروں کے سامنے متنازعہ اور

مشکوک بنانے کی خاطر نام نہاد عبداللہ ابن سبا اور اس کی مفروضہ تحریک سے منسوب کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں عالمی استکبار کے نمک خوار اس خدائی فکر وعمل مکتب کو بدنام کرنا چاہتے ہیں تاکہ مکتب تشیع کی علمی اور شرعی حیثیت مجروح ہو اور اس خاص مقصد کی خاطر ابن سبا کا افسانہ تراشا گیا ہے اگرچہ تاریخ اسلام میں اس فرضی کہانی کی کوئی واضح حقیقت نہیں ہے اس لئے اس نام نہاد افسانہ کی رد میں مکتب تشیع کے متکلمین نے اس کے پس پردہ مقاصد اور حقائق کے اصلی خدوخال کو واضح کرنے کی خاطر بہت کچھ کام کیا ہے اس افسانوی کردار کی اصل حقیقت جاننے کے لئے فقط ڈاکٹر مرتضیٰ عسکری کی شہرہ آفاق کتاب عبداللہ بن سبا کا تفصیلی مطالعہ کافی ہوگا۔ یہ کتاب ضخیم تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں اس خود تراشے ہوئے افسانے کی اصل حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے امام ابوزہرہ مصری اپنی کتاب تاریخ مذاہب اسلامیہ میں لکھتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ فرقہ ایک اسلامی فرقہ ہے اور یہ لوگ بھی سبائیت کو کفر سمجھتے ہیں اس طرح علامہ شیخ حسن ایوب نے اپنی کتاب تبسیط العقائد اسلامیہ میں لکھا ہے کہ اسلامی فرقوں میں شیعہ فرقہ سب سے قدیم ہے کیونکہ اس لفظ شیعہ کی توضیح حضرت نوح کے دور سے ہوتی ہے نیز وہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کے بھی مختلف گروہ ہیں ان میں سے کچھ غالی اور کچھ میانہ رو ہیں مفکر اسلام استاد انور جندی نے مسلمانوں کو دعوت فکر دیکر کہا ہے کہ وہ غالیوں اور شیعوں میں فرق معلوم کرے کیونکہ اس لفظ شیعہ کو متنازعہ بنانے کی خاطر ایک خاص منصوبے

کے تحت بعداز وفات پیغمبر اسلامؐ اس بحث کو بیجا وسعت دی گئی ہے۔

کیونکہ وصال پیغمبر خاتمؐ کے بعد مسلمان دو گروہوں اور دو نظریات میں بٹ گئے پہلا نظریہ شورائی نظام حکومت کا ہے اور دوسرا نظریہ حکومت امامت منصوصہ کا ہے شورائی نظام کو خلافت کے نام پر چلانے کے حامی اہلسنت کہلائے جو خلافت راشدہ کے حوالے سے اسلامی نظام حکومت کے قائل ہیں اور دوسرا نظریہ شیعوں کا ہے جو بعداز وصال پیغمبرؐ کے خدا کی زمین کو حجت خدا سے خالی نہیں مانتے اس لئے حضرت علیؑ اور اس کی اولاد میں سے صاحبان ذکر کی امامت اور قیادت روحانی کے قائل ہیں اور اس سلسلے کو بطور خدائی منصب اور محافظین قرآن وسنت کے جزء ایمان مانتے ہیں اور جو لوگ حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کی شان میں غلو کرتے یا ان کی شان کے خلاف گالی دیتے ہیں شیعہ ان کو نجس اور ناپاک مانتے ہیں۔

غلو سے مراد حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک کے سلسلے میں کسی بھی امام کو خدا کی ذات اور صفات میں شریک کرنا یا نبی خاتمؐ کی بنوت و رسالت میں شریک قرار دینا ہے شیعہ امامت کو ختم نبوت کی دلیل قرار دیتے ہیں اور اس نظریہ امامت کے حوالے سے شیعوں کے کئے فرقے بن گئے ہیں مگر ان فرقوں میں سے اکثر فرقے اپنے کمزور استدلال اور نظریہ کی بدولت ختم ہو چکے ہیں تاریخ میں نام تو آیا ہے مگر انکا وجود نہیں ہے اب صرف زیدی شیعہ اور اسمٰعیل شیعہ دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں اور شیعوں کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ علم ودانش اور تعداد کے لحاظ سے واضح اکثریت

بارہ امامی شیعوں کی ہے ان کو اثناء عشری شیعہ کہتے ہیں شیعہ وہ قدیم جماعت ہے جو حضرت علیؑ کی پیروکار اور جانبدار رہی ہے اور مکتب تشیع نے وصال پیغمبر آخر زمانؐ کے بعد آپؐ کی اہلِ بیتؑ کے حقوق کی بحالی اور ان کے اجراء کردہ علوم کی ترویج کے ساتھ ان کی رہبری خصوصا ان کی خلافت الہیہ کے فلسفے کے بارے میں ان کے وضع کردہ نظریات کی حمایت اور ترویج کو خاص اہمیت دیا ہے نیز اسلام اور خلافت راشدہ کے نام پر اقتدار پر متمکن حکومتوں پر مدلل اعتراضات کئے اور ان کے اس انداز حکم رانی کی وجہ سے اکثریتی جماعت سے الگ ہوگئے ہیں اس وجہ سے خلفاء راشدین کے دور حکومت مین ہمیشہ سیاسی اقتصادی اور مذہبی دباو میں رہے اور خلافت بنی امیہ کے طویل دور حکومت میں وہ جان ومال کی حفاظت سے بھی محروم رہے اور برسر اقتدار لوگوں کے مظالم کے باوجود یہ مکتب نہ صرف زندہ رہا بلکہ ان حکومتوں کے مظالم کے باوجود مکتب تشیع کے نظریات اور عقائد کو بھرپور انداز میں مظبوطی سے تھامے رکھا اس طرح ہر دور میں ظلم ونا انصافیوں کے باوجود اپنی مظلومیت اور محرومیت کے اپنے ایمان وایقان میں لغزش آنے نہیں دیا اور ساتھ ساتھ ردعمل کے طور پر اپنے نظریہ کی وسعت اور ترویج میں زیادہ کوشش کرتے رہے اور اس طرح بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے مکتب تشیع کو آگے بڑھایا ہے۔

دوسری صدی ہجری کے وسط میں خلفاء بنی عباس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیا تو بنی عباس اور بنی امیہ کی آپس کی کشمکش اور رسہ کشی سے حالات بگڑتے رہے

اور شیعوں کو کافی سکون اور آرام کا سانس لینا نصیب ہوا اور اس عارضی آرام و مہلت کے بعد پھر سے شیعوں پر سختی اور دباؤ شروع ہوا اور یہ دباؤ اور سختی آخر دم تک بڑھتی رہی اسطرح پھر چوتھی صدی ہجری کی آمد پر آل بویہ کے شیعہ حکمرانوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیا تو اس دور میں مکتب تشیع نے بھی طاقت حاصل کر لیا کیونکہ حکومت کی غیر جانبداری کی بدولت شیعوں کو کافی آزادی مل گئی تھی اس لئے شیعوں نے بھی علانیہ طور پر علمی اور عملی میدانوں میں اپنے حریفوں کا بھرپور انداز میں مقابلہ شروع کیا۔

پھر چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں تاتاریوں کے حملے شروع ہوئے اور دوسری جانب حلیبی جنگوں کا آغاز بھی ہوا جنکی وجہ سے اسلام کے نام پر چلنے والی حکومتوں کی طرف سے شیعوں پر دباؤ کم ہوا اور خاص طور پر بعض مغلیہ سلاطین کی طرف سے مذہب شیعہ اختیار کر لینا بھی تھا اور اس طرح مازندرانی اور مرعشی سلطانون کی حکومتوں کی بدولت مکتب تشیع کی ترقی میں خاص مدد ملی اور اس طرح ایران، عراق کے علاوہ تمام اسلامی مما لک میں شیعوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا اور تقریبا دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ملک ایران میں صفوی حکومت کے قیام سے مذہب شیعہ نے پہلی مرتبہ حکومتی سرپرستی میں سرکاری مذہب کی حیثیت اختیار کر لیا اور اسطرح مذہب شیعہ کے احکام وقوانین کا بھرپور ترویج ہوئی اور اس مثبت طریق تبلیغ سے متاثر ہو کر دنیا کے مختلف مما لک میں اور خصوصا

اسلامی ممالک میں لوگ اس مکتب کی جانب راغب ہوتے رہے اور بفضل خدااس وقت دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں شیعہ زندگی کرتے ہیں اوران کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے اس طرح مسائل ومشکلات کے باوجود مکتب تشیع نے علمی اور عملی میدان میں نمایاں کام کئے ہیں۔

اور قرآن وسنت کے روشن اصولوں کو صاحبان ذکر یعنی اہل بیتؑ محمدؐ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق آگے بڑھایا علم صرف ونحو، علم معانی وبیان، علم قرائت، علم تفسیر، علم حدیث، علم رجال، علم اصول، علم فقہ، علم فلسفہ، علم ادب اور علم درایت وغیرہ میں مستند اور وافر ذخیرہ جمع کر کے دنیا میں ایک خاص مقام بنالیا ہے اور اس طرح مکتب تشیع نے ہر فن مین بڑے نابغہ روزگار علماء فن پیدا کئے اور اس طرح ابتداء تاریخ سے آج تک انفرادی اور اجتماعی طور پر علم وعمل اور جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں بڑے نمایاں اور انقلابی خدمات انجام دیئے ہیں مکتب شیعہ نے خانوادہ رسالت کے در سے جو کچھ سیکھا ہے اس پر معتقد اور کاربند ہے اس جہاں میں جو چیز دنیا کے تمدن اور معاشرے کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ دین الہی کی تعلیمات کی معرفت سے اور مکتب شیعہ دین الہی کی ثقافت کو قرآن وسنت اور سیرت اہل بیتؑ رسالتؐ کے روشن اصولوں کے مطابق نافذ کرنے کی تمنا رکھتا ہے اور نظام مصطفیؐ کے لئے انتظام مرتضیؑ کو شرط اول جانتا ہے مکتب شیعہ کا مکمل عقیدہ ہے کہ دین اسلام کی آسمانی شریعت کا سارا مواد کتاب خدا قرآن مجید

اور نبی خاتمؐ کی سنت میں بڑے جامع اور واضح طور پر ذکر ہو چکا ہے مکتب شیعہ میں ختم بنوت کے بعد قیامت تک امامت منصوصہ کا نظریہ ختم نبوت کی واضح اور قاطع دلیل ہے اور قرآن واہل بیتؑ کے توسط سے یہ خدائی احکام من وعن قیامت تک قائم ودائم رہیں گے اور اسلام کے بنیادی فلسفہ حیات میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے مگر دنیا کی سرعت رفتار کی بدولت اس میں فسلفہ حیات فقاہت واجتہاد کی ضرورت ہے لہذا ہر اسلامی حکومت کے پاس اسلام کے جامع دستوری شریعت کو مکمل طور پر نافذ نہ کرنے کا کوئی جواز یا عذر نہیں ہے لہذا نظام مصطفیؐ کی ترویج اور نفاذ کے لئے انتظام مرتضیٰؑ یعنی امامت منصوصہ کا نظام حکومت کا نفاذ ضروری ہے اس طرح کا جس چیز نے مکتب شیعہ کو شورائی نظام خلافت انتخابی طریق کار کو قبول نہ کرنے پر ابھارا وہ ماضی کے تجربات اور مستقبل میں بھی رونما ہونے والے متوقع ناگوار حادثات کا خوف تھا کیونکہ ماضی کے خاص تجربات سے کھل کر معلوم ہوا تھا اور امکان یہ تھا کہ مستقبل میں بھی نظام اسلام کے نام پر شورائی طریق حکومت میں بد عنوانی اور فساد ہونے کا امکان تھا اور کی وجہ سے دین اسلام کی بنیادی تعلیمات میں خرابی نظر آتی رہے گی اور اتفاق سے بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے اس خدشہ اور پیشگوئی کو اور تقویت دیا مکتب شیعہ کے نزدیک معاشرتی طور پر آزادی فکر کے لئے ایسے پاک باز اور راست گو لوگوں کی ضرورت ہے جنکی عصمت وطہارت کی تائید خالق کائنات اور مخبر صادقؐ نے کی ہو ورنہ ممکن ہے کہ ایسے افراد اقتدار اور

رہبری کو اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے فرائض کی ذمہ داریوں میں غلطی یا خیانت سے محفوظ نہ ہوں اور اس غلطی کی بدولت اسلام کا عادلانہ نظام حکومت اور ولایت تکوینی استبداری سلطنت اور قیصر و کسریٰ کی طرح کی حکومت میں تبدیل ہو کر رہ جائے پس ایسے حالات میں فقط ایسا فرد موجود ہو جس کی تصدیق و تائید پیغمبر خاتمؐ نے فرمائی ہو اور وہ شخص قول و فعل میں پاک باز اور راست گو ہو اور اس کے طور طریقے کتاب خدا اور سنت رسول اسلامؐ کی روشنی میں مکمل علم کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں امام اور رہبر مانا جائے بعد از وصال پیغمبر شیعوں کے نزدیک ایسا شخص جس کی رہبریت پر مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے فقط علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم میں اس بارے مین مکمل اور مدلل وضاحت نہایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے بخوف طوالت حوالے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

بحیثیت مجموعی ہر آسمانی دین و مذہب کے احکامات دو حصوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یعنی اعتقادِ اور عمل اور دین اسلام کا اعتقادی حصہ بنیادی عقائد اور فطری حقائق پرستی اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ان حقائق پر انسان کو اپنی زندگی کا بنیاد رکھنا ہے اور وہ بنیادی اصول تین ارکان پر مشتمل ہے اول توحید دوم بنوت سوم معاد اگر کوئی فرد ان ارکان ثلاثہ میں سے کسی ایک میں شک کرے یا منکر ہو جائے تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور ان ارکان پر عقیدہ کے بغیر دین اسلام کی پیروی کا فلسفہ اپنے اساسی مقاصد تک نہیں پہنچ سکتا ہے اسیطر ح دین اسلام کا عملی حصہ اخلاق حسنہ

کے ساتھ عبادی فرائض پر مبنی ہے اور فلسفہ عبادت کی فرضیت بطور شکران نعمت اضافہ نعمت کے وعدے کے ساتھ فرض قرار دیا گیا ہے اور آسمانی ادیان خصوصا دین اسلام میں انسان کی فلاح دارین کے لئے جو فروعی قوانین ہیں یعنی اخلاق حسنہ اور اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مکتب شیعہ اثنا عشریہ نے ان بنیادی اصول اور فروعی عبادات کے قوانین کو قرآن وسنت کے ساتھ آنحضور کا گھرانہ یعنی اہل بیتؑ کے در سے لیا ہے اور شیعہ اثنا عشریہ ان ذوات مقدسہ کو آپؐ کے بعد سب دنیا سے زیادہ عالم اور قرآن اور منبع وحی سے زیادہ متصل مانتے ہیں اس لئے زندگی کے ہر موڑ میں اور آخری سانسوں تک ان ذوات مقدسہ کے دامن عصمت وطہارت سے متصل رہنے کے دعویدار ہیں۔ لہذا تاریخ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اس گروہ کو شیعیان علیؑ کے قدیم نام سے یاد کیا جاتا ہے تفسیر صافی میں من لایحضر الفقیه کے حوالے سے ذکر ہوا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ رسول اللہ کو فرماتے سنا اگر کوئی مومن حالت ایمان میں فوت ہو جائے تو اس کے گناہ جتنے بھی ہوں موت اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہوگی اور جس شخص نے کسی کو اللہ کا شریک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا نیز آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰـهَ لاَ یَغْفِرُ اِنْ یُشْرِکَ بِهِ وِیغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِکَ لِمَن یَّشَاءُ ''اور آپؐ نے یہ الفاظ بڑھا دیئے: من شیعتک ومحبتک یا علیؑ بے

شک خدا معاف نہیں کرے گا اس کا شریک ٹھہرانے والے کو اور معاف کرے گا اس کے علاوہ جس کو چاہے اور آپ نے یہ الفاظ بڑھا دیئے: من شیعتک ومحبیک یا علی یعنی خدا نے فرمایا ہے کہ مشرک کے سوا جس کو چاہے اللہ تعالیٰ معاف کردیگا اور اے علی وہ لوگ تمہارے شیعوں محبوں سے ہونگے امیر المومنینؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ گیا وہ میرے شیعوں میں سے ہونگے صاحب تفسیر مجمع البیان لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو یہ نام مبارک ہو پوچھا گیا کہ کونسا نام آپ نے فرمایا شیعہ اور اس کے بعد سورہ قصص کی آیت ۱۴۱ کی تلاوت فرمائی اور اس طرح حضرت امام محمد باقرؑ نے بھی اس نام کی وجہ سے مبارک باد دی ہے۔ کتاب المحاسن میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ملت ابراہیم پر تمہارے سوا کوئی قائم نہیں ہے اور تمہارے سوا کسی کے اعمال قبول نہیں کیئے جائنگے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس لفظ شیعہ کے بارے میں جتنی تاویلات ہوئیں ہیں اس لفظ یا نام کی توجیح اور توضیح کی خاطر بڑا مدلل اور جامع کام ہوتا رہا ہے مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائی نے اس لفظ شیعہ کی توضیح کی خاطر اپنی کتاب وافی ہدایہ کا نام ہی شیعہ رکھا ہے مکتب شیعہ خیر البریہ علم وعمل کے میدان میں ایک مسلمہ اور مضبوط اسلامی مکتب فکر سے اور اس خاص مکتب فکر کے حاسدوں میں یہود و نصاری اور ہنود کے علاوہ مسلمان مکاتیب فکر پیش پیش رہے ہیں اسطرح جو لوگ اپنے نظریات اور ان کی ترویج میں شیعیت کو ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر رکاوٹ اور سخت دفاعی حصار سمجھتے

ہیں وہ لوگ ہر وقت مکتب شیعہ کے خلاف بلا جواز بے سروپا الزامات کے ساتھ ساتھ ریشہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں تاکہ عوام الناس کے سامنے اس مکتب کی حقانیت اور حقیقت کو مشکوک بنا دیا جائے مگر این خیال است ومحال است وجنوں" کیونکہ علم اور تحقیق کے لحاظ سے جعفری مکتب اسکی ثقافت نا قابل شکست ہے مگر (لفظ شیعہ کی دامن میں بارہ گروہ نے جگہ بنالیا ہے) دین اسلام کے حوالے سے لفظ شیعہ کی دامن میں بارہ فرقوں نے اپنے لئے جگہ بنالیا اسیطرح ان گرہوں نے اپنے آپ کو ثقافت امام جعفر صادق کا نام دیا ہے مگر عمل اور عقیدے کی نظر سے دیکھا جائے تو عملی میدان میں ان کا دعوی درست ثابت نہیں ہوتا ہے چونکہ علوم الٰہیہ اور اس اسرار کے عظیم معارف سرکار خاتم الانبیاء کے ذریعے اور آپ کے اس عظیم خانوادے کے توسط سے دنیا تک پہنچ گئے ہیں۔

اس لئے خانوادے کو اہل بیت محمدؐ اور ان معارف کو ثقافت جعفریہ کا نام دیا گیا ہے اور اس طرح ظہور اسلام سے ہزاروں سال قبل علم الٰہیات اور اس کائنات کے بارے میں جو نظریات سامنے آئے ہیں ان کے بارے میں الگ ادوار میں مختلف دانشمندوں اور حکما نے اپنے نظریات بعنوان تھوری لکھا ہے مگر مکتب اسلام میں اس دین کے حقیقی پیروکاروں نے ان معارف کو دلیل و برہان کے ذریعہ عام فہم انداز میں پھیلا کر عام کرنے کی کوشش کی ہے اور اسطرح ان قدیم حکما کی نظریات کی توضیح خود پیغمبر اسلامؐ کے بعد آپ کے خانوادے کے توسط سے عام ہوئے ہیں۔ اس طر

ح ان علوم کا اجرا امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے زمانے کی ضرورت اور حالات کے مطابق اپنے دور میں عام معرفت کے ساتھ منطقی دلائل کے ساتھ عام کر دیا کیونکہ زمانے کے حالات نے امام محمد باقرؑ کے لئے ان نظریات کو عام کرنے کا موقع فراہم کیا امام محمد باقرؑ اپنے درسوں میں مختلف علوم کے بارے میں عام بحث فرماتے تھے اور علمی طبقوں میں امام جعفر صادق ایک چھوٹے بچے کی حیثیت سے ایک شاگرد کی طرح اپنے والد بزرگوار کے درسوں میں شریک رہتے تھے اس دور میں علمی طبقوں میں اعتراض یا دلیل طلب کرنے کا عام رواج نہ تھا مگر درس امام محمد باقرؑ کے علاوہ مکتب جعفریہ کی ثقافت میں اس بات کی خاص اجازت تھی اور ہے شاگرد اپنے استاد سے دلیل طلب کرتا اور منطقی انداز کا جواب مانگتا اس دور میں علوم ومعرفت کے بارے میں توضیح سے حاکم وقت کا اقتدار یا اس کے خاص نظریات سے متصادم کوئی بحث سامنے آجائے تو حاکم اور اس کی حکومت کی طرف سے اپنے مفادات کی خاطر بطور خاص عافت سے اس بحث کو دبانے کی کوشش کی جاتی تھی بلکہ درباری علما کی طرف سے کفر وارنداد کے عام فتوی بازی کے ذریعہ دبایا جاتا تھا۔

مکتب شیعہ مین منصب امامت علم لدنی کا حامل ہوتا ہے مگر امام علم لدنی کو عوام کی ذہنی صلاحیت یعنی مقدار ظرف کے مطابق استعمال کرنیکا خدائی حکمت کا قائل سے کیونکہ سیرت نبویہ میں علوم الہیہ کی معرفت کے لئے اور بھی راستے اور طریقے موجود ہیں چونکہ علم لدنی خدا کی جانب سے خاص عطا ہے اس لئے علم امامت عام

افراد کی فکر سے بلند ہے اس لئے عام لوگوں کو کسی منطق دلیل کے بغیر اپنی روحانی طاقت سے منوانا سنت الٰہی کے عین مطابق نہیں ہے اور یہ قرین اتصاف بھی نہیں ہے اس طرح صاحبان ذکر لوگوں کا کام ہے کہ وہ دلیل و برہان سے لوگوں کو قائل کرے اور یہ طریقہ سنت نبویہ اور حقیقت سے قریب ہے۔

۵۴۰ ہجری کا مشہور عالم صوفی اور شاعر محمد نیشاپوری جو فرید الدین عطار کے لقب سے مشہور ہوئے آپ منطق الطیر اسرار نامہ اور الٰہی نامہ جیسے مشہور شعری مجموعوں کا مصنف ہے اور آپ نے نثر میں تذکرۃ الاولیا کے نام سے علم و عرفان سے وابسطہ بزرگوں کے حالات لکھے ہیں آپ نے لکھا ہے کہ دنیا کے تمام فرقے کافر ہوں یا مسلمان سب امام جعفر صادقؑ کے درس میں شریک ہوتے تھے امام جعفر صادقؑ کا حلقہ درس ایک خاص یونیورسٹی کی طرح تھا جہاں ہر موضوع پر بحث ہوتی تھی مسلمانوں کے علاوہ بعض یورپی محققین بھی کہتے ہیں کہ مشہور کیمیادان جابر بن حیان مکتب جعفریہ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے امام جعفر صادقؑ کی اس او ی۰ نیورسٹی سے ہر مکتب اور ہر رنگ نسل کے افراد نے ہر علم کے بارے میں استفادہ کیا ہے اکثر اسلامی عرفا اور مورخین کا یہ عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ اسلامی دنیا کے پہلے عارف یا عرفا میں سے ایک ہیں اور اس عرفان و سلوک کے حوالے سے آپ کے بعد مکتب شیعہ کے اندر عرفان و سلوک کے مختلف گروہ پیدا ہوئے اور ان لوگوں نے اپنی فکر و نظر کے مطابق عرفان میں مبالغہ سے کام لیا اور اپنے آپ کو شیعہ کہا اس

طرح اہل سنت والجماعت کے عرفا کے ایک گروہ نے بھی مکتب امام جعفر صادقؑ سے عرفان کا درس حاصل کیا مگر مکتب شیعہ اور ثقافت جعفریہ کے خاص اصول ان کے عرفانی نظریات سے بالکل الگ ہیں اس لئے امام جعفر صادقؑ کے بعد بھی اس مکتب کے علما اور صاحبان سلوک نے ان عرفانی نظریات کو قبول نہیں کیا ہے حصول علم کے دو مقاصد ہوتے ہیں طالب علم نوری فائدے کے بعد عہدہ حاصل کرنا یا فقط علم برائے علم یعنی معرفت کا حصول ہوتا ہے امام جعفر صادقؑ برسر اقتدار بھی نہ تھے اور نہ اپنے شاگردوں کی سفارشی مدد کر سکتے تھے پھر بھی علم ومعرفت کے متلاشی طلبا اکتساب علم کی خاطر آپ کے حضور میں زانوے تلمذ تہہ کرتے تھے اس لئے نعمان بن ثابت المشہور امام ابوحنیفہ جیسی علمی شخصیت نے بھی دو سال تک آپ کی شاگردی کی آپ کا قول ہے اگر دو سال جعفر صادقؑ کی شاگردی نصیب نہ ہوتی تو نعمان بن ثابت ہلاک ہوا ہوتا امام ابوحنیفہ کو عہدہ اور بڑائی کا شوق نہ تھا اس لئے خلیفہ منصور دوانقی کی جیل میں رہ کر انتقال کر گئے مگر دولت اور بڑائی کی خاطر عہدہ قضاوت قبول نہیں کیا مگر امام ابو یوسف نے عہدہ قضاوت قبول کیا اور امام ابوحنیفہ کے نام سے اپنا فتوی چلایا۔

امام جعفر صادقؑ نے شیعہ مکتب فکر کی دو طریقوں سے خدمت کی آپ نے شیعوں کے ایک گروہ کو تعلیم دیکر علم وفضل کے میدان میں ان کو کامل بنایا اور اس طرح شیعہ ثقافت ان عالم وفاضل کے ذریعے موجود رہا اور ان کے توسط سے ہی

مکتب شیعہ کی ترقی اور بقاء میں مدد ملی اور امام جعفر صادقؑ کے بعد ہر امام نے علماء کے ذریعے شیعی ثقافت کو فروغ دیا اس خاص ثقافت کی بنیاد پیغمبر آخرزمان کے دور ہی میں رکھا گیا تھا لیکن آنحضرت کی وصال کے بعد مختلف ادوار میں حکومتوں کے مختلف حالات کی بدولت یہ فکر و عمل مکمل طور پر دباؤ کا شکار رہا اور جامع طور پر ترقی نہ کر سکا اور دیگر مکاتب کی طرح ختم بھی نہیں ہوا مسلمانوں میں خصوصا مکتب شیعہ میں کلیسا کی طرح کوئی مرکزی روحانی تنظیم نہیں تھی جو وسیع بنیادوں پر اس مکتب کی کھل کر تبلیغ کر سکے بلکہ اس مکتب کے مقابلے میں حکومتوں کی طرف سے اور ان کے پروردہ لوگوں کے ذریعے کافی سے زیادہ رکاوٹیں دور دباؤ رہا پھر بھی شیعہ مکتب اپنی فطری ثقافت کی بدولت باقی رہا کیونکہ اس مکتب کی ثقافت کی بنیادیں مضبوط ہیں اس لئے یہ فکر و عمل باقی رہا اور رہیگا امام جعفر صادقؑ نے اپنے قول و فعل سے شیعہ علما کو یہ باور کر یا تھا کہ ہماری ثقافت نبوی ثقافت ہے جو دین اسلام کی بقاء کی ضمانت دے سکتی ہے اور ہر شیعہ عالم اور دانشمند کو چاہئے کہ اپنی اس ثقافت میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے اور جو کچھ ان تک پہنچا ہے اس کی حفاظت کرے اور لوگوں میں اس کو رواج دے تا کہ زمانے کی سرعت رفتار کی بدولت لوگوں میں شعور و آگاہی آجائے اس طرح مذاہب عالم کے بارے میں تحقیق کے بعد واضح ہوتا ہے کہ کلیسا کے علاوہ دیگر مکاتب فکر کو دولت اور حکومت کی سرپرستی کی خاص ضرورت ہوتی ہے اس لئے دنیا کے اندر لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں مگر

مکتب شیعہ مجتہدین کرام اور صالح مبلغین کی بدولت فروغ پا رہا ہے لہذا اس مکتب کی ثقافتی ترقی سے خوفزدہ ہو کر عالمی استعمار اور اس کے نمک خوار اس مکتب فکر کی ثقافت کو کمزور کرنے کی خاطر مجتہدین کرام جو نمائندہ امام زمان عجل اللہ فرجہ ہیں اور صالح مبلغین کو بدنام کرنے کے لئے دولت اور پروپیگنڈو سے کام لے رہے ہیں ۔شیعہ مکتب کے پاس کلیسا کی طرح کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی اور نہ ان کے روحانی پیشواؤں کے پاس اس مکتب کو فروغ دینے کے لئے کوئی منظّم اور جامع تنظیم تھی اور نہ آج ایسا بین الاقوامی اقتصادی جامع پروگرام سے جو پوری دنیا میں ایک منظّم وحدت کی طرح کام کرے اور کلیسا کی طرح منظّم ہو اگرچہ امام جعفر صادقؑ مالی لحاظ سے اس مکتب کو کلیسا کی طرح منظّم نہ کر سکا مگر آپ نے اس مکتب کے لئے ایک جامع اکیڈمی ضرور مہیا کیا ہے اس لئے آج بھی لوگ الگ خطوں میں رہتے ہوئے اپنی ثقافت کے حوالے سے کام کر رہے ہیں ۔ چونکہ اس اکیڈمی میں آزدانہ طور پر علمی مسائل اسلامی کے علاوہ علم جغرافیہ، علم فلسفہ، علم نجوم، علم فلکیات، علم تاریخ اور علم کیمیاء وغیرہ مختلف علوم کے لئے ایک واضح تھیوری کے ساتھ بنیاد فراہم کیا ہے۔

لفظ اکیڈمی کی توجیہ یہ ہے کہ ایتھنز کے نزدیک ایک باغ تھا جہاں مشہور دانشمند اور فلانسفر افلاطون لوگوں کو پڑھاتا تھا۔ افلاطون کے بعد اس کے شاگرد اس باغ میں ملالعہ کرتے تھے اور یہ مقام تقریبا ایک ہزار سال یعنی ۵۹۲ عیسوی تک علمی مطالعات کا مرکز رہا ہے اور جب بیزانس کا شہنشاہ روس ژی ٹین یہاں قابض ہوا تو

اس نے اس علمی مرکز کو بند کرادیا تھا آج اس مناسبت سے علمی مراکز کو اکیڈمی کہتے
ہیں اور اس کے ساتھ ایسے اہم علمی مراکز کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے
۔جیسے حوزہ علمیہ یا دار العلوم

امام جعفر صادقؑ نے شیعہ مکتب کے لئے جس ثقافت کو سامنے لایا تھا اس دور کی
دوسری ثقافتون کے مقابلے میں اس لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتی تھی کہ اس ثقافت میں
بحث کی آزادی تھی اور کوئی فتوی لگانے والا نہیں تھا اس وجہ سے اس ثقافت میں توسیع
ہوئی اور اس کو فروغ ملا اسطرح شیعہ ثقافت کا دامن وسیع ہوتا گیا اور یہ ثقافت تمام
اسلامی فرقوں کے لئے ایک مثالی نمونہ ثابت ہوئی اور دوسری صدی ہجری کے احتتام
کو پہنچنے سے پہلے ہی وسعت اختیار کرلیا اور باوجود باؤ کے اس مکتب کا اثر دوسرے
مذاہب پر بھی پڑا اور وہ بھی اپنے مذاہب کو علمی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے کی
کوشش کرنے لگے مذہبی شیعہ ثقافت وہ اولین مکتب تھا جس میں علم قانون یا قانون
فزکس کمیسٹری حساب، ہندسہ طب ،اور علم میکانیکی بھی شامل تھا اور خود امام صادقؑ
ان علوم کو پڑہاتے تھے اس کے علاوہ آپ عرفان بھی پڑھاتے تھے اور آپ نے قدیم
عرفانی نظریات کے مقابلے میں ایک جدید عرفانی مکتب کو وجود میں لایا اور اس
عرفانی مکتب کو آپ کے پیروکار جعفری عرفان کا نام دیتے ہیں اس لئے مشرق
کا عرفان اور مکتب اسکندریہ مصر کے عرفانی کے مقابلے میں جعفری عرفان میں واضح
فرق پایا جاتا ہے کیونکہ جعفری عرفان مین دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ اخلاقی امور

اور تزکیہ نفس کی مانند اہم امور پر بھی خاص توجہ دی جاتی تھی اور اس طرح جعفری عرفان میں دوسرے مکاتیب فکر اور مکاتب فقہ کی مانند نہ تو مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی خالق ومخلوق کی وحدت پائی جاتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ کے عرفان میں اگر انسان نیکوکار ہوگا تو وہ خدا کے زیادہ قریب ہوگا لیکن ملحق نہیں ہوگا کیونکہ کوئی مخلوق خالق سے ملحق نہیں ہوسکتی ہے مگر یہ ممکن ہے کہ مخلوق اپنے خاص عمل صالح کی وجہ سے وصل باللہ کا فاصلہ کم کرسکتا ہے مگر فاصلہ کو ختم نہیں کرسکتا البتہ نبی خاتمؐ کے لئے قرآن مجید میں دنیٰ اور قاب قوسین کے بعد اوادنیٰ کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

مگر یہاں پر بھی دوئی کا پردہ موجود ہے یعنی خالق ومخلوق کے درمیان فرق موجود ہے اور خالق ومخلوق کے درمیان حد فاصل کا فلسفہ بانی اسلام پیغمبر خاتم محمد عربیؐ اور آپ کے عظیم شاگرد حضرت علیؑ نے روشناس کرایا ہے اور امام جعفر صادقؑ نے بعد میں اپنے دور میں اس خاص فرق کی توضیح اور تشنہ تشریح کی ہے چونکہ امام جعفر صادقؑ کے حلقہ درس میں آزادنہ اظہار خیال کی کھلی چھٹی تھی اس لئے آپ کے شاگرد استاد کے نظریئے کو رد بھی کرتے تھے کیونکہ آپ اپنے نظریہ کو زبردستی شاگردوں پر ٹھونسنا نہیں چاہتے تھے اس لئے وہ تحقیق میں آزاد تھے کہ اس نظریہ کو قبول کرے یا مسترد کردے۔ مگر آپ کے مدلل بیان اور قادرالکلامی کا اثر تھا کہ شاگرد آپ کے درس کی طرف کھینچ کرلاتا تھا۔ آپ کے حلقہ درس میں شریک لوگوں کو یہ علم تھا کہ مادی لحاظ

سے ان کا درس سود مند نہیں ہے کیونکہ سند لیکر کسی دنیاوی عہدے پر فائز نہیں ہو سکتے۔

کیونکہ امام جعفر صادقؑ کے پاس کوئی دنیوی منصب نہیں تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو کوئی عہدہ دیدیتے اور وہ لوگ بھی یہ جانتے تھے کہ امام جعفر صادقؑ کے پاس کوئی دنیاوی مال ومتاع بھی نہیں ہے اور نہ آپ نے اپنے شاگردوں کو ایسی آئڈیل حکومت کے قیام کی جانب راغب کیا جس پر عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے اگرچہ آپ کے والد بزرگوار امام محمد باقرؑ کے دور میں اسلامی دنیا کے حالات ایسے تھے کہ آپ کے حلقہ درس میں شریک لوگ دنیوی منصب کے متمنی رہتے تھے اور جج یا قاضی انقضاہ بننے کے امیدوار ہوتے تھے کیونکہ ولید بن عبدالملک اموی خلیفہ نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ کہ جو لوگ موجوزہ علوم کے فارغ التحصیل ہوں تو ان میں سے چند کو جج منتخب کیا جائیگا۔

مگر امام جعفر صادقؑ کے دور میں آپ کے حلقہ درس میں شریک لوگ صرف معرفت کے حصول کی خاطر علم حاصل کرتے تھے اس لئے شیعہ ثقافت وسیع اور طاقتور ہوتی گئی اس طرح مشرقی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ صفوی دور حکومت مذہب شیعہ کو پھیلانے کے لئے اقدامات کئے مگر جبر واکراہ سے کام نہیں لیا وہ صرف واقعات کربلا کے حوالے سے اس مکتب کی تبلیغ اور ترویج کرتے تھے اسطرح شیعہ مذہب ہر دور کی حکومتوں کی مخالفت کے باوجود ترقی کرتا رہا اگرچہ اس

مکتب کی ترقی زیادہ تیز نہ تھی مگر اپنے مضبوط ثقافت کی بدولت سینکڑوں سال تک حکام وقت اور سلاطین کی کھلی دشمنی کے مقابلے میں قائم اور پائیدار رہا حال آنکہ اس مکتب کے ساتھ ہر دور میں مسلسل دشمنی کا برتاؤ کیا گیا ان سلاطین کے پاس دولت اور حکومت کے وسائل بھی تھے مگر جعفری ثقافت کے محافظوں اور مبلغوں کے پاس ایسا نہیں تھا اس طرح دنیا میں کسی بھی تمدن میں کسی بھی فکر ونظر کو متعارف کرا کر رائج کرنے اور اس فکر کو کامیاب بنا کر اس کو دوام بخشنے کے لئے علم ومعرفت خلوص وایثار کی ساتھ مالی وسائل یعنی دولت کے علاوہ اقتدار بھی ہونا چاہیئے۔

مگر تاریخ اسلام میں مکتب شیعہ نے دولت وقتدار کے بغیر اپنی فکر کو زندہ وتابندہ رکھنے کے لئے اس کے مکتب کے بانیوں اور ان کے خاص پیروکاروں کے علم معرفت سے فیض پا کر ایثار وقربانی کے نہ بھجنے والی ابدی شمع کو ہر دور میں روشن رکھا اس لئے زمانے کی تغیرات اور دولت وقتدار کے خاص دباؤ کے باوجود شیعہ خیر البریہ کی ثقافت کو علم وعرفان کے مسلمہ اور فطری قوانین کے ساتھ زندہ رکھا ہے اور آج کا دور تہذیبی جنگ کا دور ہے مختلف تہذیبیں آپس میں دست وگریباں ہیں خاص طور پر مغربی تہذیب نے مشرقی اور اسلامی تہذیبوں کو ہدف بنا رکھا ہے۔

مگر ان کی سرعت رفتار نے انہیں روحانی اعتبار سے بھی کمزور کر دیا ہے اس لئے آج کا دور ہمارے ارباب دانش اور اہل قلم پر بھاری ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ یہ لوگ طبقہ عوام میں ایمانی قوت اسلامی شعور اور حسن اخلاق کو نکھارنے میں اپنی

بھرپور صلاحیتوں کو کما حقہ استعمال میں لائے تا کہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے کی تشکیل ہو سکے اور مشرق و مغرب کی ثقافتی یلغار کا مقابلہ کر سکے مغربی تہذیب کی یلغار نے ہمارے معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے اگر اس چکا چوند کرنے والی مغربی یلغار کا سد باب نہ کیا گیا تو مستقبل کی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی اور رب کائنات بھی ہم سے مواخذہ کریگا مکتب شیعہ کو اثنا عشری مسلمان کہتے ہیں اور شیعہ مسلک کو جعفری کیوں کہتے ہیں؟ زبانی کلامی اقرار کافی نہیں اس پر بھرپور انداز میں غور کرنا ہوگا۔ تا کہ یہ الٰہی مکتب اپنے اسلامی اقتدار کے ساتھ سمجھ آئے۔

فصل دوم

گلگت میں شیعیت کی ابتداء

راجہ سوملک اول کیانی کے اوائل عہد حکومت میں تقریباً 725ء میں ایک خدا رسیدہ بزرگ اور عالم دین سید شاہ افضل ولی علاقہ بدخشان سے ہوکر دارالخلافہ گلگت میں وارد ہوئے تھے حضرت سید شاہ افضل علم وعمل اور منصب روحانیت میں صاحب کشف وکرامات ولی اللہ تھے تاریخی روایت کے ساتھ علم درایت کی روشنی سے تحقیق کی جائے تو آپ کا ورود مسعود کا زمانہ 725ء مطابق 105ھ بنتا ہے اور اس پر آشوب دور میں اسلامی دنیا کا حاکم وقت خلیفہ منصور دوانقی تھا اور روحانی دنیا کی حکومت کے حاکم حضرت امام جعفر صادق تھے اگر چہ مبلغ بزرگوار سید شاہ افضلؒ کے بارے میں خاص تفصیلی معلومات نہیں ملتے مگر مختلف عام تزکروں میں آپ کے بابت کافی معلومات ملتے ہیں اور علم درایت کے تناظر میں ان معلومات کی تصدیق ہو جاتی ہے اولین مبلغ اسلام سید شاہ افضلؒ ملک ایران سے سمرقند وبخارا کے متمدن علاقوں سے ہوتا ہوا علاقہ بدخشان میں وارد ہوئے اور وہاں سے گرم چشمہ چترال کے راستے دارالخلافہ گلگت پہنچے اس دور میں گلگت اور اس کے علاقہ جات پر راجہ سو ملک اول کی حکومت تھی راجہ سوملک کیانی نے پورے 70ء سال گلگت اور اس کے ایالات پر عدل وانصاف سے حکومت کی ہے اور یہ مشہور اور انصاف پرور بادشاہ

اولین مبلغ اسلام حضرت سید شاہ افضلؒ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور گلگت میں اس عادل بادشاہ کے ذریعے دین اسلام کی تبلیغ ہوئی راجہ سوملک کیانی بڑی مدت سے اولاد کا متمنی تھا کیونکہ ان کی متعدد بیگمات سے کوئی اولاد نہیں تھی راجہ سوملک کیانی نے مبلغ اسلام ولی بزرگوار سید شاہ افضلؒ سے درخواست کی آپ ان کے حق میں خصوصی دعا کرے کہ خداوند عالم راجہ کو اولاد کی نعمت سے نوازے تاکہ وہ تخت وتاج کا وارث بنے شاہ صاحب موصوف نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور اس دعا کے طفیل خداوند عالم نے عادل بادشاہ سوملک کیانی کی چہیتی ملکہ شاہ بیگم کے بطن سے ایک نرینہ اولاد عطا کیا اور اس شاہزادے کا نام شاہ ملک رکھا گیا اور راجہ سوملک کیانی نے بکمال عقیدت اس بچے کو اس ولی بزرگوار کی گود میں ڈال دیا اور اس خوش قسمت شاہزادے کا نام اپنے دور سید شاہ افضل سے منسوب کر کے شاہ ملک رکھا مگر گلگت کی رعایا نے بکمال محبت وعقیدت اس شاہزادے کو گلیت ملیکا کے نام سے یادرکھا اور سید شاہ افضلؒ ہی شاہزادے کا اتالیق مقرر ہوئیاور جب اور جب شہزادے کی عمر ۱۶ سال ہوئی تھی اس اولین مبلغ اسلام کا انتقال ہوا اس مبلغ اسلام کی وفات پر راجہ سوملک اول کیانی نے نہایت ادب واحترام کے علاوہ شاہی اعزاز کے ساتھ گلگت کے شاہی قلعہ کے اندر سپرد خاک کرادیا اگرچہ اس قدیم قلعہ اور بعد کا قلعہ فردوسیہ کے نشانات اب مٹ چکے ہیں مگر ولی بزرگوار سید شاہ افضلؒ کی قبر بطور یادگار اب بھی موجودہ کشمیری بازار گلگت کے عقب میں بطرف دریا موجود ہے اور گزشتہ 1210ء

سال سے بطور کرامت مرجع خلائق ہے۔

پھر 1241ء سے 1275ء کے درمیانی مدت میں بلواسطہ تبلیغ اسلام ہوا جناب پیر ناصر خسرو علویؒ آپ علوم متداولہ کے عالم ہونے کے ساتھ تصوف وعرفان کے بھی مالک بھی تھے آپ کی زندگی کے بارے میں نہایت مختصر تحریر راقم کی کتاب اسلام گلگت میں آئی ہے اور موصوف کی خودنوشت کتاب سفرنامہ حکیم کے ذریعہ بہت سے حالات وواقعات کا تفصیل سے علم ہوجاتا ہے آپ اپنی علمی استعداد کی بدولت فاطمین مصرؔ کے مقربین میں شمار ہوتے تھے اور حجتی نمائندہ خاص کے عہدے پر فائز تھے آپ اس دور میں جناب سلطان مستنصر بامر اللہ کی طرف سے نمائندہ خاص یعنی حجتی کا عہدہ پاکر پچاس سال کی عمر میں ۴۴۴ھ مطابق 1064ء میں ایران سے ہوتا ہوا صوبہ بلخ افغانستان وارد ہوئے اور مکتب شیعہ اسماعیلیہ کی جانب لوگوں کو دعوت دی لیکن متعصب علما اور حکما کی طرف سے سخت مخالفت اور دباؤ کے بعد صوبہ بلخ سے ہجرت کرکے صوبہ بدخشان میں وارد ہوئے اور یمگان گاؤں میں ہمیشہ کے لئے سکونت اختیار کی اور اس جگہ آپ کو دعوت شیعہ اسماعیلیہ پھیلانے کا خوب موقع ملا اس طرح حکیم ناصر خسرو علوی کی بقیہ زندگی گاؤں یمگان بدخشان میں گزری اور ۴۸۱ھ مطابق 1101ء میں ۸۷ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کی وفات کے ۱۴۷ سال بعد بدخشان کا راجہ شاہ تاج مغل نے اس دعوت کو عام کرنے کی خاطر راجہ طرہ خان اولی کے دور حکومت میں 1241ء سے 1275ء کے دوران

دارالخلافہ گلگت پر حملہ کر دیا اور گلگت سے کنجوت ہونزہ جا کر دعوت اسماعیلیہ کو وہاں رائج کر دیا شیعہ اسماعیلیہ شیعہ اثناعشریہ کی ایک شاخ ہے اور اس دعوت کی کئے اور شاخیں ہیں بقول حاجی قدرت اللہ بیگ صاحب عہد عتیق ریاست ہنزہ اس وقت گلگت اور اس کے اطراف یعنی ہونزہ پونیال اور یاسین وغیرہ میں دعوت اسماعیلیہ کی چار شاخیں موجود ہیں اگر چہ اس دعوت کی کل آٹھ شاخیں ہیں۔ پھر سید شاہ بریاولی اصفحانیؒ آپ راجہ شارہ ئیس خان کیانی دوم کے دور حکومت میں 902ھ مطابق 1523ء سے 1561ء کے دوران اس علاقے میں بغرض تبلیغ وارد ہوئے اس دور مین ریاست نگر پر راجہ شاہ کمال کیانی کی حکومت تھی سید شاہ برباولی اصفحانی نوجوان راجہ شاہ کمال والی نگر کی تخت نشینی کے دوسرے سال کشمیر سے بلور کلاں بلتستان سے ہوتا ہوا شگر سے بیالغو گلشیر کو عبور کر کے ہسپر کے راستے دارالخلافہ نگر خاص پہنچ گئے اسیطر ح اور ریاست نگر سے دارالخلافہ گلگت میں وارد ہوئے آپ موضع سنکر بگروٹ بھی گئے شاہ رئیس چترال میں آپ کا انتقال ہوا اور راجہ شاہ رئیس خان کیانی دوم نے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کی تجہیز و تکفین کرایا آپ کا مقبرہ چترال میں مرجع خلائق ہے آپ کے حالات کا ذکر راجہ شاہ رئیس خان دوم کے حوالے سے بیان ہوگا۔

پھر سید شاہ سلطان علی عارف حسین جلالی 1689ء سے 1705ء کے دوران گلگت کی نامور ملکہ جوار خاتون نے جب دوسری بار تخت گلگت پر ۱۶ سال حکومت کی اس دوران علم و عمل اور تصوف و عرفان کے مالک بہ خدا رسیدہ بزرگ اپنے دونوں

بھائی سید ابراہیم شاہ حسینی اور سید اکبر شاہ حسینی کے ہمراہ کشمیر سے براستہ استور دارالخلافہ گلگت میں وارد ہوئے سید سلطان علی شاہ عارف جلالی نے اس دور میں دارالخلافہ گلگت اور اس کے ملحقات میں توحید باری رسالت خاتم المرسلینؐ اور ولایت علی مرتضیٰ ؑ کی تبلیغ و ترویج کیا گلگت کا مشہور بادشاہ راجہ غوری تھم اور سید امیر شاہ دونوں نے آپ کے درس و تدریس سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس عادل راجہ کے دور حکومت میں مکتب اہل بیتؑ کو باقاعدہ فروغ ملا ولی بزرگوار سید شاہ سلطان علی عارف جلالی کا آستانہ دینور گلگت میں مرجع خلائق ہے اور یہاں حاضری دینے کی خاطر ہر جمعرات اور جمعہ کو بلاتفریق زائرین کا رش رہتا ہے۔

پھر سید شاہ ولی تقوی ابن سید شاہ زمان تقوی آپ ایک بلند پایہ عالم اور خدا رسدہ ولی اللہ تھے آپ کا ورود تقریباً 1802ء میں علاقہ کنجوت ہنزہ و نگر میں ہوا ہے اس دور مین ریاست نگر میں راجہ آذر خان کی اور ریاست ہنزہ میں شاہ سلیم خان المعروف شاہ غضنفر کی حکومت تھی اور تخت گلگت پر راجہ محمد خان پسر شاہ غوری تھم متمکن تھے حاجی قدرت اللہ بیگ نے اپنی کتاب عہد عتیق ریاست ہونزہ میں لکھا ہے بقول صاحب عہد عتیق ریاست ہونزہ آپ لے ہمراہ آپ کے گھر والے بھی تھے مگر اس روایت کی تصدیق علم درایت سے نہیں ہوتی ہے اور میری تحقیق سے بھی اس بات کی تصدیق نہین ہوتی ہے کیونکہ آپ کی بیوی یا بچوں کے بارے میں کوئی واضح بات ثابت نہیں ہے میری کتاب اسلام گلگت میں راجہ محمد خان کی جگہ راجہ صاحب خان

درج ہوا ہے اور یہ درست نہیں ہے اور اس ولی بزرگوار سید شاہ ولی تقوی کی علاقہ کنجوت ہونزہ اور نگر آمد سے دین اسلام کی تبلیغ اور مکتب شیعہ کی ترویج کو نشاط ثانیہ ملا آپ کا آستانہ غلمت نگر نمبر 2 میں ہے اور آج بھی مرجع خاص وعام ہے پھر 1905ء میں آقائے سید سلام شاہ المعروف پنجابی سید اور آقائے سید ابوالقاسم خونساری المعرف آغا مجتہد بھی اس سرزمین میں تبلیغ اسلام اور مکتب شیعہ کی ترویج کر کے گزر گئے ہیں ان بزرگوار اولیا کے بارے میں تفصیل فصل چہارم میں بیان ہوگا۔

فصل سوم

گلگت پر شیعوں کی حکومت

خطہ شمال گلگت اور اس کے ایالات کی قدیم تاریخ اور جغرافیہ کا مطالعہ کیا جائے تو علاقہ گلگت کے ان سنگ لاخ درون اور علاقوں کی جغرافیہ اور ان کے تمدن اور معاشرتی زندگی پر روشنی پڑھتی ہے مگر یہاں کے حالات وواقعات اور مسائل کو درایات کے خاص انداز میں پرکھ کر سامنے لایا جاسکتا ہے تا کہ اس خطہ کی ماضی پر روشنی پڑھ سکے اور اس طرح ماضی کے ان تذکروں سے زمانہ حال کے خاص وعام حالات پر قابو پا کر مستقبل کو سنوارا جاسکتا ہے چونکہ اس خطہ شمال کی ماضی بعید کے معاشرے کے اندر مربوط ذرائع ابلاغ اور تحریری یادداشتوں کو محفوظ رکھنے کا خاص

تصور نہ تھا اس لئے یہاں کے حکمرانوں کے امن و آشتی کے کارنامے یا مظالم کے واقعات کو محفوظ رکھنے کے لئے کوئی منظم تحریری کام نہیں ہوا ہے اور اگر کہیں کچھ کام ہوا بھی ہے تو وہ منظم اور مستند انداز میں نہیں ہوا ہے۔ جس کو من وعن تاریخ کا حصہ قرار دیا جا سکے اس کمزوری کی اصل وجہ علاقہ جات کی خاص جغرافیہ کی ہیئت ترکیبی ہے اور اس دور میں خطہ کی تاریخ کی تشکیل بہت مشکل تھی کیونکہ کم علمی معاشی بدحالی اور ثقافتی کمتری کی بدولت یہاں کے لوگ اپنے حکمرانوں کو دیو مالائی مخلوق سمجھتے تھے اور طرح طرح کی کہانیوں کے ذریعہ توہم پرستی کا شکار ہو کر ان عام کہانیوں تک محدود رہتے تھے اس لئے جدید دور کے محقق اور مورخ کے لئے کافی سے زیادہ مسائل و مشکلات درپیش ہیں اس خاص علاقہ کی تاریخ کے بارے میں بدیشی سیاحوں اور مورخوں نے جنکا تعلق چین، یونان، وطورانی، اور عرب کے علاوہ انگریز قوم سے رہا ہے اگرچہ ان لکھاریوں نے اس خطہ کے بارے میں کافی کچھ لکھا ہے مگر ان محققین کی کوششوں کو جوں کے توں تسلیم کرنے میں تعمل ہے کیونکہ ان عام اندازوں کو قبول کرنے کے لئے علم درایت کی مدد کی ضرورت ہے اور خطہ شمال کی قدیم تاریخ و ثقافت کی کڑیاں ملانے کی خاطر علم درایت کی مدد چاہئے تا کہ ان لکھاریوں کی کاوشوں سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہمیں اس خطہ کی تاریخ و ثقافت کے بارے میں ان باتوں کے علاوہ اور زیادہ قابل اعتبار اور مستند مواد نہیں ملتا ہے مشہور مورخ ابوریحان البیرونی جو سلطان محمود غزنوی کے دور میں گزرا ہے آپ نے دورہ کشمیر کے دوران کشمیری

پنڈتوں اور مترجم حضرات سے اس خطہ شمال کے بارے میں معلومات حاصل کیئے ہیں اس لئے محقق البیرونی کی مشہور کتاب الہند میں کشمیر کے علاوہ جن پہاڑی دروں پہاڑوں اور میدانوں کا ذکر ملتا ہے ان میں لفظ بلور اور شامیلان کے پہاڑوں کا خاص ذکر بھی ملتا ہے البیرونی کی رائے ہے کہ ان پہاڑی علاقوں میں ترک نسل کے قبیلے آباد تھے جن کو بھٹ دان کہتے اور ان کے حکمرانوں کو بھٹ شاہ کہتے تھے اس نسبت سے بٹوگہ چیلاس کی آبادی مشہور ہوئی ہے۔

ڈاکٹر ناموس نے اپنی کتاب ''گلگت اور شینا زبان'' میں لکھا ہے کہ اس خطہ میں آباد لوگوں کو پساچا کا نام بھی دیا گیا ہے اور پساچا کے معنی انسانوں کا گوشت کھانے والے یا کچا گوشت کھانے والے بتایا ہے مگر اس قوم کی خاص تاریخ اور دور کا ذکر نہیں کیا ہے۔

یہ قوم قدیم دور سے تعلق رکھتی ہے آرین تاجدار دارا اول پانچویں صدی قبل حضرت مسیحؑ حاکم تھا اور دارا اول کا امیر البحر سکائی لکس نے دریائے سندھ کا منبع معلوم کرنے کے لئے بونجی گلگت تک کا سفر کیا ہے اور اسطرح مورخ البیرونی کے علاوہ علامہ سعودی کا تاریخ پر بڑا احسان ہے کیونکہ علامہ سعودی نے دیگر مورخین سے بڑھ کر اس خطہ میں آباد درد قبیلہ کے بارے میں تحقیق کی ہے ورنہ ان قبائل اور علاقوں کو کوئی نہیں جانتا تھا البیرونی نے جن قبائل کو ترک نسل قرار دیا ہے وہ اصل میں درد قبائل تھے اور یہ قبائلی دریائے نگر دریائے ہنزہ دریائے گلگت کے آس پاس آباد

تھے ان علاقہ جات کو بلور خورد کہتے تھے اور اس طرح دریائے بلتستان جس کو دریائے سندھ کا نام دیتے ہیں اس کے اطراف میں آباد علاقہ جات کو بلور کلاں کہتے تھے اور مہابھارت میں بھی درد قبیلہ اور دردستان کا ذکر موجود ہے گلگت اور اس کے ایالات شمالی علاقہ جات میں لوگ آریاؤں سے پہلے آباد رہے ہیں ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق کے مطابق تھور، تھلپن اور چیلاس کی وادیوں اور چٹانوں پر کندہ نشانات اور تحریریں اور گنش ، ہنزہ، سوست، اور سکر ہنزہ کی چٹانوں پر موجود نشانات اور تحریریں ایک جیسی ہیں بیسویں صدی کی طرح زمانہ قدیم میں بھی اسی شاہراہ ریشم کے ذریعے سیاحت اور تجارت ہوتی تھی اس لئے یہ علاقہ قدیم تہذیبوں کا گزر گاہ بنا ہوا تھا لہذا مختلف ادوار میں مختلف اقوام وقبائل اس خطہ پر اپنی تہذیب وثقافت کے نشانات اور اثرات چھوڑ گئے ہیں۔

اسطرح خطہ شمال گلگت اور اس کے ایالات پر بدھ مذہب وتہذیب کا آخری بادشاہ مشہور راجہ شری بدھت جن کو شری بدو اور شیلی بدو بھی کہتے ہیں" حکومت تھی گلگت کا قدیم بدھ مت بادشاہ راجہ اگرتھم کے ہاں گلگت میں ایک لڑکا پیدا ہوا اس شاہزادے کا نام بدھ مذہب کے عقیدے کے مطابق شری بدھت رکھا گیا اور اس شاہزادے کی پرورش نہایت ناز ونعم میں ہوئی راجہ اگرتھم کی موت کے بعد شاہزادہ شری بدپت پورے گلگت اور کوہستان کے علاقوں کا بلاشرکت غیر حاکم بنا لیکن گلگت کی ناخدا اور توہم پرست رعایا اس کو دیومالائی مخلوق سمجھتی تھی اس لئے وہ راجہ شری

بدھت کے بارے میں بے سروپا واقعات سناتے تھے راجہ شری بدھت کی ایک ہی
لڑکی تھی جس کا نام نور بخت تھا مسمی جاٹے لوٹو جو چھکاس کوٹ، دینور میں رہتا تھا اور
وہ شاہزادی نور بخت کا رضاعی باپ تھا شہزادی کی تربیت اچھے انداز میں ہوئی تھی
جب شاہزادی نور بخت جوان ہوئیں تو اس کو موجودہ سونی کوٹ گلگت کے قلعے میں
منتقل کی گئی تقریبا 642ء میں ایران کے کیانی خاندان کا ایک آوارہ وطن شاہزادہ
آذر جمشید کیانی کشمیر سے ہوتا ہوا اوشکھند اس کے راستے سے دینور میں وارد ہوا تو
نہایت تحقیق اور معلومات کے بعد شاہزادی نور بخت کا رضاعی باپ جاٹے لوٹو نے
شاہزادی کی شادی شاہزادہ آذر جمشید کیانی سے کر دیا راجہ شری بدھت المعروف آدم
خور بادشاہ کے مظالم سے رعایا کو نجات دلانے کی خاطر اس کا داماد شاہزادہ آذر جمشید
نے اس کو قتل کرایا اور 643ء میں خود تخت گلگت کا حاکم بنا راجہ شری بدھت کے قتل
کے بعد خطہ گلگت سے بدھ ازم کا دور ختم ہوا اور آتش پرستوں کا دور حکومت کا آغاز
ہوا اس لئے گلگت کے اکثر علاقوں میں تلینے کے نام سے چراغ کے الاو جلانے کی
رسم شروع ہوئی اس لئے تلینے کی رسم اور طریقہ آتش پرستی کا ایک خاص انداز ہے اور
دم تحریر یہ رسم نلتر پائین میں اب بھی جاری ہے راجہ آذر جمشید کیانی گلگت اور اس کے
ایالات پر ۱۶ سال حکومت کرنے کے بعد ان کوہستانی علاقوں سے دل تنگ ہو کر نکلنے
لگا اور جانے سے قبل اپنی ملکہ نور بخت اور وزراء کو حکمرانی کے آداب اور طریقے
اپنانے کی تلقین کر کے خود گلگت سے روپوش ہو گیا راجہ آذر جمشید کیانی کی روپوشی کے

بعد کم عمر شاہزادہ کرک کی تاج پوشی کے ساتھ تخت گلگت پر بطور قائم سلطنت ملکہ نور بخت نے 658ء سے 668ء تک 10 سال حکومت کی۔

شاہزادہ کرک راجہ آذر جمشید اور ملکہ نور بخت کی واحد نشانی تھا جب شاہزادہ کرک کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی تو ملکہ نور بخت جو قائم مقام حکمران تھی اس نے اپنی زندگی میں اس شاہزادے کو تخت گلگت پر بٹھا دیا راجہ کرک کیانی اپنے نانا راجہ شری بدھت کی طرح قوی ہیکل اور جری تھا راجہ کرک کیانی نے اپنے دور حکومت میں ایک طرف چترال سے پار علاقہ باشگل یعنی نورستان کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کرلیا تھا اور دوسری جانب ادھر کنجوت، ہنزہ سے آگے تاشکرغن کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا اسطرح راجہ کرک ابن آذر جمشید کیانی نے گلگت اور اس کے ریالات پر 55 سال تک بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی اور 80 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

✱ 1: گلگت کا پہلا مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ سوملک اولی ابن راجہ کرک ابن آذر جمشید کیانی تھے آپ نے گلگت اور اس کے ایالات پر ۷۰ سال تک بھرپور حکومت کی ہے۔

اور راجہ سوملک اول کی تخت نشینی 723ء میں ہوئی ہے اور 793ء تک ان کی حکومت رہی ہے اور راجہ سوملک اول کیانی کا زرین دور عدل وانصاف غربا پروری اور رعیت کے ساتھ مساویانہ سلوک اور عدل گستری کی بدولت مشہور رہا ہے اور اس عدل وانصاف اور مساویانہ سلوک کی وجہ سے آج 1210 سال تک انکا نام زندہ

وتابندہ ہے اور راجہ سوملک کیانی اپنی فطری انصاف پسندی کے ساتھ اولین مبلغ اسلام حضرت سید شاہ افضلؒ کی خصوصی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے دور اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے عدل وانصاف کے خاص صفت نے سوملک کو امر بنا دیا اور آج بھی (سوملکئی رجئ) کے نام سے اسکا ذکر زبان زد خاص وعام ہے راجہ سوملک کی نصف عمر گزر چکی تھی مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے راجہ موصوف نے ولی کامل سید شاہ افضلؒ سے درخواست کی کہ آپ اولاد کی خاطر اس کے لئے دعا کرے اور آقائے شاہ افضلؒ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور اس دعا کے طفیل خالق کائنات نے راجہ سوملک اول کیانی کو ایک فرزند نرینہ عطا کیا اس لئے راجہ سوملک اور سید شاہ افضلؒ سے منسوب کر کے اس شاہزادے کا نام شاہ ملک رکھا گیا اور شاہزادے کی پیدائش کی خوشی میں گلگت کی رعایا نے اس شاہزادے کو گلیت ملیکا کے خاص نام سے یاد رکھا اور راجہ سوملک کیانی نے شاہزادے کو اس کے رضاعی بھائی برئی کہن (بری خان) کے ساتھ آقائے سید شاہ افضلؒ کے درس میں بیٹھا دیا اور شاہزادے کی عمر ۱۶ سال کی ہوئی تھی کہ مبلغ اول سید شاہ افضلؒ کا انتقال ہوا راجہ سوملک کیانی اول نے اپنے اس شہزادے کو تعلیم کے ساتھ تیر اندازی، نیزہ بازی کے علاوہ دیگر فنون سپہ گری کی خاص تربیت دلائی تھی۔ راجہ سوملک نے اپنے شاہزادے کا رضاعی بھائی بری خان کو یاسین کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس دور میں 800ھ سے قبل تاشقند کی طرف سے تاتاریوں کا حملہ ہوا اور تاتاری گلگت کی ولایت کو فتح کرنا

چاہتے تھے اس لئے عامل یاسین بری خان نے گلگت کی مرکزی حکومت سے فوجی مدد کی درخواست کی تو سوملک اول نے اپنا نوجوان بیٹا ۲۵ سالہ شاہزادہ شاہ ملک کی اپنی درخواست پر اس کو ایک منظم لشکر جرار کے ہمراہ یاسین روانہ کردیا شاہزادہ شاہ ملک فنون سپہ گری میں مرد میدان تھا اس لئے اس نے حرب وضرب اور جنگی چالوں کی بدولت حملہ آور تاتاریوں کوشکست دیکر قلعہ بریکھن یاسین تھاوس کوان کے قبضے سے محفوظ رکھا اور تاتاری شکست کھاکر تاشقند کی جانب بھاگ رہے تھے اس دوران شاہزادہ شاہ ملک کیانی زخمی ہوکر تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور تاتاری اس کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ تاشقند لے گئے قلعہ بری کھن یاسین میں شاہزادے کا رضاعی بھائی بری خان اور شاہزادے کا بہنوئی شاہ فرمایش بہت پریشان رہے اس طرح اس بری خبر سے والی گلگت راجہ شاہ سوملک اول اور اس کے وزراء اور اسیطرح مراء کے علاوہ عوام بھی پریشان تھے اور شاہزادہ شاہ ملک کیانی ۸ سال تک تاشقند شہر میں قید رہا مگر اس قید کے دوران اس نے اپنی خداداد صلاحیت اور حکمت عملی سے اپنا ایک مقام پیدا کرلیا اور بھاگ کر یاسین تھاتھارس واپس پہنچ گیا اور وہاں سے عامل یاسین بری خان اور اپنے بہنوئی شاہ فرمایش کی مدد سے نہایت شان وشوکت کے ساتھ گلگت پہنچا اور ولایت گلگت میں راجہ شاہ سوملک اول کے وزرا امراء اور عوام کی طرف سے اس کا والہانہ استقبال ہوا اور فقراء ومساکین میں خیرات تقسیم کی گئی اس وقت راجہ شاہ سوملک کیانی کی عمر ۱۰۰ سال اور شاہزادہ شاہ ملک عرف گلیت ملبکا کی عمر

۵۲ سال ہوئی تھی راجہ شاہ سوملک نے شاہزادہ شاہ ملک کیانی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود یاد الٰہی میں مصروف رہا اس طرح راجہ شاہ ملک کیانی کے دور حکومت میں بھی چترال، بروغل لدختان سے لیکر کنجوت ہنزہ، نگر گریز بانڈی پورہ اور تراگبل کے تمام علاقے اس راجہ کی عملداری میں رہے ان علاقون میں مختلف مذاہب اور نظریات کے لوگ آباد تھے مگر راجہ شاہ سوملک اول کیانی نے اپنی کوششوں سے اپنی عملداری میں موجود لوگوں میں دین اسلام کو رواج دیا اور ۱۲۲ سال کی عمر میں 793ء میں انکا انتقال ہوا اور قلعہ گلگت جو بعد میں قلعہ فردوسیہ کے نام سے مشہور ہوا دفن ہوئے۔

* 2: تخت گلگت کا دوسرا مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ شاہ ملک کیانی المعروف گلیت ملیکا بنا آپ کا دور حکومت 793ء سے 878ء تک رہا ہے اور راجہ شاہ ملک نے گلگت اور اس کی عملداری میں شامل علاقوں پر ۸۵ سال تک بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی ہے۔

آپ اپنے والد شاہ سوملک اولی کیانی کا نعم البدل تھے آپ کے دور حکومت میں کسی بیرونی حملہ آور کو اس طرف رخ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا کیونکہ اس دور میں یارقند اور تاشقند کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا راجہ شاہ ملک کی متعدد اولاد پیدا ہوئی مگر زندہ نہیں بچتی تھی اس لئے اولاد کی تمنا میں دن رات کی دعاؤں اور منتوں کی بدولت خداوند عالم نے ۷۰ سال کی عمر میں آپ کو ایک حسین وجمیل اور صاحب اقبال شاہزادہ عطا کیا اور اس شاہزادے کا نام دینگ ملک رکھا گیا۔ جب شاہزادہ دینگ

ملک کی عمر ۵ سال کی ہوئی تو اس کو مکتب میں بٹھا کر نامور علماء اور ماہرین فنون سپہ گری سے خاص تعلیم دلوائی گئی اس طرح شاہزادہ دینگ ملک نے ایک بلند پایہ عالم دین اور ماہر فنون سپہ گری کا مقام و مرتبہ حاصل کر لیا تھا تخت گلگت اور اس کے ایالات پر راجہ شاہ ملک کیانی المعروف گلیت ملیکا نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ ۲۵ سال حکومت کیا اور ۱۲۰ سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا گلگت اور اس کے ایالات کی ثقافت میں تا ایندم اس بادشاہ کے نام کی حکومت اور یاد موجود ہے اور گلگت میں شادی بیاہ کے خاص موقعوں پر رسم تاؤ کی مناسبت سے اس راجے کا نام اب بھی لیا جاتا ہے جنوبی ایشیاء اور برصغیر میں شادی کی رسومات کا آغاز رسم مہندی سے ہوتا ہے مگر گلگت اور اس کے علاقہ جات میں شادی کی رسومات کا آغاز رسم تاؤ سے ہوتا ہے اور شادی کی شام کو توّا چولے پر رکھنے کے دوران کئی قسم کے مختلف رسومات انجام دی جاتی ہیں۔ان ثقافتی رسومات میں سے ایک خاص تقریب رسم تاؤ یعنی توّا چولے پر رکھنے کا خاص گیت بھی ہے اور خاص لوگ ہی گاتے ہیں اور ان گانے والوں کو گائے مل کہتے ہیں۔اس مناسبت سے بطور قدیم ثقافت توّا رکھنے کا گیت (تائے گائے) کے تین بند بطور نمونہ لکھ دیتا ہوں ان بندوں میں کشمیر کے شاہ میری خاندان بلتستان کے مقپون خاندان اور گلگت کے کیانی خاندان کا ذکر ہوا ہے۔یہ اشعار بحر طویل کے انداز میں ہیں:

ٹونگ تاو کشیر شاھمیرا ٹونگ تاو جوڑ نونہ دم ٹونگ تاو اکی زل

ٹو نگ تـا و پـا لے مقپونا ٹونگ تـا و جـو ژنـو نـہ دم ٹو نگ تـا و اکـی ژنم

ٹونگ تـا و گـلیـت مـلیـکا ٹو نگ تـا و جـوژنـونـہ دم ٹـونگ تـاو اکـی ژنـم

یہ اونچا توا کشمیر کے شاہمیر اخاندان کا ہے میں خود اس توے کو چولے پر رکھونگا

لیکن کسی اور کو توّا رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ اونچا توّا بلتستان کے مقپون خاندان کا ہے اور یہ توا میں خود چولے پر رکھونگا

کسی اور کو رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ اونچا توا گلگت کا گلیت ملیکا یعنی راجہ شاہ ملک کا ہے یہ توا میں خود چولے پر

رکھونگا اور کسی کو رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

الفاظ	معنی
ٹونگ	اُبرا ہوا یا اونچا
تاو	توّا
کشیر	کشمیر
ژنم	چولے پر رکھنا
پلے ،پلویو	یعنی بلتستان والے
گلیت	گلگت

3: تخت گلگت کا تیسرا مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ دینگ ملک کیانی آپ

پچاس سال کی عمر میں تخت گلگت پر متمکن ہوا آپ نے 878ء سے 932ء تک

۵۴ سال گلگت اور اس کی عملداری کے ایالات پر نہایت شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی آپ نے اپنے دادا شاہ سوملک اول کی یاد کو زندہ کر دیا آپ عبادت گزاری پرہیزگاری اور رعایا پروری میں مشہور تھے راجہ دینگ ملک کی عمر ۶۵ سال ہوئی تھی تب خدا نے آپ کو ایک ہونہار لڑکا عطا کیا جو تخت گلگت کا وارث بنا اس شاہزادے کا نام خسرو خان رکھا گیا اور اس شاہزادے کی تعلیم وتربیت پر خوصی توجہ دی گئی تھی شاہزادہ خسرو خان کی عمر ۳۷ سال ہوئی تھی راجہ دینک ملک کیانی کا ۱۰۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

4: تخت گلگت کا چوتھا مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ خسرو خان کیانی کا دور اقتدار 932ء سے 997ء تک ۶۵ سال رہا طرز حکمرانی میں آپ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن تھے اور تخت گلگت کی عملداری میں شامل تمام علاقہ جات آپ کے زیر نگین تھے آپ نے علاقہ بدخشان کے ایک امیر کبیر گھرانے سے شادی کی تھی اور ۷۲ سال کی عمر میں خدا نے راجہ خسرو خان کو ایک نرینہ اولاد عطا کیا اس خوش قسمت شاہزادے کا نام حیدر خان رکھا گیا اور اس کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی گئی جب شاہزادہ حیدر خان کی عمر ۳۰ سال کی ہوئی تھی والی گلگت راجہ خسرو خان کیانی کا ۱۰۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا اپنے باپ کی وفات کے بعد ماتم داری اور سوگ کے دن گزار کر 997ء میں شاہزادہ حیدر خان کیانی تخت ولایت گلگت وعلاقہ جات پر متمکن ہوا۔

5: تخت گلگت کا پانچواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ حیدر خان کیانی آپ نے 997ء سے 1057ء تک ۶۰ سال حکومت کی تخت گلگت کی عملداری کے ایالات آپ کے زیرِ نگین رہے قصہ گو حضرات کے مطابق راجہ حیدر خان کیانی اپنے اجداد راجہ کرک اور راجہ شری بدھت کی طرح پیل تن اور بہادر تھا اور دستور حکمرانی میں عدل وانصاف کے ساتھ اپنے اسلاف کی روش پر سختی سے کاربند تھا وہ شر پسند اور بدعنوان لوگوں کے لئے فرشتہ اجل اور پاک باز و امن پسند عوام کے لئے وفادار دوست تھا راجہ حیدر خان کیانی کی بیگمات سے صرف لڑکیاں پیدا ہوتیں تھیں مگر ملکہ شاہ بانو کے بطن سے ایک خوش نصیب لڑکا پیدا ہوا اس شاہزادے کا نام نور خان رکھا گیا راجہ حیدر خان کیانی اپنے اس شاہزادے سے بہت زیادہ مانوس تھا اس لئے اس کی تعلیم وتربیت بڑے اچھے انداز میں کیا راجہ حیدر خان کیانی نے تخت گلگت پر ۶۰ سال حکمرانی کر کے 1057ء میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

6: تخت گلگت کا چھٹا مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ نور خان کیانی ۳۵ سال کی عمر میں تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوا آپ 1057ء سے 1127ء تک پورے ۷۰ سال گلگت پر حکمران رہا راجہ نور خان اپنے باپ راجہ حیدر خان کیانی کی طرح قوی ہیکل اور شہ زور تھا اقتدار کے ساتھ دنیا کی انواع واقسام کی بے شمار نعمتیں میسر تھیں شباب کا عالم تھا مگر اپنی فطرتی عادت کی وجہ سے دنیا کی انگینیوں سے الگ تھلگ گوشہ خلوت میں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ حصول علم کا شوقین تھے

اس لئے اپنے والد کے آخری دور حکومت میں ایک بلند پایہ عالم باعمل کے مقام تک فائز ہو چکے تھے اس لئے اپنے تقوی اور پرہیزگاری کی وجہ سے دنیاداری کے عشرتوں سے دور تھے اور اس تقوی کے جذبے کی وجہ سے اپنے موروثی حق تاج وتخت سے صاف انکار کیا مگر آپ کے علاوہ تخت گلگت کا کوئی حقیقی وارث نہیں تھا اس لئے علما ،زعماء اور وزراء کی طرف سے مجبور کرنے پر عنان حکومت سنبھالا مگر وزراء اور زعماء مملکت سے وعدہ وعہد لیکر تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوا اور نظام حکومت کے درباری معاملات اور عوامی مقدمات کو وزراء اور علماء کو سونپ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے حاکم کی خداترسی اور دوسروں پر بھروسہ کی بدولت ملک میں عیاشی آرام طلبی لوٹ کھسوٹ بدعنوانیاں اور بے اعتدالیاں حد سے بڑھ گئی تھیں اور جرائم پیشہ لوگوں کی طرف سے زراندوزی اور سودخوری کا سلسلہ عام ہوا تھا اور عمائدین ملک گروپ بندی میں تقسیم ہوئے تھے مگر آپ اپنی فروتنی کی بدولت کسی کو آزار پہنچانا نہیں چاہتا تھا اس لئے ۱۰۲ سال کی عمر میں اپنے شاہزادے شاہ مرزہ اول کے حق میں تخت گلگت سے دست بردار ہونیکا اعلان کیا مگر صالح اور نیک خصلت شاہزادے نے تخت نشینی قبول نہیں کیا اور بحیثیت قائم مقام سلطنت نظام حکومت چلایا اس طرح وزراء اور عمائدین ملک کو اخلاقی طور پر راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے آپ کی مشفقانہ نصائح کو نظر انداز کر دیا اور قائم مقام سلطنت شاہزادہ شاہ مرزہ اول نے ملک کے ابتر حالات کو سدھارنے کی بھرپور کوشش کی اس دوران فرشتہ خصلت

بادشاہ راجہ نور خان صرف چند دن بیمار رہ کر ۱۰۵ سال کی عمر میں 1127ء میں اس دنیا سے کوچ کر گئے اور راجہ شاہ مرزہ اول نے ہفتہ عشرہ غم و ماتم داری میں گزارا اور غرباء میں خیرات تقسیم کرنے کے بعد باقائدہ تخت نشینی کے مراسم کے ساتھ تخت گلگت پر متمکن ہوا۔

7: تخت گلگت کا ساتھواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ شاہ مرزہ خان اول کیانی۔'' آپ ۲۱ سال کی عمر میں 1127ء میں تخت حکومت پر متمکن ہوئے اور 1205ء تک ۷۸ سال گلگت اور اس کے ایالات پر حکومت کیا اور اپنی تخت نشینی کے بعد وزراء اور عمائدین ملک کو جمع کر کے رعایا کی ابتری اور ملک کی تباہی کے خطرناک نتائج کا نقشہ پیش کیا اور ان خرابیوں کا ذمہ داران کو ٹھہرا کر سخت تنبیہ کیا اور اصلاح احوال کی نصیحت کیا مگر اس دھاندلی میں ملوث لوگوں نے نوجوان راجہ کی باتوں کو نظر انداز کرنا چاہا تو آپ نے سب وزراء کو اپنے عہدوں سے فارغ کر دیا اور ان کی جگہ ایماندار اور دانشمند لوگوں کو مقرر کیا اور ظالم وزراء اور عمائدین کی جائیدادیں ضبط کر کے غریب عوام کو ان کا چھینا ہوا حق واپس دلا دیا اور اس طرح ظلم و زیادتی کرنے والوں کو کوڑوں کی سزائیں دی اس عدل و انصاف کے بعد گلگت کے عوام نے سکون کا سانس لیا اس طرح امن و امان کا سابقہ دور پھر سے شروع ہوا راجہ شاہ مرزہ خان اول کیانی نہایت دلیر مدبر اور رعب و جلال والا حکمران گزرا ہے آپ شرفا علماء اور عوام کا خیر خواہ تھا 1205ء میں ۹۹ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

★ 8: تخت گلگت کا آٹھواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ طرطرہ خان کیانی۔

آپ کی حکومت 1205ء سے 1236ء تک ۳۱ سال رہی ہے راجہ شاہ مرزہ خان اول کیانی نے اپنے اس شاہزادہ کو علم کے ساتھ فنون سپہ گری میں بھی کامل بنایا تھا راجہ طرطرہ خان کیانی کی دو بیویاں تھیں ایک شاہی خاندان کی شاہزادی تھی اور دوسری بیوی علاقہ داریل کے ایک معزز خاندان سے تھی راجہ کی بیوی ملکہ شاہ بیگم سے شاہزادہ طرہ خان اول پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے شاہزادہ شاریس خان اول پیدا ہوئے شاہزادہ طرہ خان اپنے سوتیلے بھائی سے چند دن کا بڑا تھا ان دونوں شاہزادوں کی عمریں پانچ سال کی تھی ان کا دادا راجہ شاہ مرزہ خان اول کا انتقال ہوا ان دونوں شاہزادوں نے اپنے والد راجہ طرطرہ خان کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی اور ۱۶ سال کی عمر میں ان دونوں نے علم و اخلاق فنون سپہ گری اور طرز جہان بانی میں کمال حاصل کیا تھا اور دونوں شاہزادے تخت ایالات گلگت کے متمنی تھے مگر راجہ نے شاہزادی شاہ بیگم کے بیٹے شاہزادہ طرہ خان کیانی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو شاہزادہ شاریس خان کیانی کی والدہ نے اپنے بھایوں کے قتل کے بدلے کی خاطر سازش کر کے کھانے میں زہر ملا کر راجہ طرطرہ خان کو ہلاک کر دیا بوقت وفات راجہ طرطرہ خان کیانی کی عمر ۹۱ سال تھی۔

★ 9: تخت گلگت کا نواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ طرہ خان اول ابن راجہ طرطرہ خان کیانی۔

آپ تخت گلگت پر 1241ء سے 1275ء تک حاکم رہے آپ نے ۳۴ سال گلگت پر حکومت کی ہے راجہ طرہ خان اول بڑا دانشمند، مدبر، فیاض اور رعایا پرور بادشاہ تھا آپ کی تخت نشینی کے بعد آپ کا سوتیلا بھائی شاہزادہ شارلیس خان کیانی جو نصف سلطنت کا دعویدار تھا دلبرداشتہ ہو کر اپنے خاص مصاحبین کے ہمراہ براستہ چترال بدخشان چلا گیا اس دور میں بدخشان پر راجہ شاہ تاج مغل کی حکومت تھی شاہ تاج مغل دعوت شیعہ اسماعیلیہ کا پیروکار تھا وہ نہایت خوش خلق فیاض اور اپنی دعوت کے حوالے سے اپنے حریفوں پر قہر و غلبہ اور خون خرابے کی حد تک سخت تھا جب شاہزادہ شارلیس خان کیانی ملوکانہ شان و شوکت کے ساتھ علاقہ بدخشان میں وارد ہوا تو راجہ شاہ تاج مغل نے ان کی بڑی پذیرائی کی اور اپنے حسن اخلاق اور عالمانہ پند و نصائح سے شاہزادہ شارلیس خان کیانی کو اپنا گرویدہ بنایا اور ان کو اپنا داماد بھی بنایا۔ اس لئے موصوف اپنے مصاحبین کے ساتھ دعوت شیعہ اسماعیلیہ میں شامل ہو گیا اور راجہ شاہ تاج مغل نے اپنی سپاہ کا سالار اعلیٰ مقرر کیا اس طرح شاہزادہ شارلیس خان کیانی نے راجہ شاہ تاج مغل کو گلگت پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دلائی اس لئے والی بدخشان نے سب سے پہلے علاقہ چترال پر حملہ کر کے اس کو تخت گلگت کی عملداری سے الگ کر دیا اور ان مفتوحہ علاقوں پر اپنی گرفت مضبوط کر کے مبلغین اسماعیلیہ کا تقرر کر کے دارالخلافہ گلگت کی جانب بڑھ گیا اس طرح یاسین اور شیر قلعہ پر بھی قبضہ کر کے بلا عظیم کی طرح آگے بڑھ گیا۔ والی گلگت راجہ طرہ خان اس سیلاب عظیم سے

غافل تھا جب گلگت میں اس مصیبت ناگہانی کی خبر پہنچ گئی تو آپ نے خون خرابہ اور ظلم وتشدد سے عوام کو بچانے کی خاطر حسن تدبیر سے کام لیا اور اپنے وزراء اور عمائدین سے مشورہ کر کے مال ومتاع ماری یعنی بڑے لوگوں کے استقبال کے لئے تحائف پیش کرنا شینا زبان میں ماری کہتے ہیں کے ساتھ اپنے وزرا اور عمائدین شہر کو راجہ تاج مغل کے استقبال کے لئے روانہ کیا عمائدین گلگت نے شاہ تاج مغل کو گلگت آمد پر خوش آمدید کہا اور والی گلگت راجہ طرہ خان اول کی طرف سے پیغام دیا کہ اپنی طرف سے اور گلگت کے عوام کی طرف سے اپنے دینی بھائی شاہ تاج مغل والی بدخشان کو ہدیہ سلام کے بعد خوش آمدید کہتے ہیں اور آپ کی آمد اپنے ملک وملت کے لئے نیک شگون تصور کرتے ہیں اور حسب مشورہ وزراء گلگت نے شاہ تاج مغل کو بتایا کہ شاہ کے چترال پہنچتے ہی اشاعت دعوت شیعہ اسماعیلیہ کے زرین کارنامے کی خاص خبر گلگت پہنچ چکی تھی یہ ایک مذہبی کام تھا اس لئے والی گلگت شاہ تاج مغل کا شکر گزار ہے اور اس مذہبی کارگزاری کا والی گلگت دل وجان سے شیدائی ہے وگرنہ تبلیغ مذہب کے علاوہ آپ کا گزر اس طرف ہوتا تو یہ آپ کی طرف سے ملک گلگت پر فوج کشی متصور ہوتی اور والی گلگت اپنی سپاہ جرار کے ہمراہ شمال مغرب کا مقام لاسپور پہنچ جاتا جہاں دونوں افواج کے درمیان بھرپور تصادم ہو جاتا۔ شاہ تاج مغل نے استقبالی وزراء سے سوال کیا راجہ والی گلگت دعوت شیعہ اسماعیلیہ کے معتقد ہیں؟ وزراء نے جواب دیا کہ تین سال ہوئے ہیں کہ گلگت دعوت شیعہ اسماعیلیہ میں داخل ہو چکے ہیں

اس کے ساتھ وزراء اور عمائدین گلگت کی طرف سے اظہار محبت وعقیدت اور اس مخصوص انداز کے استقبال سے شاہ تاج مغل والی گلگت راجہ طرہ خان کیانی کا دل وجان سے گرویدہ ہوا اور راجہ طرہ خان اول کیانی نے قلعہ فردوسیہ گلگت کے صدر دروازے پر شاہ تاج مغل کا پرتپاک استقبال کیا اور دونوں آپس میں بغلگیر ہوئے اور راجہ طرہ خان کیانی نے اپنے سوتیلے بھائی شاہ ریس خان کیانی کو بھی گلے لگایا اور اس کا ملک چھوڑ کر جانے پر اظہار افسوس کیا اور اعلان کیا کہ ملک چترال کی ولایت اس کو بخش دیا اس حسن تدبر سے شاہ تاج مغل کو بھی خوش کیا اور ایالات چترال کو بھی اپنی عملداری میں رکھا اس طرح گلگت کے عوام کو قتل وغارت سے محفوظ رکھا اور اپنے بھائی شاہزادہ شاہ ریس خان کیانی کو اپنی محبت اور اطاعت کے دام میں گرفتار کرلیا گلگت میں چند دن آرام کے بعد شاہ تاج مغل نے کنجوت ہونزہ پر حملہ کی خواہش کا اظہار کیا تو والی گلگت راجہ طرہ خان اول نے کہا: ہونزہ میں یہ دعوت نہیں پہنچی ہے لیکن میں خود ان لوگوں کو اس دعوت میں داخل کروں گا مگر شاہ تاج مغل نے کہا کہ یہ سعادت میں خود حاصل کروں گا چنانچہ اپنے لشکر کے ہمراہ مبلغین کی ایک جماعت کے ساتھ علاقہ ہونزہ میں داخل ہوکر سب کو دعوت شیعہ اسماعیلیہ مین داخل کرایا اور شاہ تاج مغل ہنزہ سے واپسی کے بعد راجہ طرہ خان کیانی والی گلگت سے رخصت لیکر اپنے داماد راجہ شاہ ریس خان کیانی کے ہمراہ عازم ملک بدخشان ہوا اس طرح چترال پہنچ کر چند دن اپنے داماد راجہ شاہ ریس خان کیانی کا مہمان رہ کر بدخشان چلا گیا شاہ

تاج مغل کے واپسی کے بعد ہی والی گلگت راجہ طرہ خان اول اور اہل مملکت اپنے سابقہ مذہب شیعہ اثنا عشریہ پر بدستور قائم رہے شاہ تاج مغل کی گلگت آمد کے حوالے سے ایک مشہور یادگار مغلی چینئی جوٹیال گلگت کے پہاڑ پر اب بھی موجود ہے اور ایک محلہ امپھری دینور میں بگروٹ کے نام سے موجود ہے۔اس طرح موضع تھول نگر میں بھی ایک مینار تھوئی جینئی کے نام سے 1968ء تک قائم تھا یہ یادگار مینار دریائے نگر کے کنارے سید شاہ ولی کی قیام گاہ اور نشان آستانہ سے صرف چار سو گز کے فاصلے پر واقع تھا مگر یہ یادگار مینار شاہراہ ریشم کی تعمیر کے دوران منہدم کر دیا گیا ہے اور اس مینار سے چار سو گز کے فاصلے پر تلت اور تھول کے درمیان جنگی لیی یابنگیرے لئی کا مقام ہے جہاں 1892ء میں کرنل ڈیورنڈ کی فوج اور افواج نگر کے درمیان خونین معرکہ ہوا تھا۔

المختصر راجہ طرہ خان اول کیانی کا مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی جانب واپس ہونے کے اعلان کے بعد یاسین اور ہونزہ کے درباری علماء نے والی گلگت کی طرف سے بے توجہی سے مایوس ہو کر شاہ تاج مغل کو شکایات لکھنا شروع کر دیا کہ شیعہ اثنا عشریہ اور سنی علماء والی گلگت کے تعاون اور سرپرستی میں اسماعیلی لوگوں کو ان کے مذہبی عقائد اور دعوت سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان اطلاعات کی وجہ سے شاہ تاج مغل مشتعل ہوا اور ایک اور فوجی یلغار کی تیاری شروع کر دی ادھر گلگت میں راجہ طرہ خان اول بھی اس متوقع حملے سے غافل نہیں تھا اس نے بھی جنگ اور دفاع کے تمام

ضروری اقدامات کر لئے تھے تا کہ عوام کی جان و مال اور عزت ناموس کی حفاظت کی جا سکے۔

اس دوران سلسلہ طرہ خان کیانی کا یہ ہر دل عزیز اور دانشمند راجہ 1275ء میں ۳۴ سال تک تخت گلگت پر حکمرانی کر کے عین عالم جوانی میں ۵۶ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

* 10: تخت گلگت کا دسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ سوملک دوم ابن راجہ طرہ خان کیانی کا دور اقتدار 1275ء سے 1345ء تک رہا ہے آپ نے ۲۴ سال کی عمر مین تخت کو زینت بخشا اور ۷۰ سال تک گلگت پر حکومت کیا ہے راجہ سوملک دوم نے اپنے دور حکومت میں ہر فرقہ کے علما کے ساتھ مروت اور خوش اخلاقی کا برتاؤ روا رکھا آپ شریفوں کا ساتھی اور شریروں کا دشمن ہوتے تھے۔ راجہ سوملک کیانی کے ابتدائی دور حکومت میں والی بدخشان شاہ تاج مغل کی طرف سے دوسری بار گلگت پر حملہ کی خبر سن کر فرقہ اسماعیلیہ کے لوگ بغاوت پر آمادہ ہوئے تھے اور ملک کے اندر خانہ جنگی کی سازشیں شروع ہوئیں تھیں اس متوقع لشکر کشی کے حوالے سے راجہ طرہ خان کیانی مرحوم نے کمال دور اندیشی سے ایک لشکر جرار کو ترتیب دے رکھا تھا اور مناسب اسلحہ سے لیس تھا ادھر شاہ تاج مغل اپنے لشکر کے ساتھ چترال پہنچا اور اپنے داماد راجہ شاریس خان کیانی کا مہمان بنا مگر ان سے فوجی مدد لینے سے انکار کیا اور سرحدی مزاحمتوں کو روندتا ہوا علاقہ پونیال میں داخل ہوا اور شیر قلعہ پونیال کے آس

پاس والی گلگت شاہ سوملک دوم اور والی بدخشان شاہ تاج مغل کی افواج کے درمیان ایک ہفتہ تک شب وروز میدان قتال گرم رہا اور اس دوران شاہ تاج مغل کی افواج کو عبرت ناک اور فیصلہ کن شکست ہوئی اور شاہ تاج مغل اپنی باقی ماندہ افواج کے ہمراہ چترال کی طرف بھاگ گیا اور راجہ شاہ سوملک دوم نے چترال تک شاہ تاج مغل اور اس کی افواج کا تعاقب کیا اور چترال سے واپس ہو کر شان وشوکت اور کامرانی کے ساتھ دارالخلافہ گلگت میں وراد ہوا راجہ سوملک دوم کیانی کا دور حکومت عوام کی سربلندی اوعروج کا تھا اس راجہ نے کشمیر کے راجے نے راجہ سلطان شاہ اور راجہ سلطان جمشید کی مدد بھی کی تھی اور والی کشمیر راجہ سلطان جمشید کو افغانوں سے نجات دلائی تھی اس طرح راجہ شاہ سوملک کیانی نے بڑے جاہ جلال اور شان وشوکت کے ساتھ ۷۰ سال تک تخت گلگت اور اس کے ایالات پر حکمرانی کی اور ۹۴ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔

* 11: تخت گلگت کا گیارہواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ چلس خان کیانی

۔آپ ۴۵ سال کی عمر میں تخت گلگت پر متمکن ہوا آپ کا دور حکومت 1345ء سے 1359ء تک ۱۴ سال رہا ہے اور راجہ چلس خان کیانی عقل ودانش، فہم وفراست اور شجاعت میں اپنے والد شاہ سوملک دوم کیانی طرہ خانی کی نظیر تھا راجہ چلس خان کے خاندان شاہ میر اور راجہ گان کشمیر سے دوستانہ تعلقات تھے آپ کے دور میں وہ تمام علاقہ جات جو کیانی طرہ خانی خاندان کی عملداری میں تھے آپ کے زیر نگین رہے

اس دور میں کشمیر، بدخشان، چترال، چینی، ترکستان، پشاور اور افغانستان سے گلگت کی تجارت ہوتی تھی راجہ چلس خان کیانی کا عقد راجہ شاریس خان کیانی والی چترال کی لڑکی شاہزادی ہاشم بیگم سے ہوا تھا اور اس ملکہ سے شاہزادہ فردوس علی خان کیانی طرہ خانی ولی عہد سلطنت گلگت کے علاوہ دو شاہزادیاں بھی تھیں راجہ چلس خان کیانی ۱۴ سال شان وشوکت کے ساتھ حکومت کر کے عین عالم شباب میں ۵۹ سال کی عمر میں بقضائے الٰہی فوت ہوئے۔

12: تخت گلگت کا بارہواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ شاہ فردوس علی خان کیانی طرہ خانی آپ کا دور حکومت 1359ء سے 1397ء تک رہا ہے اور آپ ۴۰ سال کی عمر میں تخت گلگت پر متمکن ہوا اپنے والد راجہ چلس خان کی خصوصی توجہ کی بدولت چھوٹی عمر میں ہی ایک بلند پایہ عالم کا درجہ حاصل کر لیا تھا آپ نہایت صالح اور متقی بادشاہ تھے آپ کے دربار میں شرفاء اور فضلاء موجود ہوتے تھے اور اہم ترین مقدمات کا فیصلہ علماء دین کرتے تھے آپ نے ہی کشمیر سے کاریگر منگوا کر گلگت کا قدیم قلعہ کو وسعت دیا قلعہ کے اندر محلات اور باغات کے علاوہ چالیس ستونوں کی یادگار بنوایا جس کو شینا زبان میں ''نیلوراکو'' یعنی قصر خضرا کہتے ہیں اور اس قصر کے اندر نیلو تخت یعنی منبر خضرا کے نام سے ایک خوبصورت تخت بھی بنوایا تھا اس طرح اس قلعہ کی ۹ برجیاں تھیں اور تاریخ گلگت سے واقف لوگ اس قدیم قلعہ کو راجہ شاہ فردوس علی خان کیانی طرہ خانی سے منسوب کر کے قلعہ فردوسیہ کا نام دیتے ہیں مگر قلعہ

فردوسیہ کا نام ونشان مٹ چکا ہے یہ قلعہ اب بھی اسی نام سے مشہور ہے علاقہ چترال کی گلگت سے علیحدگی کے بعد ایالات گلگت کو انتظامی امور کی خاطر سات حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ان حصوں کو سات مکسوہ کا نام دیا گیا تھا اور اب بھی گلگت کے ان علاقوں کو سات مسکوہ کہتے ہیں راجہ شاہ فردوس علی خان طرہ خانی کا دور تعمیرات اور ملکی انتظامات کے حوالے سے مشہور رہا ہے اور اپنے اسلاف کی طرح کامیاب حکومت چلایا راجہ فردوس علی خان طرہ خانی نے ۳۸ سال گلگت اور اس کے ایالات پر حکومت کر کے ۸۷ سال کی عمر میں 1397ء میں وفات پا گئے۔

13: تخت گلگت کا تیرہواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ خسرو خان کیانی دوم خلف الرشید راجہ فردوس علی خان طرہ خانی: آپ کا دور حکومت 1397ء سے 1422ء تک رہا ہے آپ ۳۰ سال کی عمر میں تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوا یہ راجہ اوصاف حمیدہ کے مالک تھا اکثر بیس بدل کر گلی کوچوں میں گھوم پھر کر رعایا کا حال معلوم کرتا تھا سیاہ کار اور ظالم منصب داروں کو معاف نہیں کرتا تھا خاندان طرہ خان کیانی کا ذاتی خزانہ الگ تھا اور عوام سے لیا ہوا ٹکس وغیرہ کا خزانہ الگ تھا اپنے حسن انتظام سے براستہ ہونزہ، چینی، ترکستان اور براہ چترال، بدخشان افغانستان سے اور کشمیر کے راستے سے ہندوستان سے ضروری سامان اور اسلحہ منگواتا تھا اس طرح ہمسایہ ممالک سے تجارت کر کے ملک کے خزانے میں اضافہ کرتا تھا اس باوقار راجہ نے ۲۵ سال بڑے شان وشوکت سے گلگت پر حکومت کیا اور 1422ء میں عین عالم

جوانی میں ۵۵ سال کی عمر میں چند دن بیمار رہ کر وفات پا گئے۔

14: تخت گلگت کا چودھواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ ملک شاہ کا دور حکومت 142ء سے 1449ء تک 27 سال رہا ہے راجہ ملک شاہ، راجہ خسرو خان کا بڑا بیٹا تھا اور اس کا چھوٹا بھائی شہزادہ دولہ شاہ افواج گلگت کا سپہ سالار تھا راجہ ملک شاہ کیانی طرہ خانی کا ایک بیٹا شہزادہ طرہ خان دوم اور شہزادی شمل گس کے نام سے ایک بیٹی تھی اور اس طرح شہزادہ دولہ شاہ کا ایک بیٹا تھا اس شہزادے کا نام لوؤم گشپور تھا اور یہ دونوں آپس میں چچازاد تھے ان دونوں کی عشق ومحبت کی کہانی علاقہ گلگت کی قدیم اور مشہور عشقیہ کہانیوں میں سے ہے۔ اور آج بھی بڑے بوڑھے اس عشقیہ داستان کو سناتے ہیں بالاخر شہزادہ لوؤم گشپور اور شہزادی شمل گس کی شادی ہوئی اس طرح ان کے ہاں دو جڑھویں شہزادے پیدا ہوئے جن کی پشت باہم جڑی ہوئی تھی اور جرامی کے ذریعے ان کو الگ کیا گیا اور ان جڑویں بھائیوں میں سے ایک کا نام شہزادہ جمشید اور دوسرے کا نام شہزادہ صاحب خان رکھا گیا لیکن شہزادہ جمشیدہ مغلوٹ کے نام سے اور شہزادہ صاحب خان گرکس کے نام سے مشہور ہوئے شینا زبان میں مغلوٹ ''نرنیولہ'' کو کہتے ہیں اور گرکس بروشکی زبان میں ''چوہے'' کو کہتے ہیں یہ نام ان کی عادتوں کی وجہ سے پڑھ گئے تھے بعد میں علاقہ کنجوت، نگر اور ہنزہ کو ان دونوں بھائیوں میں بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم کیا گیا شہزادہ صاحب خان کیانی المعروف گرکس چالاک تھا اس لئے علاقہ ہونزہ کی جغرافیائی حالت کی وجہ سے برچہ

مموسنگ اوشکھنداس سے ساز باز کر کے علاقہ ہونزہ خود حاصل کرلیا اور اس کے بدلے موضع گنش ہونزہ کو بطور جاگیر برچہ مموسنگ ساکن اوشکھنداس کو دیا۔ راجہ ملک شاہ ولی گلگت کا دور حکومت امن و آرام اور عیش وسکون میں گزرا راجہ ملک شاہ نے 27 سال گلگت اور اس کی عملداری کے ایالات پر شان وشوکت کے ساتھ حکومت کیا اور 1449ء میں 62 سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔

15: تخت گلگت کا پندرہواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ طرہ خان دوم کیانی راجہ ملک شاہ کا اکلوتا بیٹا تھا ان کا دورہ حکومت 1449ء سے 1479ء تک ۳۰ سال رہا ہے اور ۳۰ سال کی عمر میں تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوا۔ راجہ طرہ خان دوم کیانی اپنے چچازاد بھائی لوومِ گشپور کی طرح نہایت حسین وجمیل تھا آپ اخلاق وعادات میں اپنے آباواجداد کی نشانی تھے۔ اپنی روایتی شان کی بدولت اس راجے نے کشمیر کا مشہور خاندان شاہ میر کی کیں بار مدد کی راجہ طرہ خان دوم نے کشمیر سے مختلف فن کے کاریگروں کو گلگت بلوایا اور موجودہ کثروٹ محلّہ میں زمین عطا کی اور ان کاریگروں کی نسل اب بھی کثروٹ محلّہ گلگت میں آباد ہے راجہ طرہ خان دوم اور اس کا خاندان اگرچہ مذہب شیعہ اثناعشریہ سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن نہایت فراخدلی کے ساتھ سب مذہبی فرقوں سے مساویانہ سلوک روا رکھتا تھا اور ہر مذہب کے علماء کی سرپرستی اور امداد کرتا تھا اس لئے راجہ طرہ خان دوم کیانی سب فرقوں میں ہر دل عزیز تھا۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس راجے کے ذاتی اوصاف حمیدہ کے علاوہ

راجہ طرہ خان اول کی عدل گستری اور نام وری کی بدولت خاندان کیانی کے ساتھ طرہ خانی کا نام زیادہ مشہور ہوا۔ ''طرہ خنی رجئ''یعنی خاندان طرہ خان کی حکومت اس انصاف پسند راجے نے ۲۰ سال بڑے شان شوکت سے تخت گلگت پر حکمرانی کی اور 1479ء میں ۶۰ سال کی عمر میں بقضائے الٰہی اس دنیا سے رحلت کر گیا۔

:16۔ تخت گلگت کا سولھواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ چلس خان دوم ابن راجہ طرہ خان دوم آپ کا دور حکومت 1479ء سے 1497ء تک ۱۸ سال رہا ہے اور راجہ چلس خان دوم کیانی طرہ خانی 54 سال کی عمر میں تخت گلگت پر متمکن ہوا اس راجے کے دور میں ریالات گلگت کے تمام علاقے اس کے زیر نگین رہے اور علاقے کا دیگر قریبی ممالک اور ریاستوں سے تجارت رہتی تھی گلگت اور اس کے زیر نگین علاقوں کے قوی اور علاقائی گیتوں میں راجہ چلس خان دوم کیانی کے عدل انصاف اور رعایا پروری کے علاوہ اس کی شان وشوکت کو خوب سراہا گیا ہے اور تخت گلگت پر ۱۸ سال حکومت کر کے 1497ء میں ۲۷ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخت سفر بھاندا۔

:17۔ تخت گلگت کا سترہواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ سو ملک سوم ابن راجہ چلس خان دوم کیانی آپ کا دور حکومت 1497ء سے 1522ء ۲۵ سال تک رہا ہے آپ ۲۸ سال کی عمر میں تخت گلگت پر متمکن ہوا راجہ سو ملک سوم کیانی بڑے دانشمند، مدبر، منصف مزاج فیاض اور شب زندہ دار تھے۔ ملکی حالات کی بہتری کی

خاطر خدا ترس اور وطن دوست حکام اور عمال کو مقرر کر رہا تھا وہ اپنے آپ کو خداوند عالم کے سامنے ذمہ دار سمجھتا تھا اور اپنی عملداری کے علاقوں میں خود گھوم پھر کر رعایاں کی خبر گیری کرتا تھا گلگت کی تاریخ میں راجہ سوملک کے نام جہاں تعریف ہوئی ہے اس سے مراد راجہ شاہ سوملک اول کیانی ہے اور راجہ سوملک سوم کیانی طرہ خانی کا دور بھی کچھ کم نہ تھا اس راجہ کے دور حکومت میں اس کے ہم عصر مندرجہ ذیل راجے علاقہ بلور کلاں بلتستان پر حکومت کرتے تھے سکردو میں راجہ بہرام چو، راجہ بوخان اور راجہ نیر شاہ اور راجہ گان شگر میں راجہ گاذری، راجہ عبداللہ خان اور راجہ حسن خان شامل تھا اس طرح راجہ سوملک سوم کیانی طرہ خانی نے تخت گلگت پر بڑی شان وشوکت اور جاہ جلال کے ساتھ ۲۵ سال حکومت کی اور 1522ء میں ۵۳ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

18: تخت گلگت کا اٹھارہواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ شاریس خان دوم یہ راجہ شاریس خان اعظم کے نام سے مشہور رہا ہے آپ کا دور حکومت 1522ء سے 1561ء تک رہا ہے آپ نے ۴۰ سال کی عمر میں تخت گلگت کو زینت بخشا ء راجہ شاریس خان دوم نے اپنے والد راجہ سوملک سوم کے بعد عنان حکومت سنبھالا ان کے دور اقتدار میں سلطنت گلگت کے حدود وہی تھے جو ان کے بزرگوں کے قبضہ اقتدار میں تھے یعنی چین کی سرحد تاش کرغن سے چکمن سرائے تک ادھر بروغل کی سرحد پار بدخشان سے کوہ خوش ہام تک ادھر تراگبل گریز اور بھانڈی پورہ

کے درمیان تک اور تمام علاقہ جات گور (گوہر آباد) چیلاس ، ہربن داریل ، تانگیر کے علاوہ کالام ، وبشگار اور علاقہ بشگال جو نورستان کہلاتا ہے وسیع تھی خاندان طرہ خان کیانی کی سلطنت میں اس والی ملک کے عہد حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی یہ راجہ اپنے والد راجہ سو ملک سوم کے نقش قدم پر نظام حکومت چلاتا تھا اور راجہ شاہ رئیس خان دوم کی ملکہ زہرہ خاتون سے شہزادہ صاحب قرآن جس کو خسرو خان بھی کہتے تھے مشہور ہوا ان کے علاوہ کئیں لڑکے اور لڑکیاں بھی متولد ہوئیں مگر سب کے سب صغر سنی میں ہی فوت ہوئے اور یاسین میں دفن ہوئے اور اب بھی یاسین میں یہ قبرستان گنبد شاریسیہ کے نام سے مشہور ہے یاسین کا قدیم قلعہ چھمر کھن کو بعد میں قلعہ بری کھن دشت عاوس کا نام دیا جاتا تھا اور اب اس قلعہ کو تھاوس کہتے ہیں اور وہاں کا پرانا پولو گراونڈ قلعہ مڈوری اور شہ فتن وغیرہ راجہ شاریس خان اعظم کی یادگار ہیں اور راجہ شاریس خان اعظم کی دوسری ملکہ شمس خاتون کے بطن سے شہزادہ سلطان مرزہ پیدا ہوئے اور نگر کے مغلوٹ کیانی خاندان کا مشہور راجہ شاہ کمال کیانی کی تخت نشین کے ایک سال بعد اور راجہ شاریس خان اعظم والی گلگت کے آخری دور حکومت میں جبکہ راجہ شاہ رئیس خان چترال میں مقیم تھے اور شہزادہ سلطان مرزہ گلگت پر بطور قائم مقام حکومت کرر ہے تھے اس دور میں ایک خدا رسیدہ بزرگ سید شاہ بریا ولی اصفہانیؒ ایران کا مشہور اصفہان سے بغرض تبلیغ اپنے دو خادموں ابوالحسن اور سنگ علی کے ہمراہ جو دونوں حقیقی بھائی تھے وارد کشمیر ہوئے اور کشمیر سے نکل کر بلور کلاں بلتستان

وارد ہوئے اسیطرح علاقہ شگر بلتستان سے برفانی پہاڑوں اور بیالفو گا لیشر کو عبور کر کے پچاس میل کا پہاڑی سفر پیدل طے کر کے ہسپر نگر میں داخل ہوئے اور ہسپر نگر سے صبح روانہ ہو کر سرِ شام محلّہ ملہ کوشل نگر خاص پہنچ گئے اس وقت تخت ریاست نگر پر جوان سال راجہ شاہ کمال کیانی ابن راجہ علی داد خان کیانی متمکن تھے پوری ریاست نگر میں شاہی خاندان کے علاوہ باقی تمام رعایا تو ہم پرستی اور کفریات میں گری ہوئی تھی اور شاہی خاندان بھی نام کا مسلمان تھا۔ اگرچہ خاندان طرہ خان گلگت سے ان کا قریبی تعلق اور رشتہ تھا مگر مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ شاہی خاندان مذہبی اصول وعقائد سے بے خبر تھا جب سید شاہ بر ولی اصفہانیؒ راجہ شاہ کمال کی دربار میں داخل ہوئے تو والی نگر نے نہایت احترام اور عزت کے ساتھ اپنے ساتھ مسند شاہی پر اپنے پہلو میں جگہ دیا اور آقائے موصوف سے اس علاقے میں تشریف آوری کے بارے میں سوال کیا تو آقائے سید شاہ بریا ولی اصفہانیؒ نے تبلیغ اسلام کے حوالے سے بڑی فصیح البیانی سے تقریر فرمائی آپ کی شرین بیانی اور انداز گفتگو کی سحر انگیزی سے راجہ شاہ کمال مغلوٹ کیانی اور اس کے درباری بہت متاثر ہوئے اور نہایت قلیل عرصے میں علاقہ نگر میں توحید الٰہی نبوت پیغمبر آخری زمانؐ اور ولایت علیؑ کے نعرے بلند ہوئے اسیطرح ولی بزرگوار کی خاص تبلیغ سے اخلاق حسنہ، اصول عقائد نیز واجبات مستحبات اور حرام وحلال کے علاوہ نجس اور پاک سے لوگوں کو آگاہ کیا جب آپ نے ریاست نگر سے رخصت ہونا چاہا تو راجہ شاہ کمال مغلوٹ نے اپنی ریاست میں آپ

کو روکنا چاہا مگر موصوف نے معذرت کر کے اپنا شاگرد و خادم ابوالحسن اصفہانی کو بطور مبلغ ریاست نگر میں چھوڑا اور راجہ شاہ کمال نے ابوالحسن اصفہانیؒ کے لئے اس کی اپنی خواہش پر ہسپر نگر سے مباچھر نگر تک سالانہ ایک خاص مقدار میں غلہ، گھی، لکڑی وغیرہ بعوض ملا گیری مقرر کیا اور ملا گیری کا یہ سلسلہ ابوالحسن اصفہانیؒ کے خاندان میں جاری رہا اور اس طرح میر شاہ سکندر کے دور تک یہ سلسلہ جاری تھا۔

آقائے سید شاہ بریاولی اصفہانیؒ اپنے دوسرے شاگرد اور خادم سنگ علی اصفہانی کے ہمراہ راجہ شاہ کمال مغلوٹ سے رخصت ہو کر ریاست گلگت کی طرف روانہ ہوئے اس دور میں راجہ شاریش خان اعظم طرہ خان کیانی کا دوسرا بیٹا شہزادہ سلطان مرزہ بطور نائب سلطنت تخت گلگت پر متمکن تھا۔ آقائے سید شاہ بریاولی کی آمد کی خبر سن کر قائم مقام سلطنت شہزادہ سلطان مرزہ نے دریا پار کنوداس گلگت میں جا کر استقبال کیا اور شاہی جلوس کے ساتھ جولہ کے ذریعہ دریائے گلگت کو پار کرایا اور قلعہ فردوسیہ میں اتارنا چاہا تو آپ قلعہ فردوسیہ کے غربی دروازے سے اندر داخل ہوئے اور قلعہ کے اندر داخل ہو کر آقائے سید شاہ بریاولی اچانک ٹھٹک گئے اور حیران ہو کر ایک خرابے کی جانب غور سے دیکھا آقائے موصوف سے اس خاص حیرانی کی وجہ پوچھنے پر موصوف نے فرمایا اس خرابے میں اللہ کا وہ ولی دفن ہیں جن کی تبلیغ سے تمہارا جداعلیٰ راجہ شاہ سوملک اول نے اسلام قبول کیا تھا میں تمہیں اس ولی اللہ کی منزلت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور علامت یہ ہو گی کہ اگر اس ولی اللہ کی

ولایت عامہ مجھ سے بڑی ہے تو اس خرابے کی دیوار میری جانب گر جائیگی اگر میری ولایت عامہ بڑی ہے تو یہ دیوار اندر کی جانب گر جائیگی یہ کہہ کر آقائے موصوف نے دعا کیا تو یہ دیوار سید شاہ بریاولی کی جانب گر گئی اس کے بعد آقائے موصوف اس خرابے میں داخل ہوئے اور فاتحہ پڑھ کر قبر کی نشاندہی فرمائی اور آج بھی مبلغ اول اور ولی کامل سید شاہ افضلؒ کی قبر صحیح سلامت موجود ہے اور لوگ وہاں دعا مانگتے ہیں اس طرح آقائے سید شاہ بریاولی ایک ہفتہ تک قائم مقام سلطنت شہزادہ سلطان مرزہ طرہ خان کیانی کا شاہی مہمان رہے اور بعد میں بگروٹ کی طرف بھی گئے آپ نے موضع سنکر بگروٹ میں جا کر اپنا عصا سنکر کی زمین میں نصب کر دیا پرانے مستند لوگ کہتے ہیں کہ موصوف کا عصا فوراً ہرا ہوا اور درخت چنار کے پتے نکل آئے اور آج بھی وہ چنار کا درخت زمانے کے دست برد سے محفوظ ہو کر باقی ہے اور اس چنار کے سایہ میں اب بھی تین چھوٹی مسجدیں موجود ہیں آقائے موصوف سنکر بگروٹ سے دارالخلافہ گلگت واپس ہوئے اور چند دن کے بعد اپنے شاگرد خاص سنگ علی اصفہانی کے ہمراہ گلگت سے اچانک روپوش ہو گئے اور تلاش بسیار کے باوجود وہ کہیں نظر نہ آئے۔

اس طرح آقائے سید شاہ بریاولی اصفہانیؒ درویشانہ لباس میں علاقہ چترال میں راجہ شاریس خان دوم کی دربار میں وارد ہوئے اور اس طرح دربار کی پہلی ملاقات اور گفتگو سے راجہ شاریس خان دوم کو پتہ چلا کہ آقائے موصوف ایک جلیل

القدر عالم دین اور بزرگ ولی اللہ ہیں راجہ شاریس خان دوم کی طرف سے اصرار پر آپ 6 ماہ تک چترال میں مقیم رہے اس طرح ریاست نگر سے دربار چترال تک کے دوران اس ولی اللہ کی کئی کرامات زبان زد خاص وعام ہیں۔ آقائے سید شاہ بریا ولی اصفہانیؒ کی بزرگی اور روحانی کرامات سے متاثر ہو کر آپ کی وفات کے بعد راجہ شاریس خان اعظم کیانی نے آپ کے عزیز شاگرد سنگ علی اصفہانیؒ کو ولایت چترال کا قائم مقام مقرر کر کے خود دار الخلافہ گلگت واپس ہوئے تھے۔ پھر حسب سابق راجہ شاریس خان اعظم گلگت سے چترال گئے اور وہاں چند دن بیمار رہ کر 1561ء میں 83 سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور قائم مقام ولایت چترال سنگ علی اصفہانیؒ نے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کو چترال میں سپرد خاک کیا اس طرح راجہ شاریس خان اعظم دوم کیانی کی وفات کے بعد تخت کے نائب سلطنت راجہ شاہ مرزہ خان نے اپنے بڑے بھائی صاحب قرآن طرہ خان کیانی کو گلگت کا تاج وتخت حوالہ کیا اور خود گوشہ نشین ہو کر یاد الٰہی میں مشغول رہے۔

✱ :19۔ تخت گلگت کا انیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ صاحب قرآن طرہ خان کیانی ابن راجہ شاریس خان اعظم دوم کیانی آپ کا دور حکومت 1561ء سے 1567ء تک رہا ہے اور یہ راجہ ۴۷ سال کی عمر میں تخت گلگت پر فائز ہوا۔ قدیم تاریخ دان اس راجہ کو خسرو خان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ شہزادہ صاحب قرآن بیمار ہوا تو کسی عالم دین کے کہنے پر اس کا عقیقہ کرنے کے بعد نام تبدیل

کر کے خسرو خان نام رکھا گیا تھا۔ مگر آپ صاحب قرآن کے نام سے ہی مشہور ہوئے اور اس طرح راجہ صاحب قران طرہ خان کیانی نے سنگ علی کی کارگزاری کی وجہ سے اس کو چترال پر بحیثیت قائم مقام سلطنت برقرار رکھا مگر سنگ علی نے راجہ صاحب قرآن کی تخت نشینی کے دو سال بعد بحیثیت نائب سلطنت گرد ونواح کے خانوں سے راہ رسم بڑایا اور ان سے فوجی تعاون حاصل کر کے تخت گلگت کی مرکزی حکومت اور راجہ صاحب قرآن سے باغی ہو کر اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا اور زبردست فوجی تیاری کے ساتھ گلگت پر حملہ کر دیا اس حملے کی خبر سنکر وزیر شومن جو راجہ صاحب قران طرہ خان کیانی کا فوجی جرنیل تھا۔ اس نے سنگ علی کی فوجی یلغار کو روکنے کی خاطر پونیال میں جگہ جگہ مچان بنا کر سنگ علی اور اس کی افواج کو گیرے میں لیا اور راجہ صاحب قران بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ گلگت سے پونیال پہنچا اور نمک حرام سنگ علی کی سپاہ کو جگہ جگہ گیر کر قتل کرنا شروع کیا تو سنگ علی زخمی ہونے کے بعد نصف سے زیادہ سپاہی کٹوا کر چترال کی جانب بھاگنے میں کامیاب ہوا اس کے مال واسباب پر افواج گلگت کا قبضہ ہوا والی گلگت راجہ صاحب قران کی خواہش تھی کہ نمک حرام سنگ علی کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی اور موزوں شخص کو نائب سلطنت مقرر کرے مگر تخت نشینی کے پانچویں سال کے آخر میں چند دن بیمار رہ کر راجہ صاحب قران کا 1567ء میں انتقال ہوا۔

خاندان طرہ خان کیانی کے اس طویل دور اقتدار میں کبھی کبھار معمولی جھگڑے

ہوئے اور عارضی طور پر عام تبدیلیاں ہوئیں تھی مگر راجہ صاحب قران کی حکومت
آخری دو سالوں میں علاقہ چترال خاندان طرہ خان کی مرکزی حکومت سے ہمیشہ
کے لئے کٹ گیا اکثر تجزیہ نگار لکھتے ہیں کہ خاندان طرہ خان گلگت سے علاقہ چترال
کا جدا ہونا سنگ علی کا بحیثیت نائب سلطنت چترال پر اس کی حکومت کا قیام تھا اکثر
لوگوں کا خیال ہے کہ سنگ علی کی حکومت کا قیام سید شاہ بریا ولی اصفہانیؒ کی دعا اور
اس کے نام اور روحانیت کے طفیل تھا۔

20: تخت گلگت کا بیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ سلطان مرزہ
المعروف راجہ مرزہ خان دوم طرہ خان کیانی آپ کا دور حکومت 1567ء سے
1600ء تک رہا ہے آپ 48 سال کی عمر میں تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوا۔ والی
گلگت راجہ صاحب قران کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے ان کا سوتیلا بھائی شہزادہ
سلطان مرزہ طرہ خان کیانی جو والی نگر کی بیٹی ملکہ شمس بیگم کی بطن سے تھا۔ تخت گلگت پر
متمکن ہوا یہ راجہ بڑا عابد متقی اور بلند پایہ عالم تھا اس لئے مطلق العنان بادشاہ ہوتے
ہوئے۔

نہایت منکسر المزاج حلیم الطبع اور بڑا مہربان تھا اسی راجہ سلطان مرزہ دوم طرہ
خان کیانی کے راجہ میر غازی ولی سکردو سے گہرے مراسم تھے۔ ادھر مہتر چترال سنگ
علی اصفہانیؒ ہر وقت تخت گلگت پر قبضہ کی خاطر ریشہ دوانیاں کرتا رہتا تھا اس لئے مہتر
چترال سنگ علی کے جاسوسوں نے اس کو یہ خبر دی کہ راجہ سلطان مرزہ خان کیانی

نہایت صلح جو اور عبادت گزار حکمران ہیں اسلئے گلگت کے عوام دل و جان سے اس بادشاہ سے محبت کرتی ہے اور آسانی کے ساتھ گلگت پر حملہ کرنا مشکل ہے البتہ گلگت سے اس کی غیر موجودگی میں حملہ کر دیا جائے تو کامیابی ممکن ہوگی اس دوران راجہ شاہ مرزہ خان دوم کا بگروٹ اور ہیراموش کے دورے کا پروگرام بنا آپ بگروٹ سے ہو کر پہاڑی برفانی راستہ سے علاقہ ہیراموش کی طرف بھی جانے والے تھے اسلئے سنگ علی کے جاسوسوں نے اس کو خبر کر دی اور اس نے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ گلگت پر حملہ کر دیا اور تخت گلگت پر قبضہ کر کے والی گلگت راجہ شاہ مرزہ دوم کی گرفتاری کے لئے اس کے تعاقب میں لشکر روانہ کر دیا راجہ سلطان مرزہ اپنا دورہ ہیراموش مکمل کر کے ہیراموش سے گلگت کی طرف آرہا تھا راستے میں یہ خبر پہنچ گئی کہ مہتر چترال سنگ علی نے تخت گلگت پر قبضہ کیا ہے اس بری خبر کے بعد آپ راستے سے ہی اپنے دونوں شاہزادے علی شیر خان اور علی حیدر خان کے ہمراہ واپس سکردو بلتستان کی طرف روانہ ہوئے جب آپ سکردو میں وارد ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپکا دوست اور برادر ایمانی راجہ غازی میر والیٔ سکردو کا انتقال ہوا ہے اور انکا دلیر اور جری بیٹا شاہزادہ علی شیر خان انچن مقپون تخت سکردو پر متمکن ہوا ہے اس طرح جب والی گلگت راجہ سلطان مرزہ اپنے دونوں شاہزادوں کے ہمراہ راجہ سکردو کے دربار میں حاضر ہوا تو راجہ علی شیر خان انچن نے انکو بڑی عزت و احترام سے اپنی خاص رہائش گاہ میں ٹھرایا اور خوب مہمان نوازی کی اسی طرح معزول والی گلگت سلطان مرزہ لمرہ خان کیانی

نے ہتر چترال سنگ علی کے ابتدائی حالات اور تخت گلگت پر اس کا غاصبانہ قبضہ کی صورت حال بڑی تفصیل کے ساتھ زکر کیا اور ہفتہ دس دن کے بعد راجہ علی شیر خان انچن والی سکردو جوانان صف شکن کا ایک لشکر جرار کے ہمراہ معزول راجہ سلطان مرزہ طرہ خان کیانی اور شہزادوں کے ساتھ بطرف گلگت روانہ ہوا جب والی سکردو راجہ علی شیر خان انچن اپنے شیران صف شکن کے ہمراہ گلگت پہنچا تو ہتر چترال سنگ علی اپنے حلیفوں اور اتحادیوں کے ساتھ ملکر مقابلہ کی خاطر تیار تھا اسطرح دونو افواج کے درمیان سخت بلا کا معرکہ ہوا اور اس خوفناک جنگ میں سنگ علی اور اسکی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور چترال کی تمام فوج لقمہ اجل بن گئی اور سنگ علی شکست کھا کر اپنی بچی کچی فوج کے ساتھ چترال کی طرف بھاگ گیا اس طرح راجہ علی شیر خان انچن مقپون نے والی گلگت راجہ سلطان مرزہ کو دوبارہ تخت گلگت پر بحال کر دیا اور اس کا بڑا بیٹا علی شیر خان طرہ کیانی کو نائب سلطنت مقرر کر کے گلگت میں رکھا اور دوسرا بیٹا شہزادہ حیدر خان کو اپنے ساتھ رکھا اور بلائے ناگہانی کی طرح چترال کی طرف روانہ ہوا اسطرح چترال پہنچ کر سنگ علی کے مردوں کے انبار لگا دیا مگر سنگ علی روپوش ہو گیا لیکن چترال کے لوگ اس کشت وخون سے محفوظ نہ رہ سکے اس طرح علی شیر خان انچن مقپون نے چترال کو بری طرح روند ڈالا اور اپنی فتح کی یادگار نشانی کے طور پر چکی کا ایک پاٹ چنار کی بڑی شاخوں میں پھنسا لیا اور چترال سے بے حساب مال ومتاع لیکر عازم گلگت ہوا اور والی گلگت راجہ سلطان مرزہ طرہ خان کیانی نے بڑے

ادب واحترام سے قلعہ فردوسیہ گلگت میں مہمان نوازی کی اور تخت گلگت کی حکومت پیش کیا تو راجہ علی شیر خان مقپون نے جواب دیا کہ میں اپنے ہم نام علی شیر خان کیانی کی حق وراثت پر قبضہ کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا اس طرح کچھ وقت سیر وشکار کے بعد اپنے خدم وحشم کے ہمراہ براستہ ہیراموش عازم سکردو ہوا اور راجہ سلطان مرزہ طرہ خان کیانی دوسری مرتبہ تخت گلگت پر متمکن ہوکر ۳۰ سال حکومت کر کے 1600ء میں 78 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔

★ :21: تخت گلگت کا اکیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ علی شیر خان طرہ خان کیانی کا دور حکومت 1600ء سے 1632ء تک ۳۲ سال رہا ہے اور یہ راجہ اپنے والد راجہ سلطان مرزہ کیانی کے بعد ۳۹ سال کی عمر میں تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوا راجہ علی شیر خان کیانی مستقل مزاج اور نڈر تھا آپ خاندان طرہ خان کی سرشت کی طرح شب وروز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور راجہ علی شیر خان طرہ خان کیانی کی تخت نشینی کے دوسرے سال اس کی ملکہ نور جمال المعروف ملکہ شاہ بیگم کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس شہزادے کا نام خاقان مرزہ رکھا گیا اور راجوں کے دستور کے مطابق موضع سمبگال داریل کے ایک معزز قبیلہ کے سردار خرالی جسٹیر و کے پاس پرورش کی خاطر منہ بولا بیٹے کے طور پر دیدیا گیا اس طرح شہزادہ خاقان مرزہ کی پرورش داریل میں ہوتی رہی اگرچہ راجہ علی شیر خان طرہ خان کیانی کے دور میں سارگن گلگت میں بہت واقعات اور انقلابات رونما ہوئے مگر راجہ شاہ کمال والی

ریاست نگر کی خاص ہمدردی اور مداخلت سے ساری مشکلات فرو ہوئیں اور یاسین و چترال کے علاجات پر راجہ شاہ کمال کے توسط سے راجہ علی شیر خان طرہ خان کا تسلط دوبارہ قائم ہوا ادھر شہزادہ خاقان مرزہ جو داریل میں پرورش پا رہا تھا اس کی عمر ۱۶ سال کی ہوئی تو راجہ علی شیر خان کیانی نے اپنے چھوٹے بھائی شہزادہ علی حیدر خان کیانی کی لڑکی شہزادی مہر پرور سے اس کی شادی کر دی اور شادی کے تین سال بعد شہزادہ خاقان مرزہ کے ہاں اس شہزادی مہر پرور کے بطن سے ایک خوش بخت لڑکی پیدا ہوئی اور اس لڑکی کا نام جوار خاتون رکھا گیا اور اس خوش قسمت شہزادی کی پرورش مسمی قدیر بیگ ساکن شروٹ نے کیا اس طرح جب شہزادی جوار خاتون کی عمر صرف ۷ سال کی ہوئی تھی اس کے والد خاقان مرزہ المعروف مرزہ خان نے والی سکردو راجہ علی شیر خان انچن مقپون سے راہ اسم بڑھانے کے علاوہ سابقہ ہمدردی اور خدمات کے تشکر کے طور پر راجہ علی شیر خان انچن مقپون کے تیسرے بیٹے شہزادہ احمد خان مقپون سے شہزادی جوار خاتون کی منگنی کر دی اور جب اس شہزادی کی عمر ۱۴ سال ہوئی تو نہایت شان وشوکت اور دھوم دھام سے شادی کر کے شہزادی جوار خاتون المعروف (ددی جواری) کو سکردو رخصت کیا اور 1632ء میں راجہ علی شیر خان طرہ خان کیانی کا ۷۱ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

22: تخت گلگت کا بائیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ خاقان مرزہ المعروف مرزہ خان سوم آپکا دور حکومت 1632ء سے 1635ء تک رہا اس دوران

گلگت اور اس کی عملداری کے ابالات میں کافی افراتفری رہی اس دور میں راجہ خوش وقت پونیال اور وزیر رشو کو تخت گلگت کے مرکز میں زیادہ اہمیت حاصل ہوئی تھی راجہ خاقان مرزہ کے بعد راجہ شاہ کمال والی ریاست نگر کی نیابت میں وزیر رشو نے ۸ سال گلگت کا نظام چلایا اور رشو وزیر خاقان مرزہ کی اکلوتی بیٹی شاہزادی جوار خاتون کو تخت گلگت پر بٹھانا چاہتا تھا کیونکہ اس وقت شاہزادی جوار خاتون طرہ خان کیانی اس خاندان کی واحد وارث تخت تھیں۔ شاہزادی جوار خاتون اپنے شوہر شاہزادہ احمد خان مقپون کو خاطر میں نہیں لاتیں تھیں کیونکہ شاہزادہ احمد خان مقپون نے اپنے خاندان میں پہلے شادی کی تھی اور اس مقپون شاہزادی سے ان کے ہاں پانچ لڑکے شاہزادہ شاہ مراد، شاہزادہ علی شاہ، شاہزادہ تیر شاہ اور شاہزادہ شاہ سلطان موجود تھے مگر ادھر تخت گلگت اپنے وارث سے خالی تھا اور اس واحد وارث شاہزادی کی ضرورت تھی شاہزادہ احمد خان مقپون کی وفات کے بعد علاقہ کے دستور کے مطابق شاہزادی جوار خاتون اپنے گھر واپس نہیں جاسکتی تھی مگر رشو وزیر قائم مقام تخت گلگت عمالدین حکومت کے ہمراہ سکردو گئے اور شاہزادی جوار خاتون کو گلگت لے کر آئے اسی طرح شاہزادی جوار خاتون سکرود بلتستان سے گلگت آکر تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوئیں۔

23: تخت گلگت کی تیئسویں مسلمان اور شیعہ حکمران ملکہ جوار خاتون طرہ خان کیانی آپ ملکہ نور بخت دختر راجہ شری بدمت کے بعد پہلی خاتون حاکم تھیں اس ملکہ نے پہلی دفعہ 1642ء سے 1667ء تک 25 سال حکومت کی اور تخت گلگت پر

متمکن ہوتے وقت ملکہ جوار خاتون (ددی جواری) کی عمر 30 سال تھی آپ نے نہایت شان وشوکت کے ساتھ تخت گلگت پر حکومت کیا اسی طرح ملکہ جوار خاتون کی تخت نشینی کے تین سال کے اندر وزیر رشو کو مطلق العنان بادشاہ بننے کا شوق سوار ہوا اور وہ ملکہ جوار خاتون سے شادی کر کے تخت گلگت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا جن دنوں ملکہ جوار خاتون سنکر بگروٹ کے قلعے میں تھیں وہاں جا کر رشو وزیر نے شادی کی بات چھیڑی تو ملکہ جوار خاتون سخت ناراض ہوئی اور اس بات پر جھگڑا ہوا تو سنکر بگروٹ والوں نے وزیر رشو کو قتل کیا اور اس طرح رشو وزیر کی قبر اب بھی بگروٹ میں مشہور ہے اور اس قائم مقام سلطنت کی قتل کے بعد ملکہ جوار خاتون کی اپنی مکمل شخصی حکومت کا آغاز ہوا تاریخ گلگت میں سنکر بگروٹ کے قلعہ اور اس علاقے کے بارے میں کافی سے زیادہ واقعات مشہور ہیں فرفوح بگروٹ کا مسمی ہدول کا جواں سال بیٹا دری خان جو حسن و جمال اور شجاعت و دلیری میں مشہور تھا ملکہ جوار خاتون کے خاص محافظ دستے میں شامل تھا سنکر بگروٹ سے ملکہ کے ہمراہ گلگت آیا اور تقریباً تین سال تک گھر واپس نہیں گیا تو اس کی جواں سال اور حسین وجمیل بیوی نے اس کی جدائی کے غم میں ایک گیت گایا جو اب تک بگروٹ کے لوگوں میں مشہور ہے اس لئے یہاں بطور نمونہ اس گیت کا ایک بند تحریر کرتا ہوں۔

ہدولے رولو مئے آجئے دری خان سارگن بیٹھو دو سارگن بیٹھودو

ہدولے رولو مئے گلاپئے گاڑو سارگن بیٹھو دو سارگن بیٹھودو

رخصت تھے لی مرزۂ جواری کوارو کے ریٹھگے جوڑی تو تپایو جا آلی

اے ہدول کا کمزور دری خان سارگن یعنی گلگت جا کر بھول بیٹھ گئے ہو میرے پیارے اے گلاب کا گلدستہ سارگن گلگت جا کر بھول بیٹھ گئے ہو اے مرزہ کی جوار خاتون میرے عقاب کو کیوں روکا ہے رخصت کرو کیونکہ دیو داس کا درخت مرجانے لگا ہے۔ اس جوان لڑکی نے اپنی ساس کو ملکہ جوار خاتون کے پاس گلگت بھیج دیا۔

اس طرح اس کی ساس نے ملکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جدائی کا یہ گیت اس کی خدمت میں سنایا تو دری خان کو فرفوح بگروٹ واپس جانے کی اجازت دیا اسیطرح ملکہ جوار خاتون نے قلعہ سنکر سے واپسی کے بعد اپنے رضاعی باپ وزیر بیکو کو وزارت عظماء پر مقرر کیا اور باقائدہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیا زنانہ لباس اتار کر مردانہ لباس پہننا شروع کیا اور ساتھ ہی سر پر عمامہ بھاندا تلوار اور تیر و کمان اپنے ساتھ رکھنا شروع کیا اس طرح ملکہ جوار خاتون نے اپنے دور اقتدار میں اپنی عملداری کے علاقوں میں سڑکوں اور پانی کے لئے کول بنوائے موضع خومر کی سونی بیپ اور گلگت کے دونو کول یعنی کول بالا اور کول پائین اب بھی اس کی مشہور یادگار ہیں ملکہ جوار خاتون نے کول بالا اور کول پائین کو داریل سے لوگ منگوا کر جاری کرایا اور ان سے اکثر کو بطور انعام سونا دیا مگر خرالی جسٹیرو نے انعام میں سونا لینے سے انکار کیا اور ملکہ جوار خاتون سے کھنبری کی چراگاہ مانگا ملکہ نے کھنبری کی چراگاہ بطور انعام دے دیا ان کو ملک وحکومت سے وفاداری کا وعدہ وعید کے بعد داریل والوں کو

رخصت کیا ملکہ جوار خاتون کی فہم و فراست اور رعایا پروری کی بدولت اس کا دور حکومت تاریخ گلگت میں مشہور ہوا اور ملکہ جوار خاتون نے اب تک دوبارہ شادی نہیں کی تھی چونکہ گلگت کی محبت کرنے والی رعایا گلگت کے لئے ایک حقیقی وارث کے سلسلے میں ملکہ جواری خاتون کی دوبارہ شادی کی تمنا رکھتے تھے اس لئے ایک دن گور ،گوہر آباد سے مشہور معتبر سلطان علی المشہو رطانو جسٹیر و نے ملکہ سے سوال کیا کہ آپ کے بعد تخت گلگت کی حکومت کا وارث کون ہوگا......؟ اس سوال پر ملکہ جوار خاتون خاموش رہی تو خود طانو جسٹر و نے اس خاموشی کو توڑا اور یہ رائے دیا کہ طرہ خان کیانی خاندان میں رشتہ ہونا چاہئے اور اس طرح شہزادہ فردوس علی خان خلف الرشید شاہ شال کمال والی ریاست نگر سے ملکہ جوار خاتون کا دوسرا نکاح ہوا اسطرح ایک سال کے بعد ملکہ جوار خاتون کے ہاں تخت گلگت کا وارث ایک لڑکا پیدا ہوا اس شہزادے کا نام شاہ جی خان رکھا گیا اور راجہ فردوس علی خان تخت گلگت کا نائب السطنت تھا ملکہ جوار خاتون اور حکومت گلگت کے مشہور مخلص شیر طانو جسٹیر و گوہر آباد اور کلشمیر جسٹیر و داریل کا یکے بعد دیگر انتقال ہوا اور ان ایام میں والی نگر راجہ شاہ کمال مغلوٹ کیانی کا 110 سال کی عمر میں انتقال ہوا اور گلگت کے بعض سازشی لوگوں کی ملی بگھت سے نائب سلطنت گلگت راجہ فردوس علی خان مغلوٹ کیانی کو گلگت سے نکالا گیا تو موصوف اپنی آبائی ریاست نگر چلا گیا اور راجہ فردوس علی خان نے اپنے چھوٹے بھائی راجہ شاہ رحیم مغلوٹ کیانی کی بیٹی شہزادی گوہر خاتون کی شادی اپنے بیٹے اور تخت گلگت کا

وارث شہزادہ شاہ جی خان طرہ خان کیانی سے طے کیا اس وقت ملکہ جوار خاتون کی عمر 46 سال ہوئی تھی ملکہ نے اپنے بیٹے شہزادہ شاہ جی خان کو تخت گلگت پر بٹھا کر خود دن رات فراغت سے یاد الٰہی میں مشغول رہتی تھی جب ملکہ جوار خاتون کی عمر 69 سال ہوئی تھی آپ دوسری بار تخت گلگت پر جلوہ افروز ہوئی اسطرح آپ کا دوسرا حکومت 1689ء سے 1705ء تک رہا ملکہ جوار خاتون المشہور ددی جواری کا اقبال بلند تھا عورت زاد تھی مگر بڑی تمکنت اور یادگار انداز میں حکومت کی ملک میں آسودگی فارغ البالی اور شادابی کا دور پھر سے شروع ہوا بد باطن لوگ اور دشمن اس سے خوف کھاتے تھے اس دور میں والی یاسین وچترال خوشوقت کو ایک بار پھر ملک گیری کی ہوس دامن گیر ہوئی تھی مگر ملکہ جوار خاتون (ددی جواری) کی اقبال مندی اور حسن تدبر اور فراست کی بدولت راجہ خوش وقت اپنے برے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور ملکہ جوار خاتون (ددی جواری) کی حکومت سے وفاداری جتا کر تخت گلگت کے پر خلوص خدمت گاروں میں شامل ہو گیا اس طرح علاقہ یاسین اور چترال پھر سے خاندان طرہ خان کیانی گلگت کی عملداری میں آ گیا اور ملکہ جوار خاتون کی دوسری بار تخت نشینی کے گیارہویں سال میں راجہ خوش وقت کا انتقال ہوا اس طرح ملکہ جوار خاتون (ددی جواری) دوسری بار تخت گلگت پر 16 سال حکومت کر کے 1705ء میں 85 سال کی عمر میں وفات پا گئی۔

★ :24:۔تخت گلگت کا چوبیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ شاہ جی خان

کیانی راجہ فردوس علی خان مغلوٹ کیانی اور ملکہ جواری خاتون کا اکلوتا بیٹا تھا آپ کا دور حکومت 1670ء سے 1689ء تک ۱۹ سال رہا ہے ترتیب کے لحاظ سے اس راجے کا ذکر ملکہ جوار خاتون کی دوسری بار تخت گلگت پر متمکن ہونے سے پہلے ہونا تھا مگر ملکہ جوار خاتون کے بارے میں کچھ تفصیلی واقعات کی وجہ سے ان کا ذکر بعد میں لکھا ہے۔ اسطرح راجہ شاہ جی خان کیانی نے تین شادیاں کی تھی پہلی شادی راجہ خوش وقت کا بھائی شاہ برش خان کی لڑکی سے ہوئی تھی مگر ملکہ جوار خاتون اس رشتے سے ناخوش تھی۔ اس شہزادی سے شہزادہ شاہ نجم خان پیدا ہوئے دوسری شادی ملکہ جوار خاتون کی پسند پر والی سکردو راجہ شاہ مراد کی لڑکی سے ہوئی تھی اس شہزادی سے شہزادہ مایور خان پیدا ہوئے اور تیسری شادی شہزادے کا چچا والی ریاست نگر راجہ شاہ رحیم کی لڑکی شہزادی گوہر خاتون سے ہوئی تھی اس طرح راجہ شاہ جی خان کی تخت نشین کے پانچویں سال شہزادی گوہر خاتون کے بطن سے ایک سعادت مند بچہ پیدا ہوا اور اس شہزادے کا نام شاہ غوری تھم رکھا گیا لفظ غوری تھم گری تھم سے بگڑھ کر بنا ہے بروشکی زبان میں گری کے معنی چراغ اور تھم کے معنی راجہ کے ہیں اور شینا زبان میں اس کو ژلورا کہتے ہیں۔ راجہ خوش وقت اپنے نواسے شاہ نجم خان کو تخت گلگت کا ولی عہد بنوانا چاہتا تھا اس لئے سازش کے جال بنتا رہا تا کہ شہزادہ مایور کو راستے ہٹادے اور راجہ خوش وقت کی سازش سے شہزادہ شاہ مایور خان کو قتل کرایا گیا اور دوسری طرف والی نگر شاہ رحیم خان کی ایما پر اس کے نواسے شہزادہ شاہ غوری تھم خان کو سلطنت گلگت کا ولی

عہد بنائے جانے کا امکان تھا اس لئے اندرون خانہ سازش کے تحت شہزادہ شاہ نجم خان کا رضاعی بھائی اکی خان نے اپنے والد بوقہ خان کی قتل کے بدلے میں بطور انتقام کھانے میں زہر ملا کروالی گلگت راجہ شاہ جی خان کیانی کا کام تمام کردیا سکردو اور یاسین کے درمیان موجود اس اندرونی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر راجہ شاہ رحیم مغلوٹ والی ریاست نگر خاموش تماشائی بنا رہا والی تخت گلگت راجہ شاہ جی خان کے قتل کے بعد والی سکردو راجہ شاہ مراد مقپون نے گلگت آ کر ملکہ جوار خاتون کو حوصلہ دیا اور اس افراتفری کے موقعہ پر ملکہ جوار خاتون (ددی جواری) کو 1689ء میں دوبارہ تخت گلگت پر بٹھا دیا تھا اس طرح ملکہ جوار خاتون (ددی جواری) نے دوسری باری 1705ء تک ۱۶ سال حکومت کیا ہے۔

25:۔ تخت گلگت کا پچیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ شاہ غوری تھم خان طرہ خان کیانی آپ کا دور حکومت 1705ء سے 1800ء تک ۹۵ سال رہا ہے۔

ملکہ جوار خاتون کی وفات کے بعد تمام ریاست میں ایام عزاداری کے بعد ۲۸ سال کی عمر کا یہ جلیل القدر شاہزدہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اس راجے نے آقائے سید سلطان علی عارف حسینی جلالی سے عربی فارسی زبان کے علاوہ دیگر علوم میں کمال حاصل کر کیا تھا اس لئے راجہ غوری تھم بلند پایہ عالم دین کا درجہ رکھتا تھا ولی کامل آقائے سید سلطان علی عارف مینی جلالی ایک بلند پایہ عالم فاضل کے علاوہ

اسرار سبحانی اور امور یزدانی کے مالک بھی تھے آپ ملکہ جوار خاتون کے دوسری بار تخت نشینی کے بعد وارد گلگت ہوئے تھے آپکے ہمراہ آپ کا بھائی سید ابراھیم شاہ حسینی اور سید اکبر شاہ حسینی بھی تھا ان دونوں بھائیوں کا آستانہ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر (ا) گلگت کے مشرق کی طرف واقع قبرستان میں اب بھی موجود ہے اور ولی کامل سید سلطان علی شاہ عارف کا آستانہ دنیور میں مرجع خاص و عام ہے راجہ شاہ غوری تھم نہایت خدا ترس اور رحم دل حکمران تھا ریاست نگر اور سات مکسوہ گلگت میں آباد سادات میں سے اکثر اس شفیق و مہربان راجہ کے دور حکومت میں آباد ہوئے ہیں اور راجہ موصوف نے ان سادات کو اپنی موروثی انیق کے علاوہ مالی معاونت کر کے ان کی آباد کاری میں بھرپور مدد کی راجہ شاہ غوری تھم کی تخت نشینی کے دسویں سال انکا نانا راجہ رحیم خان مغلوث کیانی والی ریاست نگر کا انتقال ہوا اور راجہ موصوف ایک ہفتہ سوگ میں رہا قرآن خوانی و فاتحہ خوانی کی مجالس کے بعد رعایا اور فقرا میں خیرات تقسیم کر کے انکو ثواب پہنچایا اور اپنے وزیر بیکو کے ہمراہ قیمتی تحائف دیکر نگر روانہ کیا اسیطرح بیکو وزیر نے نگر جا کر راجہ شاہ رحیم کے بڑے بیٹے شاہزدہ کریم خان مغلوٹ کیانی کو تخت ریاست نگر پر بٹھا دیا راجہ شاہ غوری تھم کی ۴۵ سال کی عمر میں راجہ یاسر خان کی بیٹی شہزادی حسن آراء سے شادی ہوئی مگر ایک طویل مدت کے بعد یعنی پورے تیس سال کے بعد راجہ غوری تھم کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کا نام نصیب بیگم رکھا گیا جب شاہزادی نصیب بیگم بالغ ہوئی تو اس کی شادی نگر میں کر دی

گئی دعاؤں اور فریادوں کے علاوہ نذر و خیرات کے بعد پچانوے سال کی عمر میں راجہ غوری تھم کو خداوند عالم نے ایک نرینہ اولاد عطا کیا اور اس نومولود شہزادے کا نام محمد خان رکھا گیا اس شہزادے کی ولادت کے ڈیڑھ سال بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا اور اس شہزادے کا نام شاہ عباس رکھ دیا گیا اور شاہ غوری تھم کیانی نے ان دونوں شہزادوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے ہم درس ساتھی سید امیر شاہ کو انکا اتالیق مقرر کیا راجہ شاہ غوری تھم مسلک شیعہ اثنا عشریہ پر سختی سے پابند تھا اس لئے اپنی جائیداد اور خود کاشت زمین کی آمدن سے سالانہ یک ٹوپہ (ہالی) سونا بطور خمس نکالکر اپنے خصوصی نمایندے کے ساتھ ملک عراق کا علمی مرکز نجف اشرف بھیجتا تھا راجہ شاہ غوری تھم ملکی باج و خراج کی آمدن کو اپنے ذاتی مصارف میں نہیں لاتا تھا اس انصاف پرور بادشاہ نے خاص گلگت میں علماء شیعہ میں سے تین اور علماء اہلسنت میں سے تین کو شاہی مبلغین کے طور پر بغرض تبلیغ دین اسلام مقرر کیا تھا اور یہ لوگ باج و خرج سے مستثنا تھے　راجہ موصوف کی دربار میں زعماء و رؤساء کی اکثریت اہلسنت کی ہوتی تھی اور اس طرح راجہ شاہ غوری تھم کیانی نے اپنے دور اقتدار میں کشمیر سے مذید کاریگر اور ہنر مند افراد لوہار، سنار، درزی، ترکھان، اور شالی بافت وغیرہ لوگوں کو گلگت منگوا کر اپنی خود کاشت زمین میں سے حصہ دیکر کشروٹ محلہ کے نام سے ایک محلہ آباد کرایا اور آج بھی وہ محلہ اسی نام سے مشہور و معروف ہے۔

راجہ شاہ غوری تھم وزیر ملا بیگ چرال پر زیادہ اعتماد رکھتا تھا آپ کی عمر ۱۰۰ سال

کی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے وزیر ملا بیگ جرال کو اپنے
شہزادہ محمد خان کیانی کی بلوغت تک اس ملک کا نائب سلطنت مقرر کر کے خود گوشہ
نشین ہو کر یاد الٰہی میں مشغول رہے اس طرح وزیر ملا بیگ جرال نے اس خاص مو
قعہ سے فائدہ اٹھا کر مال و دولت جمع کرنا رشوت اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا
عدل و انصاف ختم ہوا اور غریب عوام کی شنوائی اور دادرسی نہیں ہوتی تھی جب شہزادہ
محمد خان کیانی کی عمر پندرہ سال ہوئی تو وہ غریب عوام اور بے آسرا لوگوں کی حالت
زار سے واقف ہوا اور نائب سلطنت وزیر ملا بیگ جرال کی بداعمالیوں پر اس کی سخت
تنبیہ کیا مگر وزیر ملا بیگ کے سر پر ہوس زر اور اقتدار کا نشہ چڑھ گیا تھا اس لئے وہ بد
اعمالیوں پر اتر آیا تھا تا کہ وہ مکمل طور پر تخت گلگت پر قابض ہو سکے اس وزیر بے تدبیر
کی سازشی فکر و عمل سے کیانی خاندان کے یہ شہزادے آہ زادے بن کر رہ گئے تھے
تاریخ کے حوالے سے اور عام و خاص قصہ گو حضرات کی زبانی اس نمک حرام وزیر
ملا بیگ کی سازشوں اور فتنہ پروری کا عام شہرہ ہے۔

اگر چہ علاقہ چترال یاسین کوہ غذر اور اشکومن پر تخت گلگت کی عملداری ختم ہو چکی
تھی اور اس بدنہاد وزیر کی بدولت ریالات گلگت سات مکسوہ کی حیثیت بھی ختم ہوتی
جاتی تھی۔ علاقہ یاسین کا راجہ بادشاہ خان کے بعد یاسین پر ملک امان اور مستوج پر
سلیمان شاہ حاکم تھا اس دور میں خاندان سنگ علی کے چند لوگ اور کٹور خاندان کے
اکثر لوگ کینہ جو اور غارت گر واقع ہوئے تھے مگر ان سب سے بڑھ کر راجہ سلیمان شاہ

والی مستوج سب برائیوں کا منبع تھا اس کا قد پست گردن کوتاہ اور آنکھیں کبود نیلی تھیں یہ نشانیاں سلیمان شاہ کی سیاہ کاریوں کی علامات تھیں وزیر ملا بیگ جرال اور سلیمان شاہ کی ملک دشمن پالیسیوں اور احسان فراموشی جیسے قبیح اعمال کی وجہ سے خاندان طرہ خان کیانی کی قدیم سلطنت پر زوال آنا شروع ہوا راجہ شاہ غوری تھم کیانی راجہ سلیمان شاہ پر اعتماد کرتا تھا مگر اس نمک حرام اور شقی القلب انسان نے ضعیف العمر عادل بادشاہ کی طبعی موت کا انتظار کیئے بغیر اس کو قتل کرنے کے انتظار میں رہتا تھا۔ 1800ء کے ماہ مبارک رمضان میں راجہ شاہ غوری تھم اوقات سحر میں اپنے رب کی بارگاہ میں دست بدعا رہتا تھا مگر ۲۱ رمضان کی رات شب قدر اور شہادت حضرت علی مرتضیٰؑ کی مناسبت سے منعقد مجلس کے سلسلے میں حرم سرا سے مجلس تعزیہ داری میں تشریف لائے اس کے بعد علماء اور حاضرین مجلس کی خصوصی اسرار پر راجہ موصوف منبر پر گئے اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کے عنوان سے نصیحت کی اور شہادت حضرت علیؑ پر اپنی تقریر ختم کی اس کے بعد علماء اور سادات کے ہمراہ قلعہ فردوسیہ کی شاہی مسجد میں اعمال شب قدر میں مشغول ہوئے اور اعمال شب قدر سے فارغ ہو کر سلیمان شاہ کے سہارے اپنی خلوت کی مسجد میں آگئے جو شاہی محلات کے اندر واقع تھی آپ نے سلیمان شاہ کو اپنی فرزندی میں لیا تھا اس لئے وہ نمک حرام ہمیشہ آپ کے ہمراہ رہتا تھا۔ غدار سلیمان شاہ اپنے راز دار سازشی لوگوں کو تیاری کا حکم دیکر ایک صیقل کردہ تلوار اپنے چوغہ میں چھپا کر شاہ کی عبادت گاہ میں آیا اور

ملازموں کو سحری کھانے کو کہا چونکہ وہ نمک حرام ہمیشہ شاہ کے ساتھ سحری کھاتا تھا سب ملازم سحری کھانے کو چلے گئے تو یہ شقی القلب آہستہ سے شاہ غوری تھم کے پیچھے آکر کھڑا ہوا جونہی شاہ نے سجدہ پروردگار سے سر اٹھایا تو اس ظالم نے تلوار کا ایک وار کیا اور اس دار سے سر پر سخت کاری ضرب لگا اور ضعیف العمر بادشاہ سنبھل نہ سکا اور مسجد کے اندر گر کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا جب شاہ غوری تھم کی شہادت کی خبر پھیل گئی تو پورا ملک غم کدہ بن گیا۔ گلگت کی عوام نے تہایت ادب واحترام اور نالہ وفریاد اور سسکیوں کے ساتھ اس عابدوزاہد راجہ کو شاہی قبرستان میں سپرد خاک کیا اس زمانے میں شاہی قبرستان موجودہ سٹی تھانہ کے عقب میں ہوتا تھا اور آج اس جگے کو محمودے آستانہ کہتے ہیں۔

شہادت کے وقت راجہ شاہ غوری تھم کیانی کی عمر 123 سال تھی ادھر تخت گلگت کا وارث شہزادہ محمد خان کیانی والی سکردو راجہ احمد خان مقپون کے پاس پانچ سال رہ کر عازم گلگت ہوا۔ کیونکہ ملک کے اندرونی حالات کی بدولت یہ شہزادہ مغرور ہوا تھا ۔شہزادہ محمد خان کیانی سکردو سے علاقہ گریز میں داخل ہوا اس زمانے میں گریز اور استور تخت گلگت کے باج گزار تھے۔ شہزادہ محمد خان کیانی کا خاص معتمد مسمی بیارو گریزی گلگت سے ہی اس کے ہمراہ تھا وہ بڑا دلیر اور دیو پیکر تھا اس نے اہل گریز کو شہزادے کی آمد کی خبر کردی اور نہایت تاکید کردی تھی کہ اس خبر کو صیغہ راز میں رکھا جائے اس طرح شہزادہ محمد خان کیانی ایک ماہ تک گریز میں رہ کر عازم گلگت ہوا۔ راجہ

شاہ غوری تھم کی قتل کے بعد وزیر ملا بیگ جرال کی خود مختار حکومت شروع ہو کر تین ہفتے گزرے تھے۔ راجہ سلیمان شاہ نے ملک گلگت پر حملہ کر دیا اس طرح اس جنگ وجدل میں غدار ملا بیگ جرال کا براحشر ہوا اور تخت گلگت پر راجہ سلیمان شاہ کا قبضہ ہوا اور اس طرح تخت گلگت پر راجہ سلیمان شاہ کا اقتدار 1800ء سے 1802ء تک صرف دو سال رہا قصہ گو حضرات اور تاریخ دان حضرات نے وزیر ملا بیگ اور راجہ سلیمان شاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کو تفصیل سے نقل کیا ہے اور ان کی آپس کی گفتگو کے پس منظر اور پیش منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور اقتدار کا نشہ اور ہوس سب کچھ جائز بنا دیتا ہے چونکہ راجہ شاہ غوری تھم کا دوسرا بیٹا شہزادہ عباس علی راجہ سلیمان شاہ کا بہنوئی تھا یہ نہایت سادہ لوح تھا اور حکمرانی کا اہل نہ تھا اس لئے سلیمان شاہ کی نظر دوسرے مخصوص لوگوں پر تھی۔ گلگت کے لوگ سلیمان شاہ کی ناانصافیوں اور مظالم سے نالاں تھے اس نے اپنے مفاد اور تعصب کی بنا پر گلگت سے مردوں اور عورتوں کو یاسین کے راستے چترال اور بدخشان میں اور ادھر ہونزہ کے راستے یارقند اور کاشغر کی طرف لیجا کر فروخت کرا دیا۔ ان مظالم کی وجہ سے لوگ بدظن ہوئے تھے۔ 1802ء کے ابتدائی موسم سرما میں راجہ سلیمان کو تخت گلگت پر قبضہ کر کے صرف ایک سال ۶ ماہ ہوئے تھے شہزادہ محمد خان کیانی علاقہ گور ''گوہر آباد'' میں پہنچا تھا تاریخی قرائن اور خاص لوگوں کی زبانی بطور قصہ معلوم ہوتا ہے کہ اہالیان گور داریل تانگیر اور چیلاس وغیرہ علاقہ جات کے لوگ خاندان طرہ خان کیانی سے والہانہ محبت

رکھتے تھے اس لئے ان علاقہ جات کے لوگوں نے شہزادہ محمد خان کیانی کا نہایت
والہانہ خیر مقدم کیا اور علاقہ جات سے بطور امداد سالانہ مالیہ کے نام سے غلہ مکھن اور
مویشی لا کر اس کی خدمت میں پیش کیا اور یک آواز ہو کر شہزادہ محمد خان کیانی کے
ساتھ جانثاری کا حلف اٹھایا اب شہزادہ محمد خان کی عمر ۲۳ سال ہوئی تھی اور راجہ
سلیمان شاہ کی طرف سے ہونے والے مظالم اور انسانیت سوز واقعات نے ان کو سیخ
پا کر دیا تھا آپ نے ایک لشکر جرار ترتیب دیا اور گلگت کی طرف روانہ ہوا اس طرح
جوٹیال گلگت کے مقام پر دونوں افواج کا مقابلہ ہوا اور اس خونریز تصادم میں کشتوں
کے پشتے لگ گئے اور اس حملے کی خبر گلگت سے متصل آبادی کے لوگوں کو ہوئی کہ
خاندان طرہ خان کیانی کا چشم چراغ اور وارث تخت گلگت شہزادہ محمد خان گلگت پہنچ گیا
ہے اس خاص خبر پر لوگ اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑے یہاں تک کہ عورتیں بھی
مردوں کے شانہ بشانہ لڑنے کو تیار ہوئیں۔

شہزادہ محمد خان کیانی کی افواج کے بھرپور حملے سے راجہ سلیمان شاہ کی سپاہ بری
طرح کٹ گئی اور وہ خود جان بچا کر یاسین کی طرف بھاگ گیا جب شہزادہ محمد خان
کیانی اپنی سپاہ قاہرہ کے ہمراہ فتح و کامرانی کے ساتھ گلگت میں داخل ہوا تو مرد و
عورت مل کر اس کا شاندار استقبال کیا اشپری اور دوبن کے ساتھ اس کو خوش آمدید کہا
(اشپری پتلی روٹی، گھی اور تازہ اور خشک میوہ جات کو کہتے ہیں۔ اور دوبن اسپند کے
پتوں کا دھواں جو تبرک سمجھتے ہیں) اس طرح ایک بار پھر قلعہ فردوسیہ شاہی محلات

لموون شکار اور قلعہ رنگین حصار میں پھر سے رونق آگئی اور نیلو تخت یعنی تخت خضراء پھر سے اپنے جائز وارث کی قدموں سے آباد ہوا اور اس طرح 1802ء میں راجہ محمد خان طرہ کیانی کی تاج پوشی ہوئی اور راجہ محمد خان کیانی گلگت کا

* :26:۔ چھبیسواں شیعہ بادشاہ بنا اور آپ کا دور حکومت 1824ء تک ۲۲ سال رہا اور انیسویں صدی کے دوران بھی بڑے اہم واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے علاقہ گلگت کی تاریخ پھر سے رنگین ہوئی۔ راجہ سلیمان شاہ کی سازشوں سے راجہ محمد خان کیانی قتل ہوا اور اس کا بھائی شہزادہ شاہ عباس جو سلیمان شاہ کا بہنوئی بھی تھا وہ بھی قتل ہوا اب راجہ محمد خان کیانی کا بیٹا شہزادہ خسرو خان المعروف اصغر علی خان اور شہزادی صاحب نما، راجہ محمد خان کیانی کی نسل سے رہ گئے تھے جب 1825ء میں سلیمان شاہ نے تخت گلگت پر دوبارہ قبضہ کیا اس کے نمک خوار لوگ اور افواج کا گلگت پر قبضہ ہوا قلعہ فردوسیہ خاندان طرہ خان کیانی کی اولاد کے لئے جائے امن نہ رہا تو یہ دونوں بہن، بھائی قلعہ فردوسیہ گلگت سے نکل کر والی نگر راجہ آذر خان (عذر خان) کے پاس نگر بھاگ گئے۔ راجہ سلیمان شاہ کی ناپاک سازش سے شہزادہ خسرو خان بھی قتل ہوا۔ مردوں میں یہ شہزادہ آخری نشانی رہ گیا تھا اب تخت گلگت کی واحد وارث شہزادی صاحب نما زندہ رہ گئی تھی۔

اب راجہ سلیمان شاہ تمام ایالات یعنی سات مکسوہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا والی ریاست نگر راجہ شاہ جی خان راجہ سلیمان شاہ کا داماد تھا مگر اس کی حکومت کے بارے

میں بھی اس کے عزائم اچھے نہ تھے اور ساتھ ہی والی ریاست ہونزہ شاہ سلیم المعروف شاہ غضنفر بھی ریاست نگر کا بد خواہ تھا وہ چاہتا تھا کہ والی نگر اور اس کا ولی عہد شہزادہ علی داد خان پر سلیمان شاہ کی طرف سے کوئی افتاد پڑھ جائے تا کہ ریاست نگر کا اقتدار بھی اس کے قبضے میں آجائے اس لئے پس پردہ سازشوں میں مصروف رہتا تھا راجہ سلیمان شاہ حصول اقتدار اور مذہبی تعصب کی وجہ سے اپنے داماد راجہ شاہ جی خان والی ریاست نگر کا درپئے آزار تھا والی ریاست ہنزہ راجہ شاہ سلیم المعروف شاہ غضنفر کا مذہبی عقیدہ بھی متزلزل تھا اس لئے راجہ سلیمان شاہ سے ساز باز کر کے ریاست نگر پر لشکر کشی کرا دیا والی نگر راجہ شاہ جی خان کو اس حملے کی خبر ہوئی تو اس نے چار ہزار جنگ جو جوانوں کے ہمراہ چھلت ہرسپو کے میدان میں جہاں اب ڈگری کالج بنا ہے انکا مقابلہ کیا ایک رات راجہ سلیمان شاہ اور شاہ سلیم کی افواج پر اچانک شب خون مارا اور اس اچانک حملے سے راجہ سلیمان شاہ اور شاہ سلیم کے بہت سے فوجی مارے گئے قصہ گو حضرات کہتے ہیں کہ اس جنگ میں صرف شاہ سلیم المعروف راجہ غضنفر والی ہنزہ کے دو ہزار لوگ مارے گئے تھے اس خوفناک جنگ کے بعد شکست کھا کر راجہ سلیمان شاہ اپنے خاص دستے کے ساتھ نگر سے گلگت کی طرف فرار ہوا اور گلگت سے یاسین کی طرف چلا گیا اس کی طاقت ختم ہوئی اور فساد ہمیشہ کے لئے ختم ہوا راجہ محمد خان طرہ خان کیانی کی اکلوتی بیٹی شہزادی صاحب نما تخت گلگت کی واحد سببی اور نسبی وارث رہ گئی تھی وہ اپنے شوہر شہزادہ کریم خان کے ہمراہ گور ''گوہر آباد'' میں رہتی تھی ملکہ

صاحب نما راجہ آزاد خان والی پونیال کی سربراہی میں 1826ء سے 1828ء تک تین سال تخت گلگت پر متمکن ہوئی راجہ آزاد خان تختِ گلگت کا خاص معتمد تھا اس دور میں علاقہ یاسین اور منوج والی پونیال آزاد خان کے زیر اقتدار تھے اور راجہ گوہر امان وہاں نائب سلطنت تھا۔ اس طرح گوہر امان نے بعد میں علاقوں پر مطلق العنانی حاصل کر لی تھی۔ والی پونیال اور نائب سلطنت گلگت راجہ آزاد خان نے راجہ سلیمان شاہ کو گرفتار کرا کر گاہکوچ سے شیر قلعہ منگوایا اور یہاں کچھ مدت قید میں رکھا اور بعد میں مریم بیگ گلگت سکندر نو پورہ رحمتی اور عصمتی فرفوح بگروٹ کو سلیمان شاہ کی قتل پر مامور کیا اور ان لوگوں نے سلیمان شاہ کو شیر قلعہ پونیال میں قتل کیا اور اس کی لاش کو سینگل لیجا کر دفن کرایا اور بعد میں راجہ گوہر امان نے اپنے چچا سلیمان شاہ کا بدلہ اہالیان گاہکوچ سے لیا اس نے اس علاقے کو خوب لوٹا اور خواتین کی بے حرمتی کرایا اور راجہ گوہر امان نے اپنے چچا سلیمان شاہ کی لاش کی ہڈیوں کو قبر سے نکال کر یاسین لیکر گیا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفنا دیا۔

راجہ آزاد خان والی پونیال گاہکوچ کی تباہی اور خواتین کی بے حرمتی پر بڑا ناراض تھا اس نے راجہ گوہر امان کو سخت تنبیہ کیا اور یاسین پر حملے کی دھمکی دیا اس پر راجہ گوہر امان نے اپنا پیچھا چھڑانے کی خاطر یاسین کے لوگوں سے مدد حاصل کر لیا اور بے شمار تحائف اور مال و اسباب کے ساتھ آزاد خان سے معافی کا طلب گار ہوا اور آئندہ تابعدار رہنے کے وعدے سے اپنی جان چھڑایا لیکن راجہ آزاد خان نے مال

و دولت کی لالچ اور مذہبی تعصب کی وجہ سے گاہکوچ کے غریب عوام پر ہونے والے مظالم کا بدلہ اور انتقام سے ہاتھ اٹھالیا راجہ آزاد خان صرف دو سال خاندان طرہ خان کیانی کا بحیثیت قائم مقام نائب سلطنت گلگت پر حاکم رہا اور جلد ہی اس کے تیور بدل گئے اور مذہبی تعصب نے اس کے ذہن میں جگہ بنا دیا اس نے گلگت کے عوام پر ظلم وزیادتی کا آغاز کر دیا تاریخ دان اور قصہ گو حضرات کہتے ہیں کہ راجہ آزاد خان نے حاکم بدخشان کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی شادی پر گلگت سے دوسو نابالغ لڑکیاں اور دوسو لڑکوں کو بطور کنیز وغلام اپنی بیٹی کی ہمراہ بدخشان بیجد یا تھا اس دور میں ریاست نگر پر راجہ طاہر علی شاہ مغلوٹ کیانی برسر اقتدار تھا راجہ طاہر علی شاہ کیانی ایک مرد میدان اور کامیاب حکمران تھا ریاست نگر کے قصہ گو حضرات کا کہنا ہے کہ راجہ طاہر علی شاہ مغلوٹ رحم دل خوش اخلاق دلیر اور شمشیر زنی میں مشہور تھا اور اب تک اس کی داستانیں ضرب المثل ہیں راجہ طاہر علی شاہ کا خاندان طرہ خان کیانی گلگت سے نسبی سببی اور مذہبی رشتہ تھا اس لئے نگر کے عوام کی درخواست پر آپ نے راجہ آزاد خان قائم مقام تخت گلگت کو ایک دوستانہ خط لکھا اور اس خط میں اس کے بیجا مظالم اور اس کی بے راہ روی کا ذکر تھا اور بطور نصیحت ان غلطیوں اور زیادتیوں سے باز رہنے کی تلقین کی تھی مگر راجہ آزاد خان والی پونیال گلگت کی وسیع سلطنت کے نائب سلطنت کی حیثیت سے غرور تکبر میں مبتلاء تھا اس خط سے اس کو غصہ آیا اس نے راجہ طاہر شاہ علی شاہ والی ریاست نگر کو ایک سخت قسم کے الفاظ کے ساتھ خط لکھا کہ وہ جلد گلگت

آ کر اپنی اس جسارت کی معافی مانگے ورنہ وہ جلد نگر پر حملہ کر دیگا اس اطلاع کے بعد راجہ طاہر شاہ مغلوٹ والی نگر نے اپنا بیٹا شہزادہ سکندر کو اپنا قائم مقام ریاست مقرر کیا اور اپنے بڑے بیٹے کو ہمراہ لیکر ایک لشکر جرار کے ساتھ گلگت کی جانب روانہ ہوا اور قلعہ فردوسیہ گلگت کے سامنے طرفین کا آمنا سامنا ہوا راجہ پونیال آزاد خان بڑا جسیم اور فنون سپہ گری میں ماہر تھا وہ خود اکیلا میدان میں آ گیا اور راجہ طاہر شاہ مغلوٹ کو مقابلے کی دعوت دیا۔ اس دعوت خاص کے بعد والی نگر نے اپنی سپاہ کو روکا اور خود اکیلا راجہ آزاد خان سے مقابلے کے لئے آگے بڑا قصہ گو حضرات کا کہنا ہے کہ ان دونو راجوں کے درمیان سہ پہر تک مقابلہ ہوتا رہا اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار بازی کا جوڑ توڑ ہوتا رہا اور آخر کار راجہ طاہر شاہ مغلوٹ والی نگر نے ایک ضرب لگا کر راجہ آزاد خان کو ڈیر کر دیا گلگت کے لوگ پس پردہ راجہ طاہر شاہ مغلوٹ کیانی کے حامی تھے اور بغاوت کی تاک میں تھے اس طرح تخت گلگت پر قبضہ کے بعد اپنے رشتے کی بھتیجی شہزادی صاحب نما کو اپنے بیٹے شہزادہ کریم خان مغلوٹ کے عقد میں دیا اور واپس نگر جانے کی تیاری کی تو ملکہ صاحب نما نے اپنے چچا اور سسر راجہ طاہر شاہ والی نگر کو جانے سے روکا اور تا حیات اپنا سرپرست اور تخت گلگت کا قائم مقام سلطنت مقرر کیا اور خود اپنے بعض وزراء یعنی راجہ عیسیٰ بہادر اور راجہ عافیت خان گاہکوچ کے ہمراہ علاقہ گور کی طرف چلی گئی۔

27:۔ تخت گلگت کا ستائیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ طاہر شاہ

مغلوٹ کیانی آپ کی حکومت بحیثیت سربراہ قائم مقام ملکہ صاحب نما طرہ خان کیانی 1828ء سے 1836ء تک ۸ سال رہی ہے راجہ طاہر شاہ مغلوٹ کیانی نہایت غریب پرور اور بڑا ہمدرد بادشاہ تھا وہ اکثر بھیس بدل کر رعایا کی خبر گیری کرتا تھا راجہ محمد خان کیانی والی گلگت کے بعد راجہ طاہر شاہ والی ریاست نگر دوسرا حاکم تھا جس نے علماء کرام سادات عظام اور شجاعان کارزار کو نگر اور گلگت میں بطور انعام اراضی میں سے ان کے نام جاگیریں عطا کی تھی اور 1828ء میں گور کے مقام پر راجہ کریم خان مغلوٹ کے ہاں ملکہ صاحب نما طرہ خان کیانی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ملکہ صاحب نما نے اپنے والد کے نام سے منسوب کر کے اس نومولود شہزادے کا نام محمد خان ثانی رکھا اور اس طرح شہزادہ محمد خان ثانی کی پرورش وزیر غلام کی بیوی اور مشہور وزیر غلام حیدر کی والدہ نے کی تھی اور راجہ طاہر شاہ مغلوٹ نے ۸ سال تک شان وشوکت کے ساتھ گلگت پر حکومت کی مگر اس کی بیماری کی خبر سنکر خودغرض والی یاسین راجہ گوہر امان نے گلگت پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور گلگت کی جانب روانہ ہوا تو والی پونیال راجہ انجم خان نے والی یاسین گوہر امان کا راستہ روکا اس طرح راجہ گوہر امان کو شکست ہوئی اور وہ ناکام ہو کر الٹے پاؤں یاسین کی طرف فرار ہوا پھر راجہ طاہر شاہ مغلوٹ کیانی نے اپنی صحت یابی کے بعد راجہ غضنفر ہنزہ اور راجہ گوہر امان یاسین پر حملے کا ارادہ کیا لیکن ان سے پہلے راجہ گوہر امان نے گلگت کی طرف چڑھائی کر دی مگر والی پونیال راجہ انجم خان نے دوسری بار بھی گوہر امان کو شکست دیکر یاسین کی طرف

واپس ہونے پر مجبور کر دیا اس دوران راجہ طاہر شاہ مغلوٹ نے اپنے بیٹے شہزادہ سکندر کی تاج پوشی کر کے ملکہ صاحب نما طرہ خان کا قائم مقام سلطنت مقرر کیا راجہ سکندر گلگت کے عوام میں مقبول اور ہر دل عزیز تھا اس کے اوائل دور حکومت میں ایک خاص سازش کے تحت علاقہ گریز تاوبٹ اور پھلوائے کا راجہ دلاور ملک نے تخت گلگت پر حملہ کیا اور راجہ دلاور ملک اپنے لشکر کے ساتھ گلگت میں داخل ہوا اور قلعہ فردوسیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا راجہ سکندر کا مشہور جرنیل ترنگفہ اشدر ایک جری اور مرد میدان تھا اس نے راجہ دلاور ملک کے لشکر سے بھر پور مقابلہ کیا اور راجہ دلاور ملک کو قتل کیا اور بعد میں اس کے بیٹے کو بھی گرفتار کر کے قتل کرا دیا مگر اس حملے کے فرو ہونے کے بعد مشہور ترنگفہ اشدر بھی قتل ہوا راجہ سکندر کو اس معتمد ترنگفہ کے قتل پر بڑا دکھ ہوا اور وہ بڑا غمگین ہوا۔

اس طرح گلگت کے اندرونی حالات کی وجہ سے والی یاسین راجہ گوہر امان گلگت پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اس لئے سب سے پہلے اس نے اپنے سخت حریف راجہ نجم خان والی پونیال کو اپنے راستے سے ہٹانے کی خاطر اپنے مشیر خاص رحمت کے مشورے سے سلیمان شاہ کی لاش کو گاہکوچ لا کر دفن کرنے والے شکولی خان کو راجہ نجم خان کے قتل پر آمادہ کیا اور مشکولی خان نے گوہر امان کے حکم پر راجہ شاہ نجم خان کو توڑے دار بندوق سے گولی مار کر قتل کر دیا۔

پھر راجہ نجم خان کا بھائی عیسیٰ بہادر نے گوہر امان کی ایما پر قاتل مشکولی خان

کو بھی قتل کیا اور اس سازشی قتل کے بعد راجہ گوہر امان کی طوطہ چشمی اور اس کے بدلے ہوئے تیور کا انداز کر کے عیسیٰ بہادر گلگت کی جانب فرار ہوا اور گلگت سے سیدھا گور گوہر آباد چلا گیا اور ملکہ صاحب نما اور اس کا شوہر راجہ شاہ کریم خان کی خدمت میں حاضر ہوا اس دوران گلگت کا قائم مقام سلطنت راجہ سکندر کا وزیر ھولو تخت گلگت کا انچارج وزیر اعظم تھا اور یہ نمک حرام وزیر در پردہ راجہ گوہر امان سے ملا ہوا تھا وزیر ھولو کی ترغیب سے راجہ سکندر خان اپنی دونوں بیویوں کے ہمراہ علاقہ بگروٹ کے شاہی دورے پر نکل گیا اس دورے کی خبر وزیر ھولو اور وطن دشمن ایک جماعت نے راجہ گوہر امان کو کر دی راجہ سکندر خان اپنی بیگمات اور وزیر ھولو کے خاص دستے کے ہمراہ قلعہ سنکر بگروٹ پہنچ گیا تھا۔

راجہ گوہر امان اپنے لشکر کے ساتھ گلگت پر حملہ آور ہوا اور قلعہ فردوسیہ گلگت پر قبضہ کے بعد اپنی افواج کے ساتھ خود سنکر بگروٹ کی جانب روانہ ہوا اور جاتے وقت تمام راستوں کی ناکہ بندی کرادی تھی۔ اس طرح راجہ گوہر امان موضع سنکر پہنچ گیا اور سنکر کے قلعے کو محاصرے میں لیکر راجہ سکندر کی گرفتاری کی بھر پور کوشش کرتا رہا اسیطرح یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا راجہ سکندر مغلوٹ کیانی کے ہمراہ کوئی فوج نہیں تھی صرف وزیر ھولو اور اس کا خاص دستہ ہمراہ تھا جو در پردہ گوہر امان سے ملا ہوا تھا ایک ماہ کے بعد گوہر امان تنگ آکر سنکر سے گلگت کی جانب واپس ہو رہا تھا غدار وزیر ھولو نے راجہ سکندر کو مختلف بہانوں سے دوکھ دیا اور اپنے خاص دستے کے ہمراہ

قلعہ سنکر سے باہر آ گیا اور اندر کے مخدوش حالات کی مخبری کر کے بحفاظت نگر چلا گیا اس کے بعد راجہ گوہر امان نے اپنی افواج کو دوبارہ منظم کیا اور دباؤ برقرار رکھا اس طرح سنکر قلعہ کے اندر کے مخدوش حالات اور بھوک کی غیر یقینی صورت حال کی وجہ سے راجہ سکندر نے قلعہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنی بیگمات اور تین سالہ شہزادہ فردوس علی خان کو کاندھے پر اٹھا کر خود قلعہ سنکر سے باہر آ گیا گوہر امان کی فوج نے ان کو گرفتار کیا اور سنکر کو لوٹا اور راجہ سکندر اپنی بیگمات کے ہمراہ گلگت کی طرف واپس ہوا گلگت آ کر راجہ گوہر امان قلعہ فردوسیہ کے بالمقابل دریا پار کنوداس میں مسند نشین ہوا ۔گوہر امان کی دلی تمنا تھی کہ راجہ سکندر خان آ کر اس کو سلام کرے تا کہ وہ تخت گلگت کی حکومت اس کو واپس کرے مگر راجہ سکندر خان کو اس کی خبث باطن کا پورا علم تھا کہ وہ ایسا نہیں کریگا باوجود فاقہ کشی کے اس کے آنکھوں میں خون اتر آیا سامنے جا کر گوہر امان سے مخاطب ہو کر کہا: اے بزدل! اور خون خوار شیر کو پنجرے میں بند کر کے تم سمجھتے ہو کہ میں تم جیسا روباہ صفت ناچیز کو سلام کروں۔ بقول کسے:

همت ہے تو پیدا کر فردوس برین اپنا
مانگی ہوئی جنت سے دوزخ کا عذاب بہتر

اچانک راجہ سکندر خان راجہ گوہر امان پر جھپٹ پڑا مگر گوہر امان کے حواریوں نے پکڑ کر بچا لیا راجہ گوہر امان نے شاہ سکندر خان کو قتل کرنے کا حکم دیا اس لئے راجہ شاہ سکندر خان کو سنیار باغ موجودہ سکارکوئی گلگت لیجا کر خود شاہ سکندر خان کے دو حاشیہ نشین

نمک حرام لوگوں نے اس کو قتل کیا جب شاہ سکندر خان مغلوٹ کیانی کے قتل کی خبر قلعہ فردوسیہ میں پہنچ گئی تو مہتر امان الملک کی ہمشیرہ اور شاہ سکندر خان کی بیوی نے خنجر لیکر گوہر امان پر حملہ کر دیا مگر گوہر امان کے حکم سے اسی خنجر سے ہی اس کو بھی قتل کیا گیا۔

28:۔ تخت گلگت کا اٹھائیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی آپ کی حکومت 1841ء سے 1844ء تک تین سال رہی والی یاسین گوہر امان اقتدار کا بوکھا تھا اور نہایت انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتا تھا گلگت کے اندورنی حالات کی نزاکت کی بدولت وہ پہلی مرتبہ 1840 میں تخت گلگت پر قابض ہوا اور گلگت پر اس کا قبضہ 1842ء تک صرف دو سال رہا اور دوسری طرف تخت گلگت کی واحد وارث خاتون ملکہ صاحب نما طرہ خان کیانی اور اس کا شوہر راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی گلگت سے دور گور گوہر آباد میں رہتے تھے اس لئے گوہر آباد گور میں موجود عمائدین ریاست نے والی پونیال راجہ عیسیٰ بہادر کی تجویز پر راجہ کریم خان مغلوٹ کو تخت گلگت کا وارث اور حقدار قرار دیکر گوہر آباد میں ہی 1841ء میں اس کی تاج پوشی کر دی تھی گلگت کا مشہور ترنگفہ وزیر اشدر کی وفات کے بعد ترنگفہ وزیر ہولو کو گلگت کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا اس وزیر نے ذاتی مفاد کی خاطر والی یاسین گوہر امان سے خفیہ رابطہ رکھا ہوا تھا اور اس وزیر ہولو کی سازش سے راجہ گوہر امان نے گلگت پر قبضہ کیا تھا علاقہ گور میں راجہ کریم خان مغلوٹ کی تاج پوشی کے بعد گوہر امان سے تخت گلگت واپس حاصل کرنے کی خاطر سوچ بچار شروع ہوا اس

دوران راجہ عیسیٰ بہادر نے عمائدین اور راجہ کریم خان مغلوٹ کو یہ رائے دیا کہ موجودہ صورت حال میں ہم گوہرامان سے تخت گلگت نہیں چھڑا سکتے ہیں البتہ مہاراجہ شیر سنگ سے مدد حاصل کر کے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے تا کہ گوہرامان کی فوج کو شکست ہو عیسیٰ بہادر کی اس رائے کو سب نے پسند کیا اس طرح ملکہ صاحب نما طرہ خان کیانی اور شہزادہ محمد خان ثانی کو گوہر آباد گور میں چھوڑ کر چند عمائدین اور عیسی بہادر کے ہمراہ راجہ کریم خان، مہاراجہ شیر سنگ سے مدد حاصل کرنے کی خاطر لاہور روانہ ہوئے پنجاب میں مہاراجہ شیر سنگ کی حکومت تھی اس طرح مہاراجہ کی مدد کی منظوری کے بعد کرنل سید نتھو شاہ کی کمان میں ڈہائی ہزار سکھ لشکر گلگت کی جانب روانہ ہوا اس طرح جب راجہ کریم خان مغلوٹ اس لشکر کے ہمراہ گلگت میں داخل ہوا تو راجہ گوہرامان کی قابض فوج اور راجہ کریم خان کی افواج کے درمیان ایک سخت خونریز جنگ ہوئی اور اس جنگ میں گوہرامان کے دو تہائی بندے قتل ہوئے اور کچھ گرفتار ہوئے مگر خود گوہرمان اپنا محافظ دستہ کے ہمراہ یاسین بھاگ گیا جنگ ختم ہوئی اور تخت گلگت پر قبضہ کے بعد ملکہ صاحب نما طرہ خان کیانی اور شہزادہ محمد خان ثانی گور سے گلگت آ گئے اور قلعہ فردوسیہ گلگت میں چند دن بیمار رہ کر ملکہ صاحب نما خاندان طرہ خان کیانی کی آخری نشانی کا انتقال ہوا۔

راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی کو معلوم تھا کہ راجہ غزن خان والی ہنزہ اور راجہ گوہرامان تخت گلگت کے خلاف منظم سازشیں کر رہے ہیں اس لئے راجہ کریم خان

نے سکھ افواج کی مدد سے ریاست ہنزہ پر حملہ کر دیا اس جنگ میں سکھ فوج کا کمانڈر کرنل سید نتھو شاہ قتل ہوا اور راجہ کریم خان بھی زخمی ہو مگر زخمی ہونے کے بعد بھی لڑتا ہوا مارا گیا راجہ کریم خان کی موت کے بعد اس کی امدادی فوج کے پانچ ہزار نفری چھلت نگر پہنچی تھی اور راجہ کریم خان کے قتل کی خبر کے بعد یہ نفری گلگت کی طرف واپس ہوئی اسطرح راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی کی حکومت 1844ء میں ختم ہوئی۔

29:۔ تخت گلگت کا انیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ محمد خان ثانی کیانی تھا چونکہ راجہ محمد خان ثانی ماں کی طرف سے طرہ خان کیانی اور باپ کی طرف سے مغلوٹ کیانی تھا اس شہزادے کی عمر صرف 15 سال تھی عمائدین گلگت نے 1844ء میں اس کی تاج پوشی کر کے تخت گلگت پر بٹھا دیا۔ راجہ محمد خان ثانی کی تاج پوشی کے ۶ ماہ بعد ہی والی یاسین گوہر امان نے دوبارہ گلگت پر حملہ کر دیا مگر والی پونیال عیسی بہادر کی سرکردگی میں اطراف یعنی سیات مکسوہ سے لشکر جمع کر کے والی گلگت نوجوان محمد خان ثانی نے بیارچی کے مقام پر راجہ گوہر امان کا حملہ روک دیا اور بیارچی کے میدان جنگ میں گوہر امان کے ساتھ خون ریز جنگ ہوئی اس جنگ میں گوہر امان کو شکست ہوئی اور گوہرمان بھاگ کر یاسین واپس چلا گیا اس جنگ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ گوہر امان گرفتار ہوا تھا مگر حالات و واقعات اور قرائن و شواہد سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی ہے لیکن اس شکست کے بعد گوہر امان ایک اور چال چل گیا اپنے خاص مشیروں سے مشورہ کر کے راجہ محمد خان ثانی والی

گلگت کو اپنی بیٹی شہزادی شاہ بیگم کا رشتہ دینے کا اعلان کیا اس وقت راجہ محمد خان ثانی کیانی کی عمر صرف ۱۷ سال ہوئی تھی والی گلگت نے اس رشتہ کو قبول کیا اور راجہ گوہر امان نے اپنی بیٹی شہزادی شاہ بیگم کو دلہن بنا کر دلہن کا رضاعی باپ وزیر رحمت کے ہمراہ گلگت کی طرف روانہ کر دیا اس شادی کے پس پردہ عوامل لالچ مجبوری اور خبث باطنی تھی اور اس خاص منصوبے میں راجہ غزن خان والی ریاست ہنزہ بھی شریک تھا اس لئے والی ہنزہ نے بھی اپنی بیٹی شہزادی رزین کو بھی اس نوجوان والی گلگت کے عقد میں دیا ان دونو رشتوں کے بعد وزیر شاہ مراد نے نگر سے گلگت آ کر والی گلگت راجہ محمد خان ثانی کو ان دونو حلیف راجوں کے خاص عزائم اور پس پردہ عوامل اور متوقع حالات سے آگاہ کیا تھا گلگت کی پر پیچ تاریخ میں اس دور میں بہت اہم واقعات رونما ہوئے اس لئے گلگت کی تاریخ اور قصہ گو حضرات کی زبانی ان خاص واقعات کا تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے اگر چہ اکثر لوگ راجہ گوہر امان پر مذہبی تعصب کا الزام دیتے ہیں حقیقت میں اس کو دین اور دیانت سے کوئی خاص تعلق نہ تھا وہ صرف اقتدار کا بوکھا تھا اور لوٹ مار کر کے اقتدار اور دولت حاصل کرتا تھا اس کے پاس رشتہ ناطہ اور آدمیت کی اہمیت نہیں تھی۔ اس لئے راجہ گوہر امان نے اپنی بیٹی ملکہ شاہ بیگم کا رضاعی باپ وزیر رحمت سے جو دربار گلگت کا مشیر خاص بھی تھا ساز باز کیا اور اس پس پردہ خاص سازش کے تحت اسی وزیر رحمت کے مشور پر والی گلگت محمد خان ثانی کیانی نے علاقہ بگروٹ کا شاہی دورہ رکھا اور راجہ محمد خان ثانی نے اپنی ملکہ

شاہ بیگم دختر گوہرامان کے علاوہ راجہ عافیت خان گا ہکوچ راجہ عیسیٰ بہادر والی پونیال وزیر رحمت وزیر غلام پدر وزیر غلام حیدر دینور اور وزیر سلطانو کے ہمراہ دینور نکل گئے اور دینور میں رات گزار کر بطرف بگروٹ روانہ ہوا اور اس طئے شدہ شاہی پروگرام کا جاسوس کے ذریعہ راجہ گوہرامان کو اطلاع کردی گئی اس طرح والی گلگت کی بگروٹ کی طرف روانگی سے قبل ہی راجہ گوہرامان نے 1846ء کے دوران ۶ ہزار مسلح لشکر کے ساتھ گلگت پر یلغار کردیا اس نے اپنے داماد اور بیٹی کے رشتے کا خیال نہ رکھا اور اچانک گلگت میں داخل ہو کر قلعہ فردوسیہ کے علاوہ شاہی محلات پر بھی قبضہ کر کے لوٹ مار مچادیا گوہرامان کے فوجیوں نے گلگت کے محلوں اور گھروں میں گھس کر عوام الناس کا مال ومتاع کو لوٹا اور ان کی عزت وناموس کو پائمال کیا۔ کئے مردوں اور عورتوں کو گرفتار کرا کر اشکومن کے راستے بدخشان بھیجوا کر فروخت کرایا اور ان مردو خواتین میں سے بعض تو کچھ مدت کے بعد واپس آ گئے مگر ان بیگناہ لوگوں میں سے اکثر لاپتہ ہو گئے گلگت کی تاراجی کے بعد راجہ گوہرامان اپنے داماد راجہ محمد خان ثانی کیانی کو گرفتار کرنے کی خاطر اس کے تعاقب میں علاقہ بگروٹ کی جانب روانہ ہوا والی گلگت کو گوہرامان کا گلگت پر حملہ اور قبضے کی اطلاع ہوئی تو اس کو اس بات کا زیادہ دکھ ہوا اور اس نے کہا میرے سسر کا گلگت پر حملہ خلاف توقع ہے اور مجھے یہ امید نہ تھی والی گلگت کے ان جذبات پر راجہ عیسیٰ بہادر نے کہا کہ گوہرامان کو اقتدار اور دھن دولت کی خاطر قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا خاص شوق ہے اور وہ اپنے مفاد

کی خاطر رشتے ناطوں کا احترام نہیں کرتا پھر وہ اول سے ہی تخت گلگت کی حکومت کا شوقین تھا اور اس وقت میری رائے ہے کہ گوہر امان سے لڑنے کی طاقت و ہمت اور موقعہ نہیں لہذا کشمیر جا کر مہاراجہ گلاب سنگھ سے مدد حاصل کیجائے تو بہتر ہوگا تمام عمائدین اور وزراء نے والی پونیال راجہ عیسی بہادر کی اس رائے سے اتفاق کیا اور وہ سب بلچی بگروٹ کے پہاڑی راستوں سے ہوتے ہوئے بطرف ہیراموش روانہ ہوئے اس پہاڑی سفر میں والی گلگت کا معتمد خاص مسمی خرول ساکن کھلتارو ہیراموش راہنما تھا اس طرح وہ راجہ محمد خان کیانی اور اس کے قافلے کو نامعلوم راستوں سے لیکر روانہ ہوا اور دس دن کے اندر یہ قافلہ سکردو پہنچا اور وہاں سے کشمیر روانہ ہوا۔

گلگت پر قبضہ کے بعد راجہ گوہر امان اپنی افواج کے ساتھ سنکر بگروٹ پہنچا وادی بگروٹ کے غیور عوام نے راجہ گوہر امان کی فوج کے ساتھ سخت مقابلہ کیا اور اس حملے کو روکنے کی بھرپور کوشش کی اس لڑائی میں گوہر امان کے ایک ہزار افراد مارے گئے اور وہ بگروٹ کا بڑا گاؤں فرفوح پر قبضہ نہ کر سکا مگر اندرونی سازش اور جاسوسی کی وجہ سے گوہر امان کی افواج کا فرفوح گاؤں پر قبضہ ہوا۔ گوہر امان نے بگروٹ والوں کی طرف سے بھرپور مزاحمت اور اپنی افواج کی قتل کے بدلے میں بہت سے بے گناہ لوگوں کو قتل بھی کرایا اور قیدی بھی بنایا اس طرح بگروٹ کے اس بڑے گاؤں میں لوٹ مار کے بعد بلچی کی جانب حملہ آور ہوا تاکہ اپنا داماد راجہ محمد خان ثانی کیانی اور اس کے عمائدین اور وزراء کو گرفتار کر سکے جب کہ والی گلگت بلچی کے پہاڑی

راستوں سے نکل جا چکا تھا اس طرح والی گلگت کا یہ شاہی قافلہ کشمیر پہنچا تو مہاراجہ
گلاب سنگ نے اس قافلے کا پر تپاک خیر مقدم کیا اور بڑے عزت واحترام کے
ساتھ ایک ماہ تک شاہی مہمان رکھا اور کرنل سید امان علی شاہ کے زیر کمان سلمان
ڈوگرہ اور سکھ جوانوں پر مشتمل چار ہزار مسلح لشکر والی گلگت نوجوان راجہ محمد خان ثانی
کیانی کے لئے فراہم کیا مگر بدقسمتی سے ان دنوں کشمیر میں چیچک کی جان لیوا مرض
پھیل چکا تھا اور والی گلگت بھی اس مہلک بیماری میں مبتلا ہوا تھا شاہی اطباء سے علاج
کرانے کے باوجود نوجوان راجہ اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تھے اس لئے اس نے
مہاراجہ کشمیر گلاب سنگ کو بلوا کر اپنی آخری وصیت لکھوادی میری کوئی اولاد نہیں ہے
اس لئے میری موت کے بعد میرے شجرہ نسب سے شہزادہ علی داد خان مغلوٹ کیانی
خلف الرشید راجہ محمد ظفر خان والی ریاست نگر تخت گلگت کا شرعی اور قانونی وارث ہوگا
کیونکہ شہزادہ علی داد خان کیانی نسبی اور سببی طور پر تخت گلگت کا جائز وارث رہ گیا ہے
کیونکہ خاندان طرہ خان کیانی اور خاندان مغلوٹ کیانی یک جدی سلسلہ نسب سے
ہیں اور اس وقت شہزادہ علی داد خان مغلوٹ تین سال کا کم سن بچہ ہے اس کی بلوغت
تک مہاراجہ کی طرف سے مقرر کردہ مقامی آفیسر شہزادہ کی سربراہی کے فرائض انجام
دیگا اور اس کم سن شہزادہ کی بلوغت کے بعد تخت گلگت کی حکومت شہزادہ علی داد خان
کیانی کے حوالہ کیا جائے اور مقامی سرکاری آفیسر بطور مشیر کام کریگا اور میری موت
کے بعد راجہ عیسیٰ بہادر کی قیادت میں مہاراجہ کی فوج گلگت پر چڑائی کردے اور بعد از

فتح ولایت گلگت شہزادہ علی داد خان مغلوٹ کیانی کو تخت گلگت کا جائز بادشاہ تسلیم کیا جائے۔

چونکہ راجہ گوہر امان دوسری مرتبہ 1846ء کے آخری چار ماہ یعنی ماہ ستمبر اور 1847ء کے ابتدائی 6 ماہ جولائی تک تخت گلگت پر قابض رہا ہے اور اس قبضہ کے بعد راجہ گوہر امان کی عام شہرت ہوئی اور اس کے بعد والی ہنزہ راجہ غزن خان گرکس کی ترغیب پر گوہر امان نے ریاست نگر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اپنے بیٹے ملک امان کی قیادت میں گیارہ ہزار کا لشکر تیار کیا تا کہ ریاست نگر جو واحد شیعہ اثنا عشری آبادی تھی پر بھی قبضہ کیا جا سکے اور اپنے مشیر خاص وزیر رحمت کی قیادت میں چترال کے دو ہزار جنگجو بھی روانہ کر دیا اور ہنزہ کے دو ہزار جنگجو بھی شامل تھے والی ریاست نگر میر محمد ظفر خان مغلوٹ کیانی کو اس حملے کی اطلاع ہوئی تو اس نے ہر آول دستے کے طور پر ایک ہزار منتخب جوانوں کو فوری طور پر مشہور جنگ جو ترنگفہ زینت شاہ ترنگفہ محمد شاہ اور ترنگفہ اشدر کی قیادت میں بڑی تیزی کے ساتھ پسن گاؤں روانہ کر دیا تا کہ ملک امان کا حملہ روکا جا سکے ان شجاعان ملت نے پسن میں ان حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اس طرح نالہ پسن کی دوسری جانب دونوں افواج کا مقابلہ ہوا اس مقابلے میں ملک امان کے بہت سے لوگ مارے گئے افواج نگر کی تعداد کم تھی اس لئے قلعہ بند ہو کر لڑنے کا فیصلہ ہوا اس لئے افواج نگر قلعہ بند ہوئی اور افواج یاسین و گلگت و ہنزہ نے بارہ دن تک قلعہ پسن پر حملے جاری رکھا مگر قلعہ پر قابض

ہونے میں ناکام ہوئی اس دوران مشہور وزیر شاہ مراد نگر سے دو ہزار جنگجو جوانوں کے ساتھ پسن پہنچ گیا اور قلعہ بند ہوا اور کئے دن تک جنگ جاری رہی اس طرح ملک امان اور وزیر رحمت کی سب جنگی تدبیریں ناکام ہوئی اور وزیر شاہ مراد کی دلیری جنگی مہارت اور حکمت عملی کی بدولت افواج غنیم کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑھ رہا تھا اس طرح ایک رات وزیر شاہ مراد نے دو ہزار منتخب جوانوں کے ساتھ قلعہ پسن کا دروازہ کھول کر دشمن افواج پر سب خون مارا اور اس اچانک شب خون سے افواج یاسین گلگت اور ہنزہ کو بہت بڑا نقصان ہوا اس حملے سے نصف سے زیادہ لوگ مارے گئے اور باقی ماندہ فوجی افراتفری اور رات کی تاریکی کی وجہ سے آپس میں لڑ کر نقصان ہوے اور اس شکست کے بعد ملک امان اور وزیر رحمت جان بچا کر گلگت کی طرف بھاگ گئے جب جنگ کا خاتمہ ہوا تو مرنے والوں کی لاشوں کا شمار ہوا تو ملک امان کے کئی ہزار اور ہنزہ سے آنے والے لوگوں میں سے ڈیڑھ ہزار لوگ مارے گئے تھے اس طرح قلعہ پسن کی اس مشہور زمانہ جنگ میں فتح و کامرانی کے بعد مشہور وزیر شاہ مراد پانچ سو قیدیوں پر مال غنیمت لاد کر خوشی کے شادیانے بجواتا ہوا دارالخلافہ نگر خاص کی طرف روانہ ہوا۔

پسن نگر کی اس تاریخی شکست کے بعد ملک امان اور وزیر رحمت پاپیادہ گلگت پہنچ گئے تو اس بری خبر سے راجہ گوہر امان زیادہ غصہ سے کانپ رہا تھا اس لئے اس نے بطور سزا وزیر رحمت کو گلگت کی وزارت عظمٰی سے ہٹا کر یاسین بھیجدیا اور اپنے

بیٹے ملک امان کو گرفتار کرا کر پا بہ جولان گاہکوچ کے قلعے میں قید کرایا اس طرح وہ گوہر امان کی موت تک قلعہ گاہکوچ کی قید خانے میں قید رہا اور گوہر امان کے مرنے کے بعد وزیر وہاب نے اس کو قید سے آزاد کرایا اور وزیر رحمت کی برطرفی کے بعد گلگت کی وزارت عظمیٰ پر وزیر وہاب ساکن شروٹ کو مقرر کیا گیا تھا اگر چہ وزیر وہاب شیعہ اثنا عشریہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا اس کی جانبازی دلیری تدبر اور اپنے مقصد میں بھر پور لگن کی بدولت گوہر امان اس کو قدر کی نظر سے دیکھتا تھا لہذا اس کا وزیر رحمت کی جگہ گلگت کا وزیر اعظم مقرر ہونے کے بعد اس کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں اور راجہ گوہر امان اس کی ہر خواہش پوری کرتا تھا چونکہ وہ وزیر وہاب سے مرعوب رہتا تھا اس لئے راجہ گوہر امان اس کو راضی رکھنے کی خاطر اپنے ہم مسلک اکابر علماء کی توہین اور تذلیل بھی کرتا تھا بلکہ اس نے اپنے مقصد کی خاطر کئی علماء کو بدخشان بھجوا کر ان کے بدلے شکاری کتے، باز اور بار بردار گدھے منگوائے تھے اس شقی القلب راجہ نے گلگت اور بگروٹ کے بہت سے شرفا اور نامور لوگوں کو قتل کرایا جنگ قلعہ پسن نگر میں گوہر امان کی افواج کی ناقابل فراموش شکست کی وجہ سے وہ ہر وقت غیض وغضب میں بھرا رہتا تھا اور والی ہنزہ کو گندی گالیاں بکتا تھا۔ اس غصہ کی وجہ سے روزانہ تین چار قتل کرا دیتا تھا اس طرح وہ قتل وخون کا عادی بن چکا تھا اور ان بیگناہوں کے خون کی وجہ سے اس کی دماغی حالت بگڑ گئی تھی اس لئے وزیر وہاب نے گوہر امان کو اس ذہنی پریشانی سے نکا کر اس کو مشغول رکھنے کی خاطر موضع دینور

میں چکوروں کے ہنکے کا انتظام کرایا اور چکوروں کی شکار کی خاطر راجہ گوہرامان اپنے مصاحبین اور خدمت گاروں کے ہمراہ اپنے باز شاہین اور شکاری کتوں کو ساتھ لیکر دینور کی طرف روانہ ہوا موسم سرما کا آغاز تھا جھالہ کے ذریعہ دینور کا دریا عبور کر کے راجہ گوہرامان کا گزر محلہ اپھری دینور میں واقع سید سلطان علی عارف جلالی کے مقبرے سے ہوا، مقبرے کو دیکھ کر اس نے سوال کیا کہ یہ قبر کس کی ہے سوال کے جواب میں کسی مصاحب نے کہا کہ یہ مقبرہ ایک شیعہ بزرگ سید کا ہے اور یہ ولی اللہ ہیں اس جواب سے گوہرامان کی رگ تعصب پھڑک اٹھی اپنے گھوڑے سے اتر کر کہا کیا سیغہ رافضی بھی بزرگ ولی اللہ ہوتے ہیں یہ کہہ کر آستانے کے قریب جا کر دروازے کو دکا دیا جس کی وجہ سے آستانے کا دروزہ ٹوٹ کر اندر کی جانب گر گیا اور گوہرامان کبر ونخوت اور غصہ کے ساتھ آستانے کے اندر داخل ہوا اور نہایت بے باکی اور بے ادبی کے ساتھ قبر پر ٹھوکر مارا اور ٹھوکر کے ساتھ ہی ایک خوفناک چیخ کے ساتھ بلبلاتا ہوا کہا کہ اس رافضی سید نے مجھے مار دیا اور دونوں ہاتھوں سے بیٹ پکڑ کر باہر آ گیا اور حکم دیا کہ مجھے گلگت واپس لے چلو سہارا دیکر اس کو گھوڑے پر سوار کرا کر جھالہ تک لیکر گئے اور جھالہ پر لٹا کر دریا پار کرایا گیا کہتے ہیں کہ گلگت پہنچتے ہی اس کا پیٹ مشک کی طرح پھول گیا تھا اس وجہ سے گوہرامان نے اپنے مصاحبین اور دوستوں سے کہا کہ میرے لئے خدائی یعنی خیرات کرو لہذا اس کے متعلقین اور دوستوں نے اس کی صحت اور سلامتی کی خاطر بیل، بکرے ذبح کر کے خیرات کیا اللہ تعالی تو رحمان ہے وہ معاف

کر دے تو اس کی قدرت ہے مگر اللہ والے ظالموں کو معاف نہیں کرتے ان کا مواخذہ قابل معافی نہیں ہوتا ہے اور سید سلطان علی شاہ عارف تو بڑے جلالی بزرگ ہیں اس سلسلے میں راقم کی ساس کا دادا بھی راجہ گوہرامان کے مصاحبین میں سے تھا اس لئے اس نے بھی ایک بیل ذبح کر کے خیرات دی تھی یہی وجہ ہے کہ آج تک ان کے ہاں نر بچھڑا تین سال کا ہو کر مر جاتا ہے اور آج بھی میرے سسرال والے سالانہ سید سلطان علی شاہ عارف کے آستانے پر خیرات دیتے ہیں مگر خیرات وخدائی کے باوجود گوہرامان کی تکلیف میں اضافہ ہوا اس لئے اس نے حکم دیا کہ اس کو جلد یاسین پہنچا دیا جائے لہذا اس کے حکم پر دن رات سفر کر کے لوگ اس کو لیکر گاہکوچ پہنچ گئے گاہکوچ پہنچ کر اس کے ملازمین دم لینے کی خاطر رک گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ اچانک ایک خوفناک آواز کے ساتھ گوہرامان کا پیٹ پھٹ گیا اور آس پاس بیٹھے ہوئے ملازمین کے کپڑے اور چہرے اس کے پیٹ کی گندگی سے پلید ہوئے یہ واقعہ عام تعصب اور کینہ سے مشہور نہیں ہوا ہے بلکہ چشم دید گواہوں کے علاوہ اس کے مصاحبین اور دوستوں کی زبانی تاریخ میں زبان زد خاص وعام ہوا ہے اور یہ عبرت ناک واقعہ اس بزرگ ولی اللہ کی کرامت تھی جو بطور سزا ظاہر ہوئی ہے۔

عام تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ راجہ گوہرامان کی موت ماہ جولائی 1847ء میں واقع ہوئی ہے مگر اس روایت کو درایت کی روشنی میں پرکھا جائے تو جولائی کی تاریخ درست معلوم نہیں ہوتی ہے اور خاص تحقیق کی روشنی میں دیکھا جائے تو گوہرامان کی

موت ماہ نومبر 1847ء میں واقع ہوئی ہے اور گوہر امان کی موت کے بعد اس کی لاش کو گاہکوچ سے یاسین لے جائی گئی اور دست طاؤس میں خاندان خوش وقت کی خاندانی قبرستان میں اس کو دفن کیا گیا اسطرح گوہر امان کی لاش کو یاسین روانہ کر کے تخت گلگت کا وزیر اعظم وہاب نے گاہکوچ قلعہ کی جیل سے ملک امان پسر گوہر امان کو نکالا اور تخت گلگت کی حکومت کی خوشخبری سنا کر اس کو شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ گلگت لا کر ماہ نومبر 1847 میں تخت گلگت پر بٹھا دیا۔

ادھر مہاراجہ گلاب سنگ نے نوجوان والی گلگت راجہ محمد خان ثانی کی وصیت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا اول ماہ جون 1847ء میں اس راجے کا 18 سال کی عمر میں کشمیر میں انتقال ہوا اس کی تجہیز و تکفین کے بعد راجہ عیسیٰ بہادر کی معیت میں چار ہزار ڈوگرہ افواج کرنل سید امان علی شاہ کی کمان میں کشمیر سے گلگت کی طرف روانہ ہوئی اور پندرہ جوان 1847ء کو راجہ عیسیٰ بہادر اور عمائدین گلگت ڈوگرہ پلٹن کے ہمراہ گلگت پہنچ گئے تو ملک امان اور وزیر وہاب نے پہل کر کے ان پر حملہ کر دیا اس طرح فریقین کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی اور جلد ہی ملک امان مقابلہ چھوڑ کر گلگت سے یاسین کی طرف بھاگ گیا لیکن وزیر وہاب نے مہاراجہ کے پلٹن سے خوب مقابلہ کیا اور آخر دم تک لڑتا ہوا افواج مہاراجہ کے ہاتھوں قتل ہوا قصہ گو حضرات کہتے ہیں کہ قتل کے بعد اس کا سر کاٹ کر قلعہ فردوسیہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا تھا تا کہ لوگ عبرت حاصل کرے اس کے علاوہ بھی گوہر امان اور ملک امان کے

کچھ نمک خوار مصاجبین کو بھی مختلف درختوں پر لٹکا دیئے گئے اس طرح کرنل سید امان علی شاہ پوری طرح گلگت پر قابض ہوا اور حالات کے سدھرنے کے بعد راجہ محمد خان ثانی والی گلگت کی خاص وصیت کے مطابق تین سالہ شہزادہ علی داد خان پسر راجہ محمد ظفر خان والی ریاست نگر کی تاج پوشی کر دی گئی۔

✯ :30:۔ تخت گلگت کا تیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ شہزادہ علید اد خان مغلوٹ کیانی کو نگر سے بلا کر 1848ء میں تخت گلگت پر بٹھا دیا گیا اس کم سن راجہ کی رسم تاج پوشی میں ریاست نگر کی نمایندگی مشہور زمانہ وزیر شاہ مراد نے کی اور والی نگر راجہ محمد ظفر خان کیانی کی طرف سے کرنل سید امان علی شاہ کو کم سن راجہ علی داد خان کیانی کا سربراہ مقرر کیا گیا مگر حقیقت میں اس کم سن راجے کی سربراہی انکے والد والی نگر راجہ محمد ظفر خان کیانی کی تھی اسیطرح 1850ء میں کرنل سید امان علی شاہ اپنی نفری کے ساتھ تبدیل ہو کر کشمیر چلا گیا اس کی جگہ کرنل پوپ سنگ دو ہزار نفری کے ساتھ بونجی گلگت آیا اس کا ہیڈ کواٹر بونجی تھا اس نے مختلف مقامات پر جوانوں کو متعین کر دیا تھا تا کہ مہاراجہ کے حکم کے مطابق راجہ علی داد خان کے خلاف کسی غیر متوقع سازش کا مقابلہ کرے اور ساتھ ہی گلگت کے پڑوسی ممالک چین اور اس کی طرف سے متوقع نقل وحمل کا خیال رکھتی تھی اس کے ساتھ مہاراجہ کی طرف سے متعین فوجی کم سن والی گلگت راجہ علی داد خان کا ادب اور احترام بھی برقرار رکھتی تھی اس کو فوجی بینڈ باجے کے ساتھ سیر وشکار پر لے جاتے تھے اگر کم سن راجہ فوجی پریڈ کا معائنہ کرنے جاتے تو

باقائدہ توپوں کی سلامی دی جاتی تھی اس طرح بیرونی اثرات کے باوجود ان راجوں کا رعب اور دبدبہ برقرار تھا اور گلگت کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے راجہ علی داد خان مغلوٹ کیانی کے تین بیٹے تھے ان میں سے سب سے بڑا بیٹا شہزادہ حسین علی خان کیانی کو گلگت کی راجگی ملی مہاراجہ کشمیر کی نمائندہ حکومت اور تاج برطانیہ کی طرف سے مقرر کردہ پولٹیکل ایجنٹ کی وجہ سے اب ان راجوں کی حکومت جاگیرداری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی پھر بھی گلگت کے لوگ ان کا خصوصی احترام کرتے تھے راجہ حسین علی خان مغلوٹ کیانی کی وفات کے بعد شہزادہ جعفر خان المعروف چانٹورا اس جاگیر کا وارث تھا اس طرح دیگر ریاستوں کے راجوں کی طرح سرکاری دربار میں اور خصوصی تقریبات کے موقعوں پر ان کو خصوصی نشست ملتی تھی راجہ جعفر خان عرف چانٹورا اپنے خاندانی وضع کی خاطر اپنا خصوصی رعب اور داب کو برقرار رکھنے کی خاطر لوگوں کی طرف سے ادب اور احترام کے موقعہ پر اپنے مخصوص انداز میں سلام کا جواب دیتے تھے زمین اور جاگیر کے حوالے سے نواب تھے مگر آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اس طرح لاولد فوت ہوا آپ نے اپنی جاگیر سے کافی زمین شیعہ امامیہ اسماعلیہ جماعت خانہ گلگت کے نام کر دیا تھا اور خود بھی شیعہ اسماعیلیہ دعوت میں شامل ہوا تھا اس طرح گلگت سے اس نام کی راجگی ہمیشہ کے لئے ختم ہوئی مگر گلگت میں خاندان مغلوٹ کیانی کے شہزادوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور ان شہزادوں کو اب گشپور کہتے ہیں اور یہ سب شیعہ اثناعشریہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح راجگان گلگت اور ان کے

خاندان کا پس منظر کے حوالے سے گلگت کی ثقافتی تاریخ میں بہت سے تعریفی اشعار مختلف ناموں سے ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے اس خطہ کی تہذیب وثقافت نمایاں ہوجاتی ہے ان اشعار میں بیرویں کی طرز پر شاعری ہوتی رہی ہے اس حوالے سے چند شینا اشعار میں سے صرف دو بند بطور نمونہ یہاں درج کرنا مناسب ہے:

وہ علی داتھئے سوری کمال تھئے لچھال کھن مالج جل بےلم لچھال ژکے بوجم

وہ علی داتھئے سوری کمال تھئے لچھال شل مالج جل بےلم لچھال ژکے بوجم

اے راجہ علی داد تیرا سورج شاہ کمال تیری قسمت کا ستارہ ہر برج کی اونچائی سے طلوع ہوگا تو میں اس ستارہ کو دیکھ کر جاؤں گا اور اے راجہ علی داد تیرا قسمت کا ستارہ دنیا کے سو برجوں میں نکلے گا تو میں ہر برج پر تیرے اقبال کا ستارہ دیکھ کر جاؤں گا۔

والی گلگت راجہ علی داد خان مغلوٹ کیانی کا بڑا بھائی شہزادہ شاہ کمال تھا اس لئے ان دونوں بھائیوں کی تعریف میں یہ اشعار ہیں جو شادی بیاہ کی مناسبت کے موقعوں پر خاص انداز میں گائے جاتے تھے اور اب بھی یہ سلسلہ محدود انداز میں جاری ہے۔

﴿توضیح﴾

تخت گلگت کا اولین مسلمان بادشاہ راجہ سوملک اول ابن راجہ کرک کیانی آپ 40 سال کی عمر میں 723ء میں تخت گلگت پر متمکن ہوا اور اس دوران آقائے سید شاہ افضل ولیؒ کے تبلیغ اسلام سے آپ مسلمان ہوئے اور 725ء میں مکتب تشیع میں داخل ہوا اور اکتیسواں مسلمان اور شیعہ بادشاہ راجہ جعفر خان عرف چانٹورا تک ترتیب وار سب بادشاہ شیعہ حاکم گزرے ہیں اور 1075ء سال تک کسی اور کو تخت گلگت کی حکومت میں کوئی خاص مداخلت کا موقعہ نہیں ملا ہے اگر چہ راجہ خوش وقت چترال جو مہنہ شاہ کٹور اول چترال کا چھوٹا بھائی تھا اور راجہ سنگ علی اصفہانی کا پوتا تھا اس نے کئی بار تخت گلگت پر مکمل قبضہ کرنے کی عام کوشش کی مگر ناکام رہا لیکن بعد میں والی مستوج راجہ سلیمان شاہ پسر بادشاہ خان نے نہایت ہوشیاری اور مکاری سے دربار گلگت میں اپنا مقام پیدا کیا اور بڑی مکاری سے 1800ء میں گلگت کا مشہور راجہ شاہ غوری تھم طرہ خان کیانی کو قتل کیا اس طرح 1800ء سے تخت گلگت کا قدیم اور جائز وارث خاندان طرہ خان کیانی اور گلگت کے عوام کو مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور یہی خود غرض راجہ سلیمان شاہ والی مستوج 1802ء تک تخت گلگت پر قابض ہوا اس طرح والی مستوج سلیمان شاہ اور والی یاسین گوہر امان و ملک امان کا دور حکومت مل ملا کر صرف سات سال بنتا ہے اور اس طرح خاندان طرہ خان کیانی

کی قدیم موروثی حکومت کسی حد تک طوائف الملو کی کا شکار رہی پھر بھی آخری دم تک تمام والیان گلگت شیعہ اثنا عشری رہے ہیں پھر 1842ء میں قائم مقام تخت گلگت راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی شوہر ملکہ صاحب نما طرہ خانی کیانی نے گوہر آباد سے لاہور پنجاب جا کر مہاراجہ شیر سنگ پسر مہاراجہ گلاب سنگ سے مدد طلب کیا تو مہاراجہ شیر سنگ نے کرنل سید نتھو شاہ کی کمان میں سکھ افواج کو راجہ کریم خان مغلوٹ قائم مقام تخت گلگت کے ہمراہ گلگت بھیجدیا اس طرح اس خاص فوجی مداخلت کی وجہ سے گلگت کی قدیم حکومت کی مسلمہ حیثیت میں فرق آیا نیز اس طرح اس بیرونی مداخلت کی بدولت گلگت کی عملداری میں موجود مقامی راجوں نے اپنی حکومت اور جاگیریں بچانے کی خاطر نیز مہاراجہ کشمیر کے پلٹن کو خوش رکھنے اور ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر پس پردہ ریشہ دوانیاں شروع کیا اور اس طرح ایک بار پھر والی گلگت راجہ محمد خان ثانی مغلوٹ کیانی نے 1848ء میں کشمیر جا کر مہاراجہ گلاب سنگ ڈوگرہ سے فوجی مدد مانگی اور خاندان طرہ خان کیانی کا اس آخری راجہ کی خاص وصیت کے مطابق مہاراجہ کشمیر نے کرنل سید امان علی شاہ کی کمان میں ڈوگرہ فوج گلگت کی طرف روانہ کیا اس لئے ان بیرونی اثرات کی بدولت تخت گلگت اور شمالی علاقہ جات کا خاص تشخص مجروح ہوا چونکہ ڈوگرہ افواج کی سرکردگی میں کمسن راجہ علی داد خان مغلوٹ کیانی کی تاج پوشی ہوئی اور اس طرح ان بیرونی اثرات اور مداخلت کی بدولت ہمسایہ ممالک کی نظریں سرزمین گلگت اور شمالی علاقہ جات پر مرکوز ہوئیں اس کے

ساتھ ہی تاج برطانیہ کو بھی اس خطہ کی اہمیت کا احساس ہوا اس لئے تاج برطانیہ کی طرف سے 1879ء میں میجر بڈلف اولین برٹش ایجنٹ بن کر گلگت آیا اس طرح شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان کے علاقے اور عوام ان بیرونی ایجنٹوں کے دام غلامی میں گرفتار ہو کر رہ گئے۔

جب برصغیر تقسیم ہوا اور پاکستان کے پیارے نام سے ایک فلاحی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو اسلام اور علاقے کی تشخص کی خاطر 1948ء میں اس سرزمین کے عظیم سپوت کرنل حسن خان رانا، راجہ بابر خان مغلوٹ کیانی اور احسان علی خان وزیر نے اپنے وطن پرست اور اسلام دوست ساتھیوں کے تعاون اور فداکاری سے ڈوگرہ افواج کے خلاف تحریک چلا کر اس خطہ کو ان بیرونی ایجنٹوں کی غلامی سے آزاد کرایا اور اس عظیم انقلاب کے تینوں ستون شیعہ اثنا عشریہ تھے ان کا مختصر تعارف یہ ہے۔

بابائے گلگت حسن خان رانا

28 فروری 1919ء کو سرزمین گلگت میں مرزا تاج محمد خان رانا کے گھر ایک خوش نصیب بچہ پیدا ہوا ماں باپ نے اس بچے کا نام حسن خان رکھا سرزمین گلگت کی یخ بستہ سردی میں آنکھیں کھولنے والے اس ہونہار بچے نے بعد میں اپنے انقلابی فکر ونظر سے پوری قوم کے سوئے ہوئے جذبات واحساسات کو خدمت اسلام اور

آزادی وطن کی انقلابی تپش سے روشناس کرایا۔

اگر چہ مرزا تاج محمد خان خود پڑھا لکھا نہ تھا مگر وہ اپنی اس علمی کمی کو اپنے اس ہونہار بچے کو خوب پڑھا لکھا کر پوری کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنے بچے کو سکول میں داخل کرایا اس طرح مرزا حسن خان رانا نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اس زمانے کا یگانہ مڈل سکول اور اب گورنمنٹ بوائز ہائی سکول نمبر 1 گلگت سے کیا جب حسن خان نے گلگت سے مڈل کا امتحان پاس کیا تو میٹرک کا امتحان پاس کرانے کی خاطر اس کو سری نگر کشمیر بھیجدیا گیا اور اس کو کشمیر بڑا پسند آیا مرزا حسن خان نے اپنی کتاب ''شمشیر سے زنجیر تک'' میں اس شہر کی دل کھول کر تعریف کی ہے آپ نے سر پرتاب ہائی سکول سرینگر میں داخلہ لیکر صرف تین ماہ گزارے تھے آپ کے والد کا انتقال ہوا مگر گھر والوں نے اس قیامت خیز خبر کو ان سے چھپائے رکھا بعد میں وزیر میر حسن شاہ سرینگر آئے اور حسن خان رانا کو اپنے ساتھ پونچھ لے گئے اور ان کو وی جے ہائی سکول پونچھ میں داخل کرایا اسطرح حسن خان رانا نے 1934ء میں وہاں سے میٹرک کا امتحان خاص امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا اور پونچھ کشمیر کے چاروں ہائی سکولوں میں سب سے اول آئے اور اسکالرشپ کا حقدار قرار پائے آپ نے اپنی کتاب میں پونچھ کشمیر کے باسیوں کی اسلام پسندی وفاشعاری اخلاص اور مہمان نوازی کی خوب تعریف کی ہے میٹرک کے بعد حسن خان رانا نے سری پرتاپ کالج سرینگر میں داخلہ لیا آپ کو سرکار کی طرف سے ماہوار 30 روپے سکالرشپ ملتا

رہا اس زمانے میں 30 روپے بڑی رقم ہوتی تھی اور آپ فرعون کے گھر میں موسیٰ کی
طرح پرورش پاتا رہا۔ مرزا حسن خان رانا نے بھرپور زندگی گزاری آپ کالج کی
زندگی سے ہی سوٹ زیب تن کرتے تھے۔ آپ خوش پوشاک تھے اور آخری دم تک
خوش پوش رہے مرزا حسن خان رانا نے 1937ء میں تھرڈ ایئر پاس کیا اور فورتھ ایئر
میں داخلہ کیا اس دوران اپنے انقلابی طبعیت کی وجہ سے فوج میں جانے کا فیصلہ کیا
اور فوج میں کمیشن لینے کے لئے درخواست فارم جمع کرائے۔ آپ نے میڈیکل
ٹسٹ کے بعد تحریری امتحان پاس کرلیا اور آخر میں زبانی انٹرویو کے لئے مہاراجہ ہری
سنگ کے سامنے پیش ہوئے بقول مرزا حسن خان رانا مہاراجہ کشمیر برٹش آرمی کے
میجر جنرل کی وردی میں ملبوس اپنے دیگر فوجی افیسروں کے ساتھ بیٹھ کر امیدواروں
سے سوال وجواب کر رہا تھا اس دوران مہاراجہ ہری سنگ نے سوال کیا کہ گلگت کا
علاقہ دہلی دربار کی عملداری میں گیا ہے آپ انڈین آرمی میں کیوں نہیں جاتے اس
سوال پر حسن خان رانا نے جواب دیا کہ ہز ہائنس کا اقتدار اعلیٰ علاقہ جات پر بدستور
قائم ہے اس کا ثبوت گلگت ایجنسی پر اب بھی ریاست کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اگرچہ
گلگت کا انتظام عارضی طور پر دربار دہلی کو مستعار دیا گیا ہے اس مثبت جواب سے
مہاراجہ ہری سنگ کا چہرہ کھل اٹھا اور مرزا حسن خان رانا بطور کمیشن آفیسر کشمیر فورس
میں بھرتی ہوئے آپ ترقی کرتے ہوئے 1943ء میں میجر کے عہدے تک آئے
تھے آپ نے جنگ عظیم دوم کے دوران 1944ء میں برما کے محاذ جنگ میں غیر

معمولی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے اس لئے اس خاص خدمت کے صلے میں آپ کو ملٹری کراس کا فوجی اعزاز ملا میجر حسن خان رانا ایک سکولر قسم کے مسلمان تھے آپ مذہبی تعصب اور فرقہ واریت سے دور تھے لیکن اسلام کے نام پر اپنی جان نچھاور کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے آپ خود صاف گو تھے منافقت سے نفرت کرتے تھے اس لئے دوسروں کی منافقت کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے فوجی ذہن اور انقلابی فکر کے باوجود آپ کے اندر تدبر اور متانت کا خاص جوہر موجود تھا اس لئے آپ کی عالم اسلام اور جنوبی ایشیاء خصوصا برصغیر کے علاقائی اور مذہبی حالات پر خاص نظر تھی اس لئے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور دنیا کی سرعت رفتار کے ساتھ دنیائے اسلام اور امت مسلمہ کے بارے میں بڑی باریک بینی دور اندیشی اور ساتھ ہی ایک خاص زاویہ نظر سے سوچ رہے تھے اس بارے میں آپ اپنے ہم سفر اور ہم منصب مسلمان آفیسروں سے دین اسلام کی عظمت اور برصغیر کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے۔ فوجی ملازمت کے دوران آپ کے فوجی ساتھیوں میں میجر محمد افضل خان راجہ بریگیڈیر محمد اسلم خان، کرنل ریٹائرڈ محمد منشا خان، کرنل ریٹائرڈ محمد شیر، میجر دین محمد اور میجر سید غضنفر علی شاہ کے علاوہ اور بھی لوگ تھے اور اس طرح جیتک مہاراجہ کشمیر نے ریاست کشمیر کا الحاق بھارت سے نہیں کیا ان سب مسلمان آفیسروں کی ریاست سے وفاداری قائم رہی اور 1947ء میں ریاست کشمیر کا بھارت سے یکطرفہ طور پر الحاق کا اعلان ہوا تو

وفاداری کا یہ بندھن ٹوٹ گیا اور اس دانشمند قیادت کی نظر تقسیم ہند کے بعد پیش آنے والے متوقع حالات پر مرکوز تھی اس طرح 14 اگست 1947ء میں برصغیر کے تقسیم کا اعلان ہوا انگریز سامراج اور ہندو سازشیوں کے درمیان پس پردہ گٹھ جوڑ کی بدولت کشمیر کے بغیر ادھورا پاکستان بنا تو اس دور اندیش قائد کے خدشات سچ ثابت ہوئے اس لئے آپ نے خطہ شمال گلگت و بلتستان اور کشمیر کی آزادی کے بارے میں اقدامات کرنا شروع کئے اسطرح آپ کی فکر انگیز قیادت راجہ محمد بابر خان کیانی کی مدبرانہ فکر اور کرنل احسان علی خان وزیر کی متانت نے اس انوکھے انقلاب کو برپا کیا اور اس طرح اس خاص انقلاب کی بدولت گلگت و بلتستان کی سرزمین سے ڈوگرہ غلامی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہوا اور اسلام کے نام پر نوزائدہ مملکت پاکستان کے حکمرانوں کو سرپرستی کی خاطر دعوت دی گئی لیکن پاکستان پر حاکم مسلمان راہنماؤں نے اس عظیم انقلاب کے بانیوں کی خدمات کو تعصب اور خود غرضی کی بنیاد پر الجھادیا اور اس ناانصافی کی بنا پر ان قائدین کی قربانیاں مدہم ہو کر رہ گئیں اس لئے خطہ شمال گلگت وبلتستان سے اس سیاسی گھٹن کو دور کرنے کی خاطر کرنل حسن خان رانا نے گلگت لیگ کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی تھی مگر اس خطہ بے آئین پر مسلط ایف ،سی ، آر کے کالے قانون کی موجودگی میں یہ سیاسی پارٹی کامیاب نہ ہوسکی پھر بعد میں آپ نے ایئر مارشل اصغر خان کی پارٹی تحریک استقلال میں شمولیت اختیار کی مگر اس جماعت میں بھی ان علاقوں کی آئینی حیثیت اور عوام کے بارے میں کوئی

واضح پالیسی نظر نہ آئی تو آپ اس جماعت سے بھی مستعفی ہو گئے پھر پاکستان پیپلز پارٹی کا عام شہرہ ہوا تو آپ نے اس پارٹی میں متوازی گروپ بنا کر شمولیت اختیار کیا اور گلگت و بلتستان کے اندر متنازعہ بن گئے پاکستان پیپلز پارٹی میں متوازی گروپ بنا کر جلسہ عام کرنے کے بعد اپنی شمولیت کے بارے میں خطوط لکھوا رہے تھے میری یادداشت کے مطابق اس موقعہ پر وزیر شمشاد علی، الطاف حسین ایڈوکیٹ اور محمد عیسیٰ ایڈوکیٹ وغیرہ دانشور اس بارے میں بذریعہ خطوط اطراف کے عوام کو اطلاع دے رہے تھے اور راقم بھی ایک عام عقیدت مند کی حیثیت سے ان کے بنگلے میں کرنل حسن خان رانا کے پاس بیٹھ کر یہ سیاسی تماشہ دیکھ رہا تھا اس دوران بطور عقیدت اور خلوص کے میں نے کہا آپ تو بابائے قوم ہیں آپ کو اس عام متوازی سیاسی بکھیرے میں ملوث نہیں ہونا چاہئے تھا اس سوال پر موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے فرمایا شیخ صاحب میں نے بڑوں سے مشورہ کر کے یہ قدم اٹھایا ہے مگر بدقسمتی سے یہ شمولیت دیر پا ثابت نہیں ہوئی اور جن مقاصد کی خاطر آپ نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی تھی وہ خاص مقاصد باہمی اختلافات کی وجہ سے پورے نہ ہو سکے کیونکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی تند مزاجی اور کرنل حسن خان کی خود داری کے علاوہ مختلف اداروں کی ریشہ دوانیوں کی بدولت بابائے قوم کا یہ سیاسی سفر کامیاب نہیں ہوا کرنل حسن خان ایک با اصول خود دار اور نڈر انسان تھے اسلام آباد میں پارٹی اجلاس کے

دوران دونوں قائدین کے درمیان تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا اور اس سیاسی جھڑپ کے بعد حالات یکسر بدل گئے۔ بقول آپ کے اسلام آباد میں پارٹی میٹنگ کے دوران ذوالفقار علی بھٹو نے کرنل حسن خان سے مخاطب ہو کر کہا تھا آپ نے پنڈی سازش کیس کی تیاری کی تھی اس پر آپ نے ترکی بترکی جواب میں کہا تھا ہاں میں نے کشمیر کی آزادی کی سازش کی تھی مگر مشرقی پاکستان گنوانے کی سازش نہیں کی تھی۔ لفٹننٹ کرنل غلام حیدر خان اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ کشمیر فورس کے اندر مہاراجہ کشمیر ہری سنگ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر اکسانے والا میجر حسن خان تھے آج بابائے قوم کرنل حسن خان رانا ہم میں موجود نہیں ہے مگر ان کی خدمات اور قربانیوں کا صلہ اسلام گلگت اور پاکستان کے نام پر موجود ہے اور آزاد وطن کا یہ حسین تحفہ پاکستان کے توسط سے دنیا کے نقشے پر اپنے عظیم تاریخی روایات کے ساتھ صفحہ ہستی پر زندہ و تابندہ رہے گا گلگت کی تاریخ میں جب بھی آزادی فکر اور حریت ضمیر کی بات چلیگی تو قوم آپ کے اصولوں کو یاد رکھے گی۔

جب بابائے گلگت کا جسد خاکی اسلام آباد سے گلگت میں ان کے بنگلے پر لایا گیا تو راقم اور شیخ غلا حیدر نجفی نے اس عظیم قائد کا خصوصی دیدار کیا آپ کے بارعب چہرے پر ایک خاص طمانیت کے علاوہ ایک معصوم مسکراہٹ نظر آ رہی تھی جیسے ابھی آنکھ لگی ہے آزادی وطن کا یہ عظیم سپوت 19 نومبر 1983ء میں ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئے اور اپنے جنگ آزادی کے شہیدوں کی یادگار چنار باغ گلگت کے قومی یادگار میں پیوند خاک ہوئے اور رہتی دنیا تک آزادی پسند لوگ ہر دور میں اور

ہر سال یکم نومبر کو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سلامیاں دیتے رہینگے۔

قائد تیری قیادت پیہم کا شکریہ　　اے جذبہ حسن تجھے سب یاد رکھیں گے

فخر گلگت راجہ محمد بابر خان کیانی

25 دسمبر 1916 کی اس کہانی اور باعظمت صبح کو ریاست نگر کے مشہور زمانہ راجہ میر سکندر خان مغلوٹ کیانی کے گرمائی محل نگر خاص میں ایک خوشبخت بچے نے جنم لیا اور اس خوش نصیب شہزادے کا نام محمد بابر خان رکھا گیا اگر چہ میر سر سکندر خان مغلوٹ کیانی کے سب شہزادے خوش بخت تھے کیونکہ وہ سب اچھے عہدوں پر فائز رہ کر دنیا سے گزر گئے ہیں مگر شہزادہ محمد بابر خان کیانی نے خطہ شمال اور مسلم ملت کو تاریخ گلگت میں ایک نیا مقام اور نام دلایا ہے۔

کیونکہ اس مخلص شہزادے نے ایک انوکھا انقلاب بپا کرنے کی خاطر اس ملت مظلوم کو ایک نئے انقلابی فکر کی طرف متوجہ کیا اور مقامی طور پر اپنے وطن دوست اور مخلص ساتھیوں کے ساتھ ملکران کی قیادت اور رہبری کیا تخت گلگت کی قدیم تاریخ میں راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی اور راجہ محمد خان ثانی طرہ خان کیانی نے گلگت کو اس کے اندرونی دشمنوں سے بچانے کی خاطر کشمیر کے مہاراجوں سے مدد مانگی تھی اس طرح اس بیرونی مدد کی وجہ سے بیرونی حکومتوں کے اثرات غالب آگئے تھے لیکن مغلوٹ کیانی خاندان کے اس شہزادے نے اسلام اور سرزمین وطن کی حفاظت کی خاطر ڈوگرہ حکمران کی غلامی کا جوا اتار پھینکا آپ مہاراجہ کشمیر اور تاج برطانیہ کا نمائندہ

پولیٹیکل ایجنٹ کی طرف سے قائم عسکری تنظیم میں بحیثیت نائب صوبیدار بھرتی ہوئے تھے کیونکہ اس دور میں ریاستی شہزادوں کو اس عسکری تنظیم میں بطور نائب صوبیدار بھرتی کرتے تھے ۔اس طرح راجہ محمد بابر خان کیانی نائب صوبیداری سے ترقی کر کے صوبیدار میجر بن گئے تھے بحیثیت ایک ریاستی شہزادہ مہارجہ کشمیر کی حکومت سے خاصی ہمدردی تھی مگر انگریز پولیٹکل ایجنٹ کی عملداری کو پسند نہیں کرتے تھے۔

آپ کا چھوٹا بھائی راجہ کریم خان کیانی کشمیر پولیس میں انسپکٹر تھے ان کے توسط سے آپ کو یہ خاص خبر مل گئی تھی کہ مہارجہ کشمیر ہری سنگھ گلگت کی واحد عسکری تنظیم گلگت سکاؤٹس کو ختم کرنے والے ہیں اور ریاست جموں وکشمیر کا ہندوستان سے الحاق ہونے والا ہے اس خاص خبر کے بعد صوبیدار میجر راجہ محمد بابر خان کیانی نے ڈوگرہ استبدار اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر انقلاب آزادی کا منصوبہ شروع کیا چونکہ موصوف کا گلگت کے عوام پر ریاست نگر کی شہزادگی اور عسکری تنظیم گلگت سکاؤٹس کے سینئر آفیسر کی حیثیت سے عوام وخواص پر خاص اثر رسوخ تھا اور لوگ آپ کا احترام کرتے تھے آپ نہایت کم گو اور متین انسان تھے مگر آپ کے اندر ایک انقلابی فکر موجود تھی اسیطرح آپ کے اندر اسلام کا جذبہ اور سرزمین وطن کو ڈوگرہ استبداد سے آزاد کرانے کا ایک خاص جذبہ موجزن تھا۔

اس لئے آپ کے اندر کی رگ انقلاب پھڑک اٹھی اور پس پردہ اپنے محبّ اسلام اور وطن دوست جونیئر آفیسروں جناب صفی اللہ بیگ جناب فدا علی ، جناب

راجہ شاہ خان، جناب راجہ شاہ سلطان، اور جناب شیر علی خان کے ساتھ مشورہ کر کے ڈوگرہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا مکمل منصوبہ بندی تیار کر لیا تھا اور سیول آبادی کو اس انقلابی تحریک میں ہمنوا بنانے کی خاطر سرفروشان گلگت کے نام سے ایک سیول تنظیم کی بنیاد رکھا اس سول تنظیم کے ساتھ کانگریس نواز ایک ٹولہ کے علاوہ سب مسلمانوں نے بھرپور تعاون کیا جب مہاراجہ کشمیر کی طرف سے انکا فوجی گورنر بریگیڈیر گھنسارا سنگھ جموال نے گلگت آکر چارج سنبھالا اور اس کے ساتھ ہی پس پردہ پکنے والا اس لاوے کے اثرات کو محسوس کر کے اس نے عوام میں تحریص وتخویف کا سلسلہ شروع کیا اور اس دوران 27 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگ نے یک طرفہ طور پر ریاست جموں وکشمیر کا ہندوستان سے الحاق کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی وقت کی نزاکت اور موقع محل کے مطابق صوبیدار میجر راجہ محمد بابر خان کیانی نے اپنے طۓ شدہ منصوبے کے تحت یکم نومبر 1947ء کو انقلاب آزادی گلگت و بلتستان کا آغاز کر دیا اور گلگت کا فوجی گورنر بریگیڈیر گھسارا سنگ ڈوگرہ کو گرفتار کرایا اور ایجنسی ہاؤس گلگت سے مہاراجہ ہری سنگ کا نشان کا پرچم اتار دیا گیا اور اسیطرح 3 نومبر 1947ء کو کرنل حسن خان رانا کرنل احسان علی خان، وزیر اور کمان کونسل کے ممبران نے باہمی مشاورت سے راجہ شاہ ایس خان کیانی کو جمہوریہ گلگت کا عبوری صدر نامزد کیا اور اس کے بعد کمان کونسل کی طرف سے نوزائدہ مملکت پاکستان سے مدد مانگی گئی اور اس طرح 17 دن کے بعد حکومت پاکستان کی

طرف سے ایک سول اور فوجی نمائندہ گلگت آیا اور انقلابی کمان کونسل کی مشاورت سے اس آزادی کی تحریک کو آگے بڑھانے کی خاطر دو مجاہد کالم ترتیب دیئے گئے اور اس کالم میں راجہ محمد بابر خان کیانی سیکنڈ کمانڈر تھے اس طرح آپ نے علاقہ بلتستان میں درہ ذوجیلہ سے لہتر نک کے محاذ جنگ میں ڈوگرہ افواج کو بری طرح شکست دیکر انکا قلع قمع کر دیا تھا کیپٹن راجہ محمد بابر خان مغلوٹ کیانی کے وجیح چہرے پر متانت اور بلا کا رعب تھا۔آپ کی عقابی آنکھوں میں جذبات کا ایک طوفان تھا۔آپ کم گو انسان تھے مگر آپ کی اس کم گوئی میں ایک انقلابی طوفان پوشیدہ تھا آپ بحیثیت کیپٹن گلگت سکاوٹس سے سبکدوش ہوئے اور محکمہ پولیس میں ملازمت کر لی اور اسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس کی حیثیت سے سرزمین وطن کی خدمت انجام دیا آپ کو فخر گلگت کا خطاب ملا تھا اور حکومت پاکستان کی طرف سے آپ کو ستارہ قائداعظم کا اعزاز بھی ملا تھا جنگ آزادی گلگت بلتستان کا یہ عظیم ہیرو 23 اکتوبر 1973ء میں اپنے خالق حقیقی سے ملے اور انقلاب آزادی گلگت کے شہدا کی قومی یادگار چنار باغ گلگت میں ہمیشہ کے لئے آسودہ خاک ہوئے اور آزادی پسند لوگ قیامت تک آپ کی قربانیوں کو یاد رکھیں گے اور ہر سال یوم آزادی کے موقعہ پر سلامیاں دیتے رہیں گے۔

آزادی وطن کے لئے تیری ہر ادا　اس قوم کے ماتھے پہ جومر سجا گئی

فخر کشمیر کرنل احسا ن علی خان وزیر

کرنل احسان علی خان وزیر ریاست نگر کے مشہور وزیر خدا امان کے ہاں 14 اگست 1914ء میں پیدا ہوئے آپ علاقہ گلگت کا پہلا اسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اور مشہور دانشمند وزیر ولایت علی خان کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ کی والدہ سید زادی تھی ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو اعلیٰ تعلیم کی خاطر سرینگر کشمیر بھیج دیا گیا اس طرح دوران حصول تعلیم آپ نے 1932ء میں ریاست جموں کشمیر کی ریاستی فوج میں بطور سیکنڈ لفٹنٹ کمیشن حاصل کیا اسیطرح آپ پورے گلگت کا پہلا کمیشن آفیسر تھے آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور بے لوث خدمات کی بدولت جنگ آزادی گلگت بلتستان میں ایک قابل ذکر اور نمایاں مقام حاصل کرلیا۔

اسیطرح احسان علی خان وزیر نے دوسری عالمی جنگ عظیم میں 45۔1939ء تک کے دوران ریاست کی فوج کی طرف سے مشرق وسطی اور افریقہ کے جنگی محاذوں پر اپنی خداداد صلاحیت کے جوہر دکھائے تھے اور جنگ عظیم دوم کے بعد کشمیر واپس آکر ریاست جموں وکشمیر کے حکومتی اداروں میں مختلف ذمہ داریاں سنبھالا اس دوران مہاراجہ ہری سنگ کے خاص لوگوں کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ گلگت سکاؤٹس کی عسکری تنظیم ختم کی جارہی ہے اور کشمیر کا بھارت سے الحاق ہونے کا امکان بھی ہے ان دونو اہم واقعات کے پس پردہ عوامل کے مضمرات پر غور کرنے کے

بعد احسان علی خان وزیر نے اس اہم خبر کو راجہ کریم خان مغلوٹ کیانی کو بتادیا تا کہ وہ اس خبر کو اپنے بھائی راجہ محمد بابر خان کیانی کو بتادے راجہ کریم خان کیانی ان دنو کشمیر پولیس میں انسپکٹر تھا۔

اس طرح یہ چونکا دینے والی خبر احسان علی خان وزیر کے ذریعہ گلگت سکاوٹس کے اہم کمانڈر راجہ محمد بابر خان کیانی تک پہنچ گئی اس خاص خبر کے بعد فخر گلگت راجہ محمد بابر خان نے متوقع حالات سے نبرد آزما ہونے کی خاطر ایک خاص حکمت عملی کا مصوبہ بندی شروع کیا تھی اس طرح احسان علی خان وزیر کی دور اندیشی وطن دوستی اور خلوص کا پتہ چلتا ہے اور آپ اپنی قابلیت اور حکمت عملی کی وجہ سے مہاراجہ کشمیر کی طرف سے گلگت کی گونری کا متوقع امیدوار تھے مگر راجہ گان گلگت کی طرف سے پس پردہ مخالفت کی وجہ سے یہ بیل منڈے نہیں چڑھا اس کی جگہ فوجی گورنر بر گیڈیر گھنسارا سنگ جموال ڈوگرہ گلگت کا گونر بن کر آیا ان پس پردہ حالات کی تناظر میں احسان علی خان وزیر نے خود اپنے آپ کو گلگت تبادلہ کرانے کا فیصلہ کیا اور اپنی ذاتی کوشش سے آپ کا تبادلہ بحثییت سیکنڈ کمانڈر فوجی چھاونی بونجی گلگت ہوا۔

اس طرح لفٹنٹ کرنل احسان علی خان وزیر 30 اکتوبر 1947ء میں بونجی چھاونی پہنچ گئے اور جلد چارج لیکر اپنے گھر والوں کے ساتھ گلگت کی طرف روانہ ہوا ادھر گلگت میں یکم نومبر 1947ء کو ڈوگرہ حکومت کے خلاف جنگ آزادی کا آغاز ہوا تھا۔ گلگت کا فوجی گورنر بر گیڈیر گھنسارا سنگ جموال ڈوگرہ گرفتار ہوا تھا 2 نومبر کو

لفٹننٹ کرنل احسان علی خان وزیر بونجی سے گلگت پہنچ گئے اور اس طرح آپ راجہ محمد بابر خان کیانی اور کرنل حسن خان رانا کے ساتھ ملکر جنگ آزادی گلگت کے تیسرے اہم ستون قرار پائے اور انقلابی کمان کونسل کے اہم رکن بن گئے چنانچہ جمہوریہ گلگت کے کمان کونسل کی طرف سے حکومت پاکستان کو مدد کرنے کی درخواست کی گئی اور 17 دن بعد حکومت پاکستان کی طرف سے سول اور فوجی نمایندے گلگت پہنچ گئے۔

اس کے بعد اس جنگ آزادی کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کی خاطر خاص منصوبہ بندی کے تحت دو لڑاکا جنگی کالم ترتیب دیئے گئے بلتستان کی طرف جانے والے کالم کے کمانڈر کرنل احسان علی خان تھے چونکہ بلتستان کی طرف جانے والے کالم میں کل 250 مجاہد تھے ان میں 100 مجاہد جوان پنجاب کے تھے ان مجاہدین کے پاس صرف پوچ ایونیشن تھا مگر بلتستان کے اسلام دوست راجوں اور وطن پرست عوام نے اس جنگ آزادی میں بھرپور جانی اور مالی تعاون کا بھرپور مظاہرہ کیا اس طرح بلتستان کے غیور عوام کا یہ خالص تعاون تاریخ آزادی گلگت و بلتستان کے باب میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور بلتستان کے اس خاص اہم محاذ پر کرنل احسان علی خان وزیر کی قائدانہ صلاحیت اور مربوط جنگی حکمت عملی اور مجاہدین آزادی وطن کا جذبہ جہاد اور بلتستان کے غیور عوام کا جذبہ اسلام نے بلتستان کے محاذ سے سکھ کمانڈر کرنل فقیر سنگ اور اس کی مسلح افواج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور آپ شاندار فتوحات کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

لیکن اس دوران بلتستان کے محاذ جنگ میں ہی کرنل بعد میں جنرل کیانی نے آپ سے چارج لیا مگر چارج دینے کے بعد بھی سکردو کا مشہور قلعہ کھرپوچو کے معرکہ کو سر کرنے میں آپ نے مجاہد جوانوں کی راہنمائی اور ان سے ہم کاری کی اسطرح آپ کی قائدانہ صلاحیت اور شجاعت و بہادری اور بے لوث خدمت کے اعتراف میں قوم کی طرف سے فخر کشمیر کے خطاب کے علاوہ حکومت پاکستان کی طرف سے ستارہ جرأت کا فوجی اعزاز بھی دیا گیا ہے فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کرنل احسان علی خان وزیر نے اپنی باقی ماندہ پر زندگی شمالی علاقہ جات کی منافقانہ سیاست سے دور رہ کر گزار دیا اور 24 مئی 1996ء میں بمطابق 4 محرم الحرام ۱۴۱۷ھ کو بروز جمعۃ المبارک سکردو بلتستان میں اپنے خالق حقیقی سے ملحق ہوئے اور سکردو خاص کی سرزمین قتلگاہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی اور یادگار شہداء جنگ آزادی چنار باغ گلگت میں آپ کی یاد میں خصوصی تختی نصب کی گئی ہے اس طرح آزادی پسند لوگ ابد تک سلامیاں دیتے رہیں گے۔

احسان کیا تو نے علاقے کو بچا کر
احسان ترا احسان ہے تاریخ وطن پر

اس طرح ان مخلص اور وطن دوست قائدین نے بیرونی ایجنٹوں کو شکست دیا اور ہمیشہ کے لئے اس خطہ خاص کو اسلام اور پاکستان کے نام پر منسوب کیا مگر پس پردہ سازشی عناصر نے اپنے مفاد کی خاطر اس مقدس انقلاب کو سبوتاژ کیا اور اس کے

ساتھ ہی اس سرزمین کو ایک اور پاکستانی پولیٹیکل ایجنٹ سردار محمد عالم خان کی ایجنسی میں دیا اور اس خطہ کے عوام کو فقط ناموں کی ہیرا پھیری اور تبدیلی کے ساتھ اب تک ان اندرونی ایجنٹوں کے ہاتھوں یرغمالی بنائے رکھا ہے اس لئے مملکت خدا داد پاکستان سے محبت اور دین اسلام سے عقیدت رکھنے والے لوگوں کا ملی اخلاقی اور شرعی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اس خطہ بے آئین کی مسلم ملت کو موجودہ طرز حکمرانی سے نجات دلانے کی کوشش کرے تا کہ پاکستان کے دستوری کتاب میں اس خاص اور اہم علاقے کا نام بھی درج ہو۔ اور یہ لوگ کھل کر اپنے پاکستانی ہونے پر فخر کر سکے۔

چونکہ گلگت کی تاریخ اور جغرافیہ کے تناظر میں اس سرزمین کی خاص اہمیت ہے اور اس کی اہمیت کو نظر انداز نہ کی جائے ورنہ ایک اور خونی انقلاب کی راہ ہموار ہوگی زمانے کی سرعت رفتار اور گلوبلائزیشن نے حالات کا رخ موڑ دیا ہے کیونکہ اس علاقے کی سرحدیں سپر پاور کمونسٹ ملک چین اور پر طاقت روس اور منی سپر پاور ہندوستان اور افغانستان سے ملحق ہیں ماضی میں یہ خطہ ایک پر امن گوشہ تھا مگر اب ایسا نہیں رہا ایک انگریز تجزیہ نگار نے اپنی کتاب tharty years in kashmin میں لکھا ہے کہ یہ خطہ دنیا کا پر امن ترین اور خوبصورت گوشہ ہے مگر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ یہ علاقہ دنیا کا خطرناک ترین گوشہ ہوگا۔

یہ علاقہ اپنے جغرافیائی محل وقوع اور اس کے بلند و بالا اور خشک پہاڑوں میں چھپئے ہوئے معدنی ذخائر کی بدولت دنیا کی دوربین نگاہوں میں خاص اہمیت رکھتا

ہے اس لئے قدیم وجدید ادوار کے تناظر میں دیکھا جائے تو مختلف ادوار میں اس خطہ شمال پر تسلط کی خاطر سازشیں ہوتیں رہی ہیں اور آج کے اس جدید دور میں بھی ایک متنازعہ علاقہ جموں وکشمیر کی خاطر اس آزاد شدہ خطہ اور اس کے مخلص عوام کو بنیادی حقوق سے محروم رکھنا عدل وانصاف کے عالمی اصولوں کے خلاف ہے چونکہ جو علاقہ اور معاشرہ انصاف سے محروم ہوتا ہے وہاں کے عوام کے دلوں میں مشکوک وشبہات جنم لیتے ہیں اور ان شبہات کی بدولت وہاں کے عوام کے ذہنوں میں اختلاف اور تفرت کی رہ ہموار ہو جاتی ہے۔اور اسیطرح مداخلت بیجا کے مذموم دروازے کھل جاتے ہیں۔

﴿فصل چهارم﴾

شیعوں کے مذہبی تبلیغات

حضرت سید شاہ افضل ولی رحمۃ اللہ علیہ نے 725 عیسوی میں سرزمین گلگت میں وارد ہو کر دین اسلام اور مکتب اہلبیت علیہم السلام کی ترویج کیا ہے پھر 1525 عیسوی میں حضرت شاہ بریا ولی رحمۃ اللہ علیہ نے گلگت اور اس کے ایالات میں دین اسلام اور مکتب اہل بیتؑ کی تبلیغ وترویج کیا پھر اس طرح حضرت سید سلطان علی شاہ حسینی عارف جلالیؒ نے تقریباً 1689 عیسوی کے دوران سرزمین گلگت آکر دین اسلام اور مکتب اہل بیتؑ کو رواج دیا اور آپ کے بعد حضرت سید شاہ ولی

تقویؒ نے 1802 عیسوی میں علاقہ نجوت نگر اور ہنزہ تشریف لا کر مکتب اہل بیتؑ کو آگے بڑھایا پھر 1905 کے دوران حضرت سید سلام شاہ المعروف پنجابی سید نے اس علاقے میں آ کر مکتب اہل بیتؑ کی تبلیغ کی اس طرح بیسوی صدی تک مختلف علماء نے اس مکتب کی ترویج کی ہیں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سید سلام شاہ المعروف پنجابی سیدؒ

اس بزرگوار کے بارے میں دینور گلگت کے بڑے بوڑھے حضرات خاص اہم واقعات نقل کرتے ہیں آپ نے شنگوٹ محلہ دینور میں ایک سیدانی سکینہ بی بی سے شادی کی تھی اس سیدانی کو راقم بھی جانتا ہے ہم اس سیدانی کو (سکینہ زی زی) کہتے تھے وہ ہمارے پڑوس میں رہتی تھی اور ایک سو دس (110) سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا تھا بی بی سکینہ کے بطن سے سید سلام شاہ المعروف پنجابی سید کی ایک لڑکی بھی تھی اور اس کے ہم عمر دو افراد دم تحریر دینور میں بقید حیات ہیں اور اس لڑکی کی شادی علاقہ ہیراموش میں ہوئیں مگر وہ بے اولاد انتقال کرگئی اس دوران گلگت میں مہاراجہ کشمیر کی حکومت تھی لیکن انکے ہمراہ تاج برطانیہ کا یک نمائندہ پولیٹکل ایجنٹ کے نام سے ہوتا تھا اس طرح مہاراجہ کشمیر کا نمایندہ وزیر وزارت کے نام سے اس خطے پر حاکم تھا۔ سابقہ پولیٹکل ایجنٹ میجر روس دوسری بار تاج برطانیہ کا نمائندہ بن کر گلگت آیا تھا۔

اس دور میں مہاراجہ کشمیر کی طرف سے دیوان لکھپت رائے وزیر وزارت تھا یہ
زمانہ بکری حساب سے 1964ء اور سنہ عیسوی 1905 بنتا ہے اور 1908 تک یہ
سلسلہ رہا ہے اس دور کا وزیر وزارت دیوان لکھپت رائے اور پولٹیکل ایجنٹ میجر
بروس آقائے سید سلام شاہ المعروف پنجابی سیدؒ کی تبلیغات سے ناخوش تھے اور اس
خاص ناپسندیدگی کی وجہ سے ان کے خلاف سازش کر کے گلگت سے بدر کرنے کا حکم
ہوا تھا اور اس پس پردہ سازش میں محلہ شروٹ دینور سے مختار نامی ایک شخص کو
انتظامیہ نے ہمنوا بنا کر آقائے سید سلام شاہؒ کی دینی خدمات کو فرقہ واریت کا رنگ
دیکر اس کے خلاف درخواست دلا دی گئی تھی اور یہ **ایک خاص حقیقت** ہے کہ آپ
کے خلاف تادیبی کاروائی کے بعد ہی **دیوان لکھپت** رائے اور پولیٹکل ایجنٹ میجر
بروس دونو ہلاک ہوئے تھے اور اس سازش **میں شریک** مختار نامی شخص لاولد مرا اور اس
کی ساری جائیداد اور اس کے دور کے رشتہ **داروں** نے زوار محمد اسحاق المشھو رزوار
سوکو کے ہاتھ فروخت کیا اس سلسلے میں اپنے دور کے مشہور عرایض نویس منشی ولی محمد
مرحوم نے خود اپنی زبان سے راقم کو بتایا کہ اس مختار نے سید سلام شاہؒ کے خلاف
درخواست مجھ سے لکھوائی تھی اور درخواست لکھتے ہوئے میرے ہاتھ ہلنے لگے اور وہ
اثر آخری عمر تک باقی رہا اس طرح جن لوگوں نے حکومت کے اشارے پر اس
بزرگوار سید کے خلاف سازش کیا یا اس سازش میں شریک رہے انکا انجام بخیر نہیں ہوا
ہے محلہ اپھری دینور کا مشہور نمبردار مراد کا بیٹا محمد رضا بھی اس سازش میں شریک تھا وہ

بھی لاولد فوت ہوا اس کی بیوہ مسماۃ نجات میری نوجوانی کے ابتدائی دور میں فوت ہوئی تھی اس کی زبانی بھی اس بات کی تصدیق سنا تھا اس طرح جب وزیر وزارت لکھپت رائے کی طرف سے آقائے سید سلام شاہؒ کی گلگت بدری کے احکامات جاری ہوئے تو اسی مختار اور محمد رضا وغیرہ نے آپ کو زبردستی دینور سے نکالا۔

اور دینور سے نکلتے ہوئے جناب سید سلام شاہ المعروف پنجابی سیدؒ نے اپنی بیوی سیدانی سکینہ کو طلاق دیا اور حق مہر میں بالوں کا قالین ایک شرمہ دیدیا اور جاتے وقت اپنی بچی کو خدا حافظ کہا بحکم سرکار سید موصوف کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اس دور میں دینور کی آخری حدبندی داس مروڑے اور اس جگہ اب چاندنی چوک کہتے ہیں موصوف کو لیکر گئے آپ کے ساتھ وہاں تک دینور کے کچھ مومن اور ہمدرد افراد بھی حافظ کہنے گئے اور حکومت کے اس اقدام پر افسوس کیا اور بددعا نہ کرنے کی درخواست کی آقائے سید سلام شاہؒ نے خدا حافظ کہنے والے لوگوں سے کہا آپ لوگ مجھے مجبور نہ سمجھنا خدا کے فضل وکرم سے میں مجبور نہیں ہوں۔اس طرح آقائے موصوف نے ہتھکڑیوں سے بندے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھایا تو زنجیریں خود بخود کھل گئیں اور چشم دید لوگوں کی زبانی اس کرامت کی تصدیق سنی۔

مگر آقائے سید سلام شاہؒ نے فرمایا دینور والو! تم نے مجھے تحفظ نہ دیا جن لوگوں نے میرے خلاف سازش کیا ہے وہ جلد اپنی منطقی انجام تک پہنچ جائیں گے البتہ تم پر غیر غالب ہوں اور باہر سے غیر لوگ آباد ہوں میری تحقیق کے مطابق سید موصوف کی

دعا ابھی تک سو فیصد درست ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس وقت دینور میں قدیم مقامی باشندے آٹے میں نمک کے برابر رہ گئے ہیں اس وقت خاص دینور اور نئی آبادی محمد آباد دینور میں باہر سے آئے ہوئے مختلف افراد اور علاقائی لوگ آباد ہوئے ہیں اور مزید خانوادوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے چونکہ اللہ کے پسندیدہ بندوں کی دعا میں اثر ہوتا ہے اس لئے خداوند عالم بطور کرشمہ قدرت ان خاص بندوں کی کرامات کو زندہ رکھتا ہے اس لئے ہر مظلوم کی دعا سے ڈرنا چاہئے میری ذاتی تحقیق اور مشاہدے کے مطابق لاہور صوبہ پنجاب میں مشہور تاریخی گیٹ یکی دروازے کے سامنے دورویہ سٹرک کے درمیان ایک عام اور کچی دیوار کا کمرہ ہے اور اس کمرے کے دروازے پر لکھی عبارت یوں ہے مقبرہ سید سلام شاہؒ اس طرح قرین قیاس بلکہ یقین ہے کہ یہ مقبرہ آقائے سید سلام شاہؒ المعروف پنجابی سید کا ہے کیونکہ دینور گلگت سے واپسی کے بعد آقائے موصوف کا لاہور میں انتقال ہوا ہوگا۔

سید ابو القاسم المعروف آغا مجتہدؒ

حضرت سید ابوالقاسم خونساری رحمتہ اللہ علیہ ایران کا شہر خونسار میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے آپ خونساری کی نسبت سے معروف ہیں آپ نے اپنی دینی تعلیم نجف اشرف میں مکمل کیا آپ اپنے دور کے مشہور علما اور فضلا میں شمار ہوتے تھے اور علم ریاضی کے مشہور اساتذہ میں آپکا نام آتا ہے اور عالمی ریکارڈ بک میں آپکا نام مشہور

ریاضی دان کے طور پر لکھا ہوا ہے آپ علوم متداولہ میں ماہر ہونے کے ساتھ صاحب رائے بھی تھے آپ مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائی رحمتہ اللہ علیہ کے استاد تھے اور اسیطرح آپ علم وعرفان اور سلوک میں عارف باللہ ولی بھی تھے میر شاہ سکندر خان مغلوٹ کیانی والی ریاست نگر گلگت نے اپنے دور حکومت میں حوزہ علمیہ نجف اشرف عراق کے فقیہ دوران اور مرجع شعیان جہاں حضرت سید ابوالحسن اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ سے بذریعہ خط درخواست کی تھی کہ ریاست نگر میں تبلیغ دین کے لئے کسی بزرگ عالم دین کی خاص ضرورت ہے آپ کی اس درخواست پر قرعہ فال آقائے ابوالقاسم خونساری کے نام پر نکلا اور آیۃ اللہ العظمی آقائے ابوالحسن اصفہانیؒ نے میر شاہ سکندر خان والی ریاست نگر کو لکھا تھا کہ تمہاری ریاست کی طرف سید ابوالقاسم خونساری نہیں بلکہ میں خود آرہا ہوں اور مرجع شیعیان جہاں کی طرف سے یہ تعریفی کلمات آقائے ابوالقاسم خونساری کی تبحر علمی اور عظمت کی دلیل ہے دین اسلام کی تبلیغ اور مکتب اہلبیت کی ترویج کی خاطر دنیاوی سہولتوں کے علاوہ مرکز علم وعمل نجف اشرف سے بہت دور گھربار کی جدائی اور سفری تکالیف برداشت کر کے آپ گلگت سے ہو کر نگر چلے گئے۔ آپ 1937ء کے دوران وارد شمالی علاقہ جات ہوئے ہیں۔ سرزمین گلگت سے ریاست نگر تک اشپری اور دوبن کے ساتھ درود وسلام کے خصوصی اہتمام کے ذریعے آپ کا فقید المثال استقبال ہوا ریاست نگر میں میر شاہ سکندر خان کی زندگی تک آپ کو کافی سہولتیں میسر تھیں آپ کی تعلیم وتبلیغ سے علماء اور ذاکرین کی

ایک بڑی تعداد پیدا ہوئی اور اکثر آپ کے شاگرد حوزہ علمیہ نجف اشرف بھی گئے اور علم عام ہوا میر شاہ سکندر والی ریاست کی وفات کے بعد آپ کی زندگی تنگدستی میں بسر ہوئی۔ آپ کی اولاد اور شریک حیات حالات کا مقابلہ نہ کر سکے اور ایران کی طرف واپس چلے گئے اس طرح کچھ مدت بعد آپ نے ریاست نگر سے گلگت کی طرف ہجرت کیا اور گلگت میں مشہور مومن اور عالم دوست انسان جناب حبیب مظاہر کے پاس رہائش پذیر رہے اور زندگی کی آخری سانسوں تک وہی رہے اور اسی نسبت سے تقی ہٹ کو آج آغا محلّہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے راقم نے اپنے بچپنے کے دور میں برادرم مولانا سلطان محمود صاحب کے ہمراہ آپ کے دولت کدے پر ملاقات کی تھی آقائے موصوف نے اس موقعہ پر اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر ہمیں پلایا اس ملاقات کے موقعہ پر علامہ سلطان محمود صاحب نے سوال کیا کہ آپ نے ریاست نگر چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ آپ نے نہایت دل تنگی کے ساتھ فرمایا اب نگر میں میرے علم سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں اور عام تبلیغ کے لئے ذاکر اور روضہ خوان موجود ہیں اس کے ساتھ فرمایا کہ ازخوان والی نگر شوکت علی خان ہر روز سو نچل میا آرند سو نچل ایک عام سی سبزی ہے گلگت آکر آغا موصوف نے تقی محلّہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں کی مسجد میں جماعت شروع کرائی اور مرکزی جامع مسجد امامیہ میں جمعہ بھی پڑھایا کرتے تھے۔

لیکن گلگت شہر کے اندر بھی آپ کو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر آپ نے

صبر واستقامت کا بھرپور مظاہرہ کیا آپ نہایت معتدل مزاج اور صابر تھے اس لئے
ان خاص پریشانیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا آپ کے تبلیغی مشن میں
وحدت کلمہ کا حکم اولین درجہ رکھتا تھا اس لئے آپ اپنی گفتگو میں اتحاد و یگانگت پر زور
دیتے تھے اس لئے تفرقہ بازی اور مناظرانہ گفتگو سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے
اور خصوصا محرام الحرام کے ایام عزا اور مجالس ذکر میں رواداری اور بھائی چارہ کی فضا
کو فروغ دینے کی طرف زور دیتے تھے کیونکہ تبلیغ اسلام اور ذکر اہل بیتؑ کے فروغ
کے لئے ذکر امام حسینؑ ایک خاص موثر ذریعہ ہے اس لئے آپ ان تبلیغاتی مجالس
میں بناوٹ اور مناظرانہ خطابت سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ فلسفہ
شہادت کو بلا تفریق مکتب سب لوگ سنے اور سمجھے مگر آقائے سید ابوالقاسم خونساری کی
عارفانہ حکیمانہ اور عادلانہ نصیحتوں کو صرف نظر کیا گیا جس کی وجہ سے مجالس ذکر
شہادت امام حسینؑ کا عالمی تبلیغی مشن صرف محرم کا جلوس اور نئے عزا خانوں کی تعمیر تک
محدود ہوتا جارہا ہے۔

آقائے موصوف کی ان حکیمانہ باتوں کو خود پسند اور خود غرض لوگوں نے
نظر انداز کیا اور ان کے خلاف پروپیکنڈہ بھی کرایا گیا بلکہ گلگت کے علماء و ذاکرین اور
روضہ خوان خطیبوں نے گلگت کے محلے آپس میں تقسیم کر کے ملا گیری کی خاطر آپ کی
خوب دل شکنی کیا اور اس طرح آپ کو تنہا کر دیا تھا مگر جو اللہ کے دین کی خاطر جہاد
کرتا ہے خدا اس کو اپنے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے اس لئے آپ گلگت کے

علماء کی اس روش سے دلبر داشتہ نہیں ہوئے اور اپنے تبلیغی مشن میں برابر مشغول رہے اور نہایت حکیمانہ انداز میں اپنی شرعی ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دیا آپ نے اپنی پرثمر زندگی کے حالات اور علمی موتی جمع کئے تھے۔ان جواہر پاروں کو کتابی شکل میں طبع کرانا چاہتے تھے مگر آخری سانسوں تک آپ کو یہ قلق باقی رہا کم فہم عقیدت مندوں اور آپ سے دور اولاد کی بے توجہی کی وجہ سے آپ کا یہ علمی ذخیرہ دست بردھوا۔

آقائے سید ابوالقاسم المعروف آغا مجتہدؒ ایک علمی سمندر تھے اور یہ وسیع ابر گہرا سمندر زمین گلگت کے اس کوزہ پہاڑ میں بندر ہا اور اپنے علم وعمل اور قیمتی علمی جواہر پاروں کے ساتھ 10 جنوری 1961ء میں گلگت میں آپ کا انتقال ہوا اور تقی ہٹ موجودہ آغا محلّہ کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے اب بھی لوگ بڑی عقیدت کے ساتھ آپ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں خصوصا جمعرات اور جمعہ کو رش رہتا ہے اس گوہر نایاب کے انتقال کے بعد اس سرزمین میں دوسرا کوئی پیدا نہیں ہوا ہے اور نہ ایسا امکان ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آغا رسول شاہؒ

جناب آغا سید رسول شاہ کشمیری آپ گلگت کے عوام میں آغا رسول شاہؒ کے نام سے مشہور و معروف تھے منشی محسن علی مرحوم کی کوشش سے آپ بڈگام کشمیر سے تبلیغ دین کی خاطر گلگت تشریف لائے تھے اور نگرل گلگت میں مقیم رہے آپ علم و عمل اور خطابت و تبلیغ کے حوالے سے ایک خاص مقام رکھتے تھے پرانے بزرگ جن کو آپ کی ملاقات کا شرف نصیب ہوا ہے یا ان کی واعظ و نصیحت کو سنا ہے، بتاتے ہیں کہ آپ سنجیدہ اور کم گو انسان تھے مگر فن خطابت میں ایک شعلہ بیان خطیب تھے۔

گلگت کے لوگ بلا تفریق آپ کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور مقامی حکومت بھی آپ کو عالمانہ پروٹوکول دیتی تھی مہاراجہ کشمیر کا نمایندہ وزیر وزارت اور پولیٹکل ایجنٹ جب کبھی کول پائین گلگت سے گزرتے تو وہ آغا رسول شاہ سے ضرور ملکر جاتے تھے اگر ملاقات ممکن نہ ہو تو آپ کے گھر کے قریب آکر اپنی سواری کے گھوڑے سے اتر کر پیدل ہو کر آپ کے گھر سے گزر کر گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے اور گلگت کی مقامی حکومت کی طرف سے ماہوار ۲۲ روپے وظیفہ بھی مقرر تھا آپ اتحاد بین المسلمین کے علمبردار تھے آپ کی اعتدال پسندی کی وجہ سے بلا تفریق مکتب لوگ آپ کی تقریر سننے آتے تھے کیونکہ اس وقت تک وہابیت کی تبلیغ عام نہیں ہوئی تھی اس دور میں آپ کی خدمات قابل تقلید رہی ہیں مگر آپ کی اولاد میں کوئی قابل ذکر فرد پیدا نہیں ہوا ہے آپ کی آخری آرام گاہ نگرل میں موجود ہے۔

شیخ مہربان علیؒ

جناب شیخ مہربان علی نجفیؒ کچٹی محلہ موجودہ مہربان پورہ گلگت میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد آپ باب مدینۃ العلم نجف اشرف عراق چلے گئے اور نجف اشرف سے واپسی کے بعد دین اسلام کی تبلیغ اور مکتب اہل بیتؑ کی ترویج میں مشغول رہے گلگت میں آپ آخوند مہربان کے نام سے مشہور ہیں آپ اپنے دور کے عالم خطیب اور شاعر تھے اور مہربان تخلص کرتے تھے آپ کی شینا زبان کی شاعری مشہور تھی۔

آپ نے حمد، نعت اور مرثیوں کے علاوہ تبرائی شاعری بھی کی تھی مگر آپ کی شاعری کا کوئی مجموعہ موجود نہیں ہے اس لئے آپ کا کلام دستیاب نہیں ہے آپ کو پوتا حسنین اکبر اپنے دادا اور اپنے والد کے کلام کو یکجا کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں آپ کا انداز بیان عالمانہ کے علاوہ مناظرانہ رنگ میں ہوتا تھا اس لئے آپ کی تقاریر سے عام جذباتی لوگ ہی زیادہ محذوذ ہوتے تھے جبکہ سنجیدہ لوگ مناظرانہ طرز بیان کو زیادہ پسند نہیں کرتے کیونکہ تبلیغ اسلام اور ترویج مکتب اہل بیتؑ کے لئے مستند واقعات اور اخلاق حسنہ کے ساتھ مدلل عقلی اور نقلی واقعات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ غیر بھی سن کر سوچنے پر مجبور ہو جائے۔

علاقہ گلگت میں آخوند مہربان علی کی خدامات قابل تعریف ہیں مدرسہ آخوند

مہربان آج بھی مشہور ہے قدیم زمانے میں اس مدرسے سے کسب فیض کر کے لا تعداد لوگوں نے مختلف دیہات میں خدمت دین انجام دیا ہے اور کئی نامور خطیب اور مبلغ پیدا ہوئے تھے اور اب بھی اس ادارے سے بڑے ہوئے لوگ خدمت دین اسلام کر رہے ہیں مگر 20 سال قبل سے اس مدرسے میں کوئی شب باش طالب علم نہیں رہتا ہے آپ کے چھوٹے صاحبزادے آخوندزادہ حسین اکبر مرحوم نے اس مدرسے کا نام مرکز تہذیب الاطفال رکھا تھا اور آج بھی یہ مدرسہ اسی نام سے چل رہا ہے اور چھوٹے بچے اور بچیوں کے لئے درس قرآن کے ساتھ مسائل شرعیہ کا اہتمام ہے اس مشہور خانوادے میں آپ کے بڑے بیٹے شیخ محمد حسن نجفی کا 2005ء میں انتقال ہوا ہے اسی طرح ان کے بعد علم و عمل کا یہ خانوادہ دینی تبلیغ اور خدمت مکتب اہل بیتؑ کے سلسلے میں بھانج ہو رہا ہے کیونکہ دم تحریر اس خاندان کا کوئی فرد حصول علم دین کی جانب راغب نہیں ہوا ہے اور شیخ مہربان علی نجفیؒ جیسا مشہور عالم اور خطیب کا 80 سال کی عمر میں 1957ء میں گلگت میں انتقال ہوا اور محلہ امپھری گلگت کی قبر ستان میں آسودہ خاک ہوئے ہیں۔

سید میر فاضل شاہ نجفیؒ

جناب آقائے سید میر فاضل شاہ نجفیؒ المعروف عادل سید آپ نے گلگت میں آنکھیں کھولیں اور گلگت میں ہی مذہبی تعلیم کا آغاز کیا اور ابتدائی تعلیم کے بعد مزید

حصول علم دین کی خاطر باب مدینۃ العلم نجف اشرف عراق چلے گئے اور حوزہ علمیہ مدینۃ العلم کی چوکھٹ پر حصول علم میں مشغول رہے علم وعمل کے حوالے سے اپنے دور کے علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور زہد وتقوی میں بھی زیادہ شہرت رکھتے تھے آپ نہایت کم گو اور شریف النفس عالم دین تھے آپ منبر سے تقریر نہیں کرتے تھے مگر علم دین عام کرنے کی خاطر درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے تھے یعنی قرآنی قائدے سے لیکر بڑی کتابوں کا درس بھی دیتے تھے آپ نہایت منکسر المزاج تھے درس تدریس کے سلسلے میں گلگت کے اطراف وجوانب سے تشنگان علم دین اس در پہ آکر کسب فیض کرتے تھے اس لئے آپ کے شاگردوں اور مداحوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے اور آج بھی ان کے شاگرد اور مداح آپ کو نہایت ادب واحترام سے یاد کرتے ہیں آپ نے چالیس سال تک مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں امام جماعت کی حیثیت سے فی سبیل اللہ خدمات انجام دیتے آپ ذات گرامی ہمہ جہت محترم تھی آپ کی دعا میں اثر تھا اور آپ کشف وکرامات کے مقام پر فائز تھے آپ کی پر ثمر زندگی کے کچھ واقعات اپنے ذاتی مشاہدات کے حوالے سے راقم نے اپنی کتاب زندگی کی بارات میں مختصر درج کیا ہے اس طرح آپ کی سادہ بلکہ درویشانہ زندگی سب کے لئے مشعل راہ ہے گلگت میں لوگ بلا تفریق مکتب آپ کی عزت اور احترام کرتے تھے علم وعمل کا یہ نمونہ 1992ء میں ہم سے جدا ہوا اور اپھری محلہ کے قبر ستان میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

سید محمد عباس حسینیؒ

جناب الحاج سید محمد عباس حسینیؒ آپ آغا برمس کے نام سے مشہور ومعروف تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حاجی سید اصغر علی شاہ حسینی سے حاصل کیا بقول آپ کے آپ نے صرف دو سال آقائے سید ابوالقاسم خونساری المعروف مجتہدؒ کی خدمت میں زانوے تلمذ طئے کیا مگر آپ کے اندر ایک خدا داد صلاحیت موجود تھی جس کی وجہ سے آپ نے فن خطابت اور فکر ونظر کے حوالے سے بڑی شہرت پائی آپ نے کسب معاش کی خاطر معلمی کا پیشہ اختیار کیا اور پوری ملازمت گورنمنٹ بوائز ہائی سکول نمبر 1 میں گزاری اور کالج آف ایجوکیشن گلگت سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے راقم کو بھی اس کالج میں آپ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

آپ اپنے دور میں اردو، فارسی اور اسلامیات کے نامور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے آپ نے تقریبا نصف صدی تک مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں فی سبیل اللہ تبلیغی خدمات انجام دیئے آپ بڑے دانشمند اور معاملہ فہم انسان تھے فن خطابت میں آپ کا منفرد مقام اور الگ انداز تھا آپ اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے اس لئے اپنی نصف صدی پر محیط تبلیغی زندگی میں کوئی متنازعہ اور غیر ضروری بات منبر سے نہیں کی اور اگر بات کرنے کی نوبت آئی تو خوب کی اس طرح نصف صدی تک پورے گلگت اور اس کے اطراف میں آپ کا طوطی بولتا رہا اپنے پرائے سب

مذہبی سیاسی اور سماجی معاملات میں آپ کی دانشمندی پر بھروسہ کرتے تھے کیونکہ علاقہ کے بزرگ علما اور دانشور آپ کی دانشمندی اور صوابدید پر اعتبار کرتے تھے امن اور بھائی چارہ کے داعی اور مذہبی منافرت سے دور تھے اس لئے بعض انتہا پسند اور جذباتی لوگ آپ کے اس انداز بیان سے ناخوش تھے اور آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ آپ سرکاری سید ہیں۔

آپ نے پوری زندگی محلہ برمس میں ملا گیری کے عنوان سے خدمات انجام دیئے اس کے ساتھ آپ شیعہ قومی مرکز کے روح رواں تھے اور آپ ہی نے قومی مرکز میں باقائدہ اردو زبان میں محافل ومجالس اور عشرہ محرم الحرام کی بنیاد رکھا اور تقریبا چار عشروں تک جامع مسجد امامیہ گلگت اور دیگر مراکز میں اردو زبان مین خطابات کیئے اور اس طرح ان ابتدائی ایام میں جناب خدا امان اور میر امان برادران نے اردو زبان میں مرثیہ خوانی متعارف کرایا اور استاد حاجی محمد یوسف شگری مرحوم نے اردو زبان میں مرثیہ اور سینہ زنی کی بنیاد رکھا آغا برمس اپنی عمر کے آخری چند سال معذور رہے گلگت کے لوگ برسوں آپ کی خطابت اور خدمات کو یاد رکھیں گے اپ کی اولاد میں خدمت دین کے حوالے سے کوئی فرد ایسا نہیں نکلا ہے کہ آپ کی نمائندگی کرے اس طرح اتحاد ویگانگت اور فن خطابت کا یہ درخشندہ ستارہ ستمبر 1996ء میں غروب ہوا اور اپنی پر ثمر یادیں چھوڑ گیا۔

خدا رحمت کند آں عاشقان پاک طینت را

آغا سید ضیاء الدین رضوی شہید

1958ء میں جب راقم اپنی بلوغت کے پہلے روزوں کے بعد اپنے گھر دنیور میں عید الفطر منا کر شوال کے مہینے میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر گلگت شہر میں علم وعمل کے حوالے سے مشہور ومعروف خاندان اور اپنے دور کے ذاکر اہلبیت اور خطیب آقائے سید میر احمد شاہ المعروف آغا امپھری اور آپ کے بھانجے اور داماد ابوزر دوران آغا میر فاضل شاہ نجفی المعروف عادل سید کے گھر امپھری گلگت چلا گیا۔ چونکہ سرزمین گلگت کے آسمان علم وعمل کے اُفق پر یہ دونوں بزرگوار بلا تفریق مکتب ومسلک روشن ستارے تھے۔ اور سب لوگ بلا تفریق ان سے کسب فیض کرتے تھے۔ اس دور میں آغا ضیاء الدین رضوی ایک دودھ پیتا بچہ تھا اور آپ کو میں نے اپنی گود میں کھلایا ہے۔ اور تقریباً تین سال بعد 1960ء میں ان دونوں بزرگوں کی اجازت اور دعاؤں کے ساتھ راقم مزید تعلم دین حاصل کرنے کی خاطر حوزہ علمیہ جامع المنتظر لاہور چلا گیا۔

اور دوران تعلیم راقم جب بھی گلگت آتا اس خاندان کو سلام کرنے کی خاطر ان کی زیارت کے لئے جایا کرتا تھا کیونکہ اس گھرانے کی جانب سے نصیحتوں کے ساتھ دعائیں بھی ملتی تھی۔ اور مجھے بھی آغا احمد علی شاہ اور آغا

علی شاہ جیسی شفقت اور پیار ملتا تھا۔اس طرح ابتدائی دور سے ہی میرا آغا سید ضیاء الدین رضوی سے عقیدت اور قریبی تعلق اور رابطہ رہا یہ ایک حقیقت ہے کہ اس خاندان نے بچپن سے ہی آغا سید ضیاء الدین کی تعلیم وتربیت سیادت وقیادت کے انداز میں کیا تھا پانچ سال کی عمر میں ہی آپ اپنے محلہ امپھری کے ہم عمر بچوں کو شام کی نماز باقائدہ طور پر جماعت کے ساتھ پڑھاتے تھے۔

اسطرح آپ بچپنے سے ہی قیادت اور پیشوائی کے محوگر تھے۔آپ نہایت کم گو اور جلد روٹھنے والے تھے اس لئے بات بات پر آپ کی کم گو طبعیت میں روٹھنے کے سادہ آثار ظاہر ہوتے تھے۔اور اپنی بات منائے بغیر خفگی دور نہیں کرتے تھے۔ جب راقم 1972ء میں گلگت آیا تو آغا سید میر احمد شاہ اور آغا سید میر فاضل شاہ کی پسند پر گلگت شہر میں شادی کی اور گلگت میں ہی مقیم رہا اس دوران آغا سید ضیاء الدین رضوی نے گورنمنٹ بوائز ہائی سکول نمبر 1 گلگت سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور میری پسند پر استاد محترم آغا سید میر فاضل شاہ نجفی نے اپنے اس ہونہار بچے کو حوزہ علمیہ جامع المنتظر لاہور بھیجدیا اگرچہ آپ نے اپنے دینی تعلیم کا آغاز اپنے جد بزرگوار اور والد محترم سے کیا تھا۔ اسطرح لاہور کے دوران قیام علامہ محمد شفیع نجفی اور علامہ موسیٰ بیگ نجفی جیسے ہمدرد اور شفیق

اساتذہ سے تعلق رہا اور ان دونوں بزرگوں نے خصوصیت کے ساتھ ایک امتیازی طالب علم کے طور پر آپ پر توجہ دیا اور محسن ملت علامہ سید صفدر حسین نجفی پرنسپل حوزہ علمیہ جامع المنتظر کی نظر شفقت بھی آپ پر تھی اسطرح آغا سید ضیاء الدین رضوی 1980ء میں ایران چلے گئے اور ایران سے تعطیلات کی خاطر گلگت آئے تو جنرل سکریٹری انجمن امامیہ اور جنرل سکریٹری امامیہ آرگنائزیشن ضلع گلگت کی حیثیت سے راقم نے ایک منظم انداز میں آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ منعقد کرانیکا اہتمام کیا کیونکہ آپ کے والد بزرگوار آغا میر فاضل شاہ نجفی جمعہ نہیں پڑھاتے تھے نماز جمعہ کے علاوہ امامیہ آرگنائزیشن کے تبلیغی پروگراموں کے مطابق پورے ضلع گلگت کے ہر گاؤں تک بغرض تبلیغ آپ کو متعارف کرایا گیا۔

اسطرح آپ نے اپنی فکر ونظر سے انقلاب اسلامی ایران کے ثمرات عوام تک پہنچا دیئے۔ اس دور میں آپ کلمہ وحدت کے داعی اور اتحاد بین المسلمین کے زبردست حامی تھے آپ نے بعد کی تعطیلات کے دوران اتحاد ملت مسلمہ کی خاطر سواد اعظم اہلسنت گلگت وکوھستان کے امیر جناب مولوی قاضی عبد الرازق خطیب جامع مسجد دیو بندی گلگت کو مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں مدعو کر کے اتحاد اور بھائی چارے کا پیغام دیا۔

مگر قاضی عبدالرازق کا جواب اور انداز بیان وحدت المسلمین کے

مطابق نہ تھا چونکہ آغا سید ضیاء الدین رضوی بانی انقلاب اسلامی ایران روح اللہ الموسوی الخمینی کے اس فرمان کے عاشق تھے کہ دنیا میں شیعہ سنی کے نام سے تفریق ڈالنے والا نہ شیعہ ہے اور نہ سنی بلکہ وہ شخص استکبار کا ایجنٹ ہے اور اسطرح قم کے دوران قیام علامہ سید صفدر حسین نجفی کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور بفرض تبلیغ آپ کو پرسٹن لندن بھیجدیا اور آپ وہاں ڈیڑھ سال تک تبلیغ کے بعد وطن واپس آگئے مگر اپنی شریک حیات کی بیماری اور وفات کے بعد اپنے بچوں کے حوالے سے آپ کافی سے زیادہ پریشان تھے۔

چونکہ 1988ء کے سانحہ کے بعد ضلع گلگت کے مرکز میں مذہبی قیادت کا فقدان تھا۔ آپ نے اپنی ذاتی پریشانی کے مقابلے میں قومی پریشانی کو مدنظر رکھ کر قم مقدس ایران کو چھوڑ کر سرزمین گلگت میں رہنا پسند کیا اور آپ نے قیادت سنبھال کر پریشان قوم کو حوصلہ دیا عوام الناس نے حسن عقیدت کے ساتھ آپ کو چاہا اور آپ سے بھرپور تعاون کیا اور عقیدت کی انتہا کردی۔ مگر پس پردہ جلنے والے حاسد آپکی اس روحانی سیرت سے جلنے لگے۔ اور انجانے انداز میں آپ کو گلگت کی سیاست میں الجھا دیا اگرچہ دین اور سیاست جدا نہیں بلکہ سیاست کو دین اسلام کے تابع رکھنے سے دین کی خدمت ہوسکتی ہے۔

لیکن پاکستان کی سیاست اور خصوصاً شمالی علاقہ جات کی سیاست کو کم ازکم علماء کے لئے خود فریبی سے کم نہیں ہے۔ اسطرح آغا سید ضیاء الدین رضوی کی روحانی حیثیت کو مذہبی راسپوٹینوں نے اپنے سیاسی مفادات کی خاطر متنازعہ بنا دیا اور آپ کو تحریک جعفریہ شمالی علاقہ جات کے صدر کی حیثیت سے میدان سیاست میں اُتار دیا۔ تحریک جعفریہ پاکستان کی طرف سے شمالی علاقہ جات کی صدارت کی قبولیت کے بعد 1993ء کے دوران ضلع گلگت کے دانشور اور وکلاء حضرات کے ایک خاص وفد نے آپ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ انتخابی سیاست سے الگ رہ کر مذہبی اور روحانی قیادت کی خدمات انجام دین مگر تحریک جعفریہ نے آپ کو مذہب کے نام پر سیاسی میدان میں اتار دیا اور اس طرح 1994ء میں ناردرن ایریاز کونسل کے انتخابات کی وجہ سے آپ کی قیادت تحریک جعفریہ کے سیاسی پلیٹ فارم تک محدود ہوگئی اور ان حالات کی وجہ سے آپ کی روحانی اور مذہبی عقیدت مندی میں بڑی تبدیلی آگئی۔

چونکہ برصغیر خصوصاً شمالی علاقہ جات میں آباد شیعہ اثناء عشری لوگ امور تشریعی میں کسی نہ کسی مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرتے ہیں اور امور تکوینی یعنی سیاست مدن میں ہر شخص اپنی الگ سیاسی فکر اور رائے رکھتا ہے۔ اس لئے گلگت کی عام سیاست میں آپ کی شمولیت ہر مخلص عقیدت

مند کو پسند نہ تھی۔ اسطرح شمالی علاقہ جات گلگت کی مذہبی سیاست کی بنا پر آ
پ کی ذات متنازعہ بن گئی۔ اوران متنازعہ حالات کی وجہ سے آپ نے
اپنے دور قیادت میں چار مرتبہ گلگت چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا۔
لیکن اپنی ملی مسئولیت اور بعض احباب کے اصرار ہر اپنے اس فیصلے پر
نظر ثانی کیا اور اس منتشر قوم کو دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کی اس لئے
تحریک جعفریہ پاکستان کی مقامی قیادت نے عوام الناس کو متحد کرنے کی
خاطر بعض اہم مسائل کو موضوع بحث بنایا اس کے بارے میں بعض باتیں
اس کتاب کے باب پنجم میں ذکر ہونگی اسیطرح مذہبی سیاست کے نام پر
سیاست کرنے والے بعض احباب نے اس مدت کے دوران مذہب اور
قیادت کو نظر انداز کیا اور اپنے سیاسی مفادات کی خاطر نئی سیاسی پارٹی میں
شریک ہوئے مگر آغا سید ضیاء الدین رضوی نے طے شدہ پروگرام کے
مطابق اپنے اس مشن کو زندہ اور جاری رکھا مگر خرابی بسیار آپ نے گلگت کی
سیاست سے لاتعلق رہنے کا اعلان کیا کیونکہ ساتھی ساتھ چھوڈ چکے تھے اور
سیاسی جغادریوں نے خود اٹھائے ہوئے اصلاح نصاب کے مسلے میں
حمایت نہیں کیا۔ اب جبکہ نصاب کا مسئلہ ایک اشو بن چکا تھا۔ اسطرح ۳
جون ۲۰۰۴ء کے احتجاج کی کال کے بعد حکومت اور سابقہ ساتھی بھی حیران
ہوئے اور اس احتجاج کے کیا نتائج بر آمد ہوئے کون کھرا تھا اور کون کھوٹا یہ

اب تاریخ کا حصہ بن گیا ہے اور مستقبل کا دانشور اس موضوع کے بارے میں فیصلہ کریگا۔

۸ جنوری ۲۰۰۵ء کو تاریخ گلگت کا دوسرا بڑا سانحہ ماجعہ رونما ہوا اور آغا سید ضیاء الدین رضوی ایک شہید مظلوم کے نام سے تاریخ گلگت میں امر ہوئے مگر اپنی ضعیف والدہ بیوی بچوں اور بھائیوں کے علاوہ ساری ملت تشیع کو سوگوار چھوڑا آغا سید ضیاء الدین رضوی شہید کی شہادت قوم کی تاریخ پر قرضہ رہے گا۔

کیونکہ اس عظیم سانحہ کو پس پردہ سازشوں کی بدولت بڑی آسانی کے ساتھ پندرہ لاکھ کے انعام کے اعلان میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور اس بین الاقوامی سازش کی حقیقت سے پردہ نہیں اُٹھ رہا ہے۔ اور نہ اُٹھیگا۔ اسلام دین امن ہے معاندانہ انداز کو پسند نہیں کرتا۔ مگر معلوم کرنا باقی رہے کہ کس جرم میں آپ کو قتل کیا گیا ہے۔ آپ کی بے موقعہ موت نے ملت شیعہ کے علاوہ پورے علاقے کو سوگوار بنا دیا ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

سات مکسوہ

اسیطرح دین اسلام اور مکتب تشیع کا تبلیغ کے سلسلے میں گلگت میں مختلف ادوار میں علماء و ذاکرین نے دین اسلام کی تبلیغ مکتب اہلبیت کے روشن اصولوں کے مطابق کیا ہے۔ حراموش میں ایک قیمتی علمی ہیرا آغا سید ابراہیم شاہ الحسینی نجفی المعروف فاضل ہندی شیخ شکور جان نجفی شیخ محمد ابراہیم نجفی شیخ عبدالرحیم وغیرہ بگروٹ میں سید شیر احمد شہا کاظمی سید مختار حسین شاہ الحسینی آغا محمد حسین الحسینی نجفی المعروف آغا بٹکور اخوند حر علی مرحوم اخوند اکبر علی دینور، اخوند اصغر علی اور سید میر محمد شاہ رضوی اور سید محمد عباس الحسینی دنیور سید کلام الدین نومل سید حیدر شاہ ڈومیال، سید ابراہیم شاہ خومر وغیرہ مشہور مبلغین گزرے ہیں

سابق شیعہ ریاست نگر و ہونزہ میں علماء کرام اور ذاکریں نے اپنے اپنے دور مین اپنے حلقہ اثر میں نہایت بھر پور انداز میں مکتب شیعہ اور دین اسلام کی تبلیغ کیا ہے اسیطرح بیسوں صدی کے بزرگ علماء و ذاکرین میں شیخ علی نجفی مجدوب مرحوم گنش ہونزہ قاضی القضاہ نگر شیخ علی سرور نجفی مرحوم نلت نگر میر واعظ نگر خاص سید امیر شاہ حسینی نجفی مرحوم نگر خاص میر واعظ نگر خاص شیخ محمد ابراہیم نجفی، مرحوم خطیب شعلہ بیان شیخ رمضان علی نجفی مرحوم نگر پیکر تقوی شیخ رجب علی مرحوم اسقرداس نگر بانی مدرسہ جعفریہ پاراچنار صوبہ

سرحد شیخ غلام رضا نجفی مرحوم سمائرنگر شیخ محمد رفیع نجفی مرحوم امام جماعت اسقرداس نگر شیخ احمد صفا مرحوم اسقرداس نگر جناب شیخ احمد صفا فیضی نے راجگی نظام کے دور کی پابندیوں کے باوجود ریاست نگر اور خصوصاً اپنا گاؤں اسقرداس نگر میں علم وعمل کے حوالے سے قابل ذکر کوشش کی تھی آپ نے فروغ تعلیم کے سلسلے میں انتھک محنت کیا تھا۔ اسلئے سابق ریاست نگر کے برزگ علماء کرام میں آپکا نام نہایت ادب اور احترام سے لیا جاتا ہے اور آپ کو ریاست نگر کا سرسید احمد خان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ کی دینی اور علمی خدمات سابق ریاست نگر و ہونزہ سے امام باڑہ کلاں نگرل گلگت خاص تک پھیلی ہوئیں تھیں آپ کی تبلیغی خصوصاً تعلیمی خدمات تاریخ نگر میں یاد رکھی جائیگی۔ اسطرح لاتعداد علماء وذاکرین نے اپنے اپنے ادوار میں اپنے علاقوں اور گاؤں میں مساجد امام بارگاہوں اور خانقاہوں میں دین اسلام اور مکتب شیعہ کے عقائد کو فروغ دینے کے لئے داستان کربلا کو اپنا عنوان قرار دیا کیونکہ کربلا کی داستان خونچکاں نے باضمیر انسان کی فکر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے اس لئے ملت مسلمہ اور خصوصا مکتب شیعہ نے اس عظیم قربانی سے جینے کا سبق سیکھا ہے اور تاریخ انسانیت میں لوگ قرآن وسنت کی روشنی میں اس واقعہ کو شہادت عظماء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شہادت عظماء

لفظ شہید یا شہادت لغت کی زمان میں گواہی کے معنوں میں آیا ہے یعنی اللہ تعالی کی وحدانیت اور اس کے صفات ثبوتیہ کو اپنے قول وفعل سے قبول کرنا ہے اور اپنے ربّ کی طرف سے مقرر کردہ احکام پر خود عمل کر کے دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرنے کو شہادت کہتے ہیں 61ھ میں نواسہ رسول اسلام حضرت امام حسینؑ نے قرآن وسنت کے روشن اصولوں کو زندہ رکھنے کی خاطر ریگزار کربلا میں جس انوکھے انداز کی قربانی دی تھی اس قربانی کو امت مسلمہ کے علماء اور محققین نے شہادت عظماء کا نام دیا ہے اور اس شہادت عظماء کو بیداری ضمیر حریت فکر اور طاغوت سے نفرت کا حتمی پیغام قرار دیا ہے۔

کیونکہ اس حق وصداقت کے پیغام کی بدولت ہر بیدار مغز انسان نے آزادی فکر وعمل کا درس حیات سیکھا ہے چونکہ سرزمین کربلا عراق میں رونما ہونے والے اس عظیم واقعے نے پیغام انقلاب کے ساتھ صبر وتحمل کے آنسوں کے علاوہ زندہ رہنے کی نوید بھی دیا ہے اس طرح زمانے کی سرعت رفتار اور علم ودانش کی فراوانی نے اس عظیم شہادت کے انداز کو بدل دیئے ہیں اور اس شہادت عظماء کی معرفت کے بعد ذات حق کی معرفت میں اضافہ ہوا ہے اور اس شہادت سے بنائے لا الہ مستحکم ہوا ہے مفکر اسلام علامہ محمد اقبال نے اپنی کتاب ضرب کلیم میں فرمایا ہے:

بہر حق درخاک وخون غلطیدہ است

پس بنائے لاالہ گردیدہ است

حضرت اقبالؒ اس شہادت عظماء کو نواسہ رسولؐ زیب دامان بتولؑ کی عزت نفس کی بلندی حمیت دین اور شجاعت کے میدان میں امت مسلمہ کا سرمایہ افتخار قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

اک فقر ہے شبیریؑ اس فقر میں ہے میری

میراث مسلمانی سرمایہ شبیریؑ

علامہ اقبالؒ نے ہر دور میں اس شہادت عظماء کے فلسفہ قربانی کو خودی کا نمونہ قرار دیا ہے۔ نیز امت مسلمہ اور اس کے جوانوں سے شکوہ کرتے ہوئے بال جبریل میں فرمایا ہے کہ ایک مرد مومن کو زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اپنے عزت نفس اور اسلام کی شرافت کو اس فانی دنیا کی خاطر ضایع کردے اور اسی کے ساتھ امت مسلمہ کے اس انداز مسلمانی پر بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ یوں شکوہ کرتے ہیں:

قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں

گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوے دجلہ وفرات

علامہ محمد اقبالؒ اپنی کتاب ارمضان حجاز میں سید الشہداء امام حسینؑ کی شہادت عظماء کی طرح مسلمانوں کو درس حریت اور حق کی خاطر قیام کرنے کی طرف دعوت فکر دیتے ہیں:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ
کہ فکر خانقاہی ہے فقط اندوہ ودلگیری

حق وصداقت کی خاطر سب کچھ قربان کرنا فلسفہ شہادت حسینؑ ہے اور بغیر حکم خدا طاقت کے باوجود کسی کا ظلم سہنا خود ظلم ہے مگر اپنے رب کی رضا کی خاطر ظلم سہنا انسانی معرفت کی معراج ہے اور شہادت عظماء کے اس سالار قافلہ نے یزید ابن معاویہ کی طرف سے زبردستی بیعت لینے کی کوشش کے حوالے سے فرمایا تھا: میں ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو ذلت اور عزت کے ساتھ مرنے کو سعادت سمجھتا ہوں کیا آج کے اس دور میں ہمارے فکر وعمل اور انداز زندگی فلسفہ شہادت عظماء کے مطابق ہے......؟ بقول جوش ملیح آبادی:

ہمت نوع بشر کی انتہا ہے کربلا
تو سمجھتا ہے فقط ماتم سرا ہے کربلا

ہر عبادت کے مقررہ اصول ہیں اگر ان اصولوں سے ہٹ کر کام کیا جائے تو وہ عمل عبادت کے زمرے میں نہیں آتا ہے آج اہل اقتدار اور اہل منبر حاکم ہو یا عالم واعظ ہو یا ذاکر سستی شہرت اور اکتساب زر کی خاطر اس شہادت عظماء کو استعمال میں لاتے ہیں واعظین وذاکرین مناظرانہ زور خطابت میں نعرے لگوانے یا صرف رونے اور رلانے میں ذاتی فکر ونظر کو مدنظر رکھتے ہیں اس طرح اس انداز تبلیغ سے فلسفہ شہادت امام حسینؑ ایک عام رسم بنتا جا رہا ہے جب کہ زمانے کی سرعت رفتار

کے اس دور میں ستائی ہوئی انسانیت فلسفہ شہادت عظماء کو علم وعمل کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں قرآن وسنت اور اخلاق حسنہ کے زاویہ نظر سے دیکھنا چاہتی ہے۔

اوراس طرح ہی مقصد شہادت حسینؑ کا فلسفہ منطقی دلیلوں کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں تک پہنچ سکے۔ کیونکہ علم ودانش کے اس دور میں تبلیغ کے طریقے اور انداز بدل گئے ہیں اس لئے ہر نیا دن اور سال ایک نیا طریقہ اور انداز تبلیغ کا متقاضی ہوتا ہے مگر آج سے تین چار عشرے قبل ذکر شہادت امام حسینؑ کا طریقہ اور انداز کچھ اور ہوتا تھا چونکہ قدیم دور کے واعظین وذاکرین اور روضہ خوانوں کے علاوہ عام وخاص سامعین میں بھی خلوص اور عقیدت ہوتی تھی اس لئے اس دور کا ہر فرد اس عمل کو عبادت اور ثواب کی نیت سے بجالاتا تھا مگر آج کی صدی میں ذکر شہادت عظماء سستی شہرت اور ارتکاز زر کا ذریعہ بنا ہے زمانے کی سرعت رفتار اور ضرورت نے مبلغین کو غالب ذر بنا دیا ہے۔ اس لئے خطیب نے اپنی فیس مقرر کر کے مجالس کو معاش کا خاص ذریعہ بنایا ہے اور سامعین کو خوش کرنے کی خاطر عام مناظرانہ انداز بیان اختیار کرتا ہے تاکہ سامعین نعرے لگائے جبکہ مناظرانہ انداز بیان ذکر فلسفہ شہادت عظماء کے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے اور ساتھ ہی خاندان بنی امیہ کے طرفداروں کی طرف سے اس تذکرے پر بے جا اعتراض کا خاص رویہ بھی مناظرانہ انداز کو جنم دینے لگا ہے چونکہ آج کے اس خاص دور میں توحید باری تعالیٰ رسالت

خاتم الانبیاءؐ اور ولایت علی مرتضیٰؑ کی ترویج کے ساتھ فلسفہ شہادت عظماء پر بے لاگ تبصرہ اور تبلیغ وقت کی خاص ضرورت ہے تا کہ آنے والی قومیں ہر دور میں اس فلسفہ شہادت سے سبق سیکھے اور اس کی روشنی میں حق وصداقت کے اس عظیم پیغام کو آگے دنیا تک پہنچادے کیونکہ فرزند رسولؐ کا یہ مقدس مشن پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کا ماحصل ہے اور اس طرح یہ شہادت عظماء ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کے مقدس مشن کا مکمل نمونہ ہے اور اس ست انسانیت کا سویا ہوا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے:

حسین محسن انسانیت تیرا طرہ　　جگادیا ہے بشر کو اس ادا کے بعد
سکھا دیا ہے زمانے کو درس حریت　　انسان تو بیدار ہوا کربلا کے بعد

خطہ شمال گلگت اور اس کے اطراف وجوانب میں آباد مسلمان اوائل ظہور اسلام سے ہی اپنے اپنے انداز میں بلاتفریق مکتب ومسلک ایام عزا اور ماہ محرم الحرام کا خاص احترام کرتے تھے اور اکثر حنفی سنی اپنے محلہ کے عزاخانوں میں جا کر مجالس ذکر شہادت میں شریک ہوتے تھے اور نذر اللہ نیاز حسینؑ کے نام پر چندہ بھی دیتے تھے البتہ سینہ زنی نہیں کرتے تھے اور فلسفہ شہادت عظماء میں سینہ زنی کوئی لازمی حکم نہیں ہے لیکن اظہار غم اور ظالم سے نفرت کی خاطر سینہ زنی ایک فطری اور منطقی عمل ہے اور ظالم کے ظلم کے خلاف اعلان بیزاری کا آسان اور بے ضرر طریقہ ہے اس حوالے سے یہ عمل ایک عبادت ہے لیکن اس میں عقیدت اور خلوص نیت شرط ہے سینہ زنی ہو یا زنجیر زنی اس عبادت میں بناوٹ اور دکھاوا نہ رکھا جائے کیونکہ دکھاوہ اور نام ونمود کی

وجہ سے فرض نماز بھی باطل ہو جاتی ہے۔

اگر چہ سینہ زنی ایک پر اثر تبلیغی عمل ہے مگر شرع مقدس کے اصول اخلاق کا خیال نہ رکھا جائے اور عقیدت وخلوص نہ ہو تو یہ عمل بے فائدہ ہے البتہ زنجیر زنی سے انسان کی زندگی کو خطرہ ہو یا انسان کی صحت کے لئے نقصان ہونے کا امکان ہو تو زنجیر زنی جائز نہیں ہے کیونکہ انسان کی زندگی اس کے رب کے نزدیک بڑی قیمتی چیز ہے اس لئے خداوند عالم نے اپنے فرض عبادات میں بھی اس زندگی کی خاطر سہولت اور چھوٹ دے رکھا ہے لہذا ہر نیک عمل کی قبولیت کا دارومدار خلوص نیت اور شرع مقدس کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق ہوتا ہے۔ جب سے اسلام کی روشنی پھیلی ہے گلگت شہر اور اس کے اطراف میں محافل ومجالس کا انعقاد نہایت عقیدت واحترام سے ہوتا آیا ہے ماضی میں ماہ محرم کے علاوہ موسم گرما میں ماہ اسد میں بھی عشرہ مجالس کا اہتمام ہوتا تھا مگر اس وقت گلگت اور اس کے اطراف میں ماہ اسد کے عشرہ مجالس کا دستور ختم ہوا ہے لیکن علاقہ بلتستان میں اب بھی ماہ اسد کے عشرے کی مجالس اور جلوس عزا کا سلسلہ جاری ہے اور گلگت شہر کے ساتھ درج ذیل مقامات میں محرم الحرام کی مجالس نہایت اہتمام اور باوقار طریقے سے ہر سال منعقد ہوتی ہیں مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت، انجمن حسینیہ نگر گلگت محلہ قاسم بیگ، محلہ حیدر پورہ ڈومیال مہربان پورہ امپھری، تھوپ چھار بسین بالا، بسین پائین، نو پورہ برمس، سبزی محلہ مجینی محلہ، آغا محلہ، امام بارگاہ نگرل، قزلباش محلہ، ریکوٹ خومر بشوٹ، خومر ڈموٹ

،خومر جوٹیال ،ذوالفقار آباد ،سکوار مناور ،دینور ،اوشکھنداس ،جلال آباد ،بگروٹ ،ہیراموش ،نومل بارگو ،شروٹ ،شیر قلعہ ،تھاوس ،یاسین نگر اور ہنزہ کے کئی درجن امام بارگاہوں میں محافل ومجالس اور محرم اور اربعین کی مناسبت سے تبلیغی اجتماعات کا اہتمام ہوتا ہے۔ قدیم دور میں ان سب جگہوں پر شب عاشور شب اربعین کی مناسبت سے رات بھر شب بیداری ہوتی تھی اور مختلف عزاخانوں میں شبیہ علم شبیہ تابوت اور شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتی تھی ان راتوں کی مناسبت سے عقیدت مند لوگ گھروں سے اپنی استطاعت کے مطابق نذر اللہ نیاز حسینؑ کے نام سے مختلف قسم کی چیزیں بطور تبرک لیکر آتے تھے اور شب بیداری کی خاطر خصوصی اہتمام سے امام بارگاہ آتے تھے۔ اس طرح رات بھر فضائل ومصائب اہل بیتؑ کا سلسلہ صبح کی نماز تک جاری رہتا تھا۔

شب عاشور

61ء ہجری کے دسویں محرم کی رات انسانی تاریخ کی سب سے بڑی انقلابی رات گزر گئی ہے اور اس انقلابی رات کی مثال تاریخ بشر میں کسی اور جگہ نہیں ملتی ہے اسی رات حق وباطل اور ظالم ومظلوم کے درمیان آخری حد فاصل کا خط کھینچا گیا ہے اور اسی شب ایسے مخلص اور جانثار دوستوں کا انتخاب ہوا ہے جو پہلے ولی بنے اور پھر شہید۔ اس قسم کا انوکھا چناؤ تاریخ اسلام اور تاریخ انسانیت میں کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی

ہوگا کیونکہ یہ اللہ والوں کا انتخاب تھا اس طرح شب عاشور کی اس قیامت خیز رات میں ایک طرف دولت وشہرت اور عیش وعشرت کی بہتات کے ساتھ تاج وتخت کی چمک بھی تھی اور دوسری طرف بھوک وپیاس اور موت وحیات کی کٹھن منزل تھی اس لئے آج 1363 سال کے بعد بھی دنیا کے دانشور اس انوکھے انتخاب اور اصحاب حسینؑ کے صبر واستقلال اور ان کی بے لوث وفاداری پر حیرت زدہ ہیں کیونکہ شب عاشور کے اس بے مثال انتخاب میں ۶ ماہ کے بچے سے لیکر سو سال تک کے بوڑھے بھی شامل تھے اس کٹھن منزل میں جگر کے ٹکڑے نوجوان بیٹوں کے علاوہ جان برابر بھائی بھی تھے۔

اس طرح اس کاروان شہادت میں خاندانی عظیم بزرگوں کے علاوہ خدمت گزار حبشی غلام بھی شامل تھے اس لئے شب عاشور کے اس پر آشوب رات میں نہایت اہم اور تاریخ ساز فیصلے ہوئے اور اس انوکھے انداز انتخاب نے تاریخ بشر کے دھارے کو قیامت تک حق وصداقت کی جانب موڑ دیا ہے خاندان بنی امیہ کا لاڈلا شہزادہ یزید ابن معاویہ کی حکومت اور افواج شمر وعمر سعد کے سیل رواں کے مقابلے میں ایک مختصر گروہ تھا اس میں صرف ۷۲ جانثاروں کی انوکھی فوج تھی اور دنیائے حرب وضرب میں اس گروہ کو فوج کا نام نہیں دیا جاتا ہے اس انوکھے لشکر میں کم تعداد کے علاوہ ان کی عمریں اور اس لشکر میں شامل جانبازوں کے قد اور کاٹھ بھی انوکھے تھے۔

اس طرح اس بے مثال لشکر نے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے چونکہ ہر شخص یہ تمنا رکھتا تھا کہ اس کا نام اس فہرست میں آئے شب عاشور چراغ گل ہونے کے بعد سب نے اپنے رب کے پاس اپنا مقام دیکھ لیا تھا راوی حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوال کرتا ہے کہ بتائیں کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کیوں خود کو موت کی جانب اقدام کرتے تھے تو آپؑ نے فرمایا کہ اس لئے کہ ان کے سامنے سے پردہ ہٹ گئے تھے اور وہ خود اپنی آنکھوں سے جنت میں اپنے منازل دیکھ رہے تھے اس لئے ہر شخص قتل ہونے کے لئے بڑھ رہا تھا تا کہ جلد از جلد وہ جنت میں اپنی منزل پر پہنچ جائے اسیطرح شب عاشور کی اس پر آشوب رات کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے عزادار بعض قدیم جنگی رسومات یعنی طبل جنگ، ناقوس شبیہ، تابوت وشبیہ علم کے علاوہ صبح عاشور کی اذان کا نہایت ادب سے اہتمام کرتے تھے اور اس طرح کے خصوصی رسومات کی بدولت عاشورہ محرم کی صبح نالہ وفریاد دعا واستغفار کے علاوہ رونے اور سسکیوں سے شروع ہوتی تھی اور یہ رسمیں شہادت عظماء سے منسوب ہیں جو داستان کربلا کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کرنے کے خاص طریقے تھے اور ان خاص رسومات میں خلوص نیت ہوتی تھی بناوٹ اور دکھاوا کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا اور یہ رسومات ظلم و جبر کے خلاف اظہار نفرت اور مظلومیت کی یادوں کو زندہ واجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوتیں تھیں۔

چونکہ شرع مقدس اسلام اور قانون فطرت میں شرائط کے ساتھ ایسی رسومات

خصوصا جلوس عزا جو ظالم کے خلاف اور مظلوم کی حمایت میں برآمد ہوتا ہے کوئی شرعی اخلاقی اور قانونی قدغن نہیں ہے اور نہ کوئی اس عمل میں بیجا مداخلت کا حق رکھتا ہے ۔کیونکہ کوئی خالی ہاتھ انسان بازار میں آ کر سینہ زنی کرے یا رودے تو کسی کو کیا تکلیف ہوسکتی ہے:

کوئی روئے آ کے بازاروں میں پابندی نہیں
فطرتا اظہار غم کی کوئی حد بندی نہیں

البتہ اسلام محمدیؐ نے ہر عبادت اور رسم کے لئے ضابطہ اخلاق اور شرعی جواز کے لئے اصول اور طریقے بتا دیئے ہیں فقہا کرام اور مجتہدین عظام نے اس عمل خیر کے شرعی جواز کے لئے راہنما اصول اور طریقے بتا دیئے ہیں لہذا انسان کا اخلاقی اور شرعی وظیفہ ہے کہ وہ ان ضوابط کا پابند رہے عاشورہ محرم کا جلوس عزا ظلم اور ظالم کے خلاف اظہار نفرت کرتا ہے اور یہ جلوس عزا یزید اور یزیدیت کے خلاف اظہار نفرت و بیزاری اور اس کے انسانیت سوز مظالم کے خلاف فطری احتجاج ہے اس لئے علم ذوالجناح تابوت اور تعزیہ وغیرہ یزید کے مظالم کے خلاف اظہار نفرت اور احتجاج کے لوازمات میں سے ہیں۔

اور یہ رسمیں نسبت پا کر محترم بن جاتیں ہیں اور اس طرح قرآن وسنت کی روشنی کے علاوہ تاریخی حوالوں سے بھی یہ رسمیں ان ذوات مقدسہ سے منسوب ہو کر شعائراللہ میں شمار ہوتیں ہیں اور خداوند عالم نے شائراللہ کی عظمت کے قائل لوگوں کو

متقی قرار دیا ہے اس بات کو یاد رکھیں کہ جلوس کے ہمراہ لائے جانے والے سب جھنڈے متبرک اور قابل تعظیم نہیں ہوتے ہیں کیونکہ ہر ماتمی جلوس کے ساتھ سیاہ سرخ اور سفید جھنڈے یزید اور یزیدیت کے مظالم کے خلاف بطور احتجاج اٹھائے جاتے ہیں البتہ شرکاء جلوس کے ہر دستے کے ساتھ ایک خاص علم ہوتا ہے جو منسوب ہوتا ہے اور اس خاص نسبت کی وجہ سے وہ علم متبرک اور قابل تعظیم ہوتا ہے اور یہ علم اس خاص علم کی شبیہ ہوتی ہے جس کو نواسہ رسولؐ سید الشہداء امام حسینؑ نے اپنی مختصر فوج کے سپہ سالار حضرت عباسؑ کو عطا کیا تھا اس لئے قمر بنی ہاشم علی عباسؑ کو علمدار حسینؑ بھی کہتے ہیں۔

اس طرح اس خاص علم کو حضرت عباسؑ باوفا نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا کے عصر عاشور تک سر بلند رکھنے کے لئے جعفر طیار کے اس بیٹے نے دونوں بازو کٹا دیئے اس لئے یہ علم قیامت تک سر بلند رہے گا اور شبیہ ذوالجناح شہید اعظم اسلام حضرت امام حسینؑ کی سواری کے اس گھوڑے سے منسوب ہے جو کربلا کے میدان وغا میں اپنے مالک کے ساتھ رہا اور زخمی ہوتے ہوئے بھی اپنے سوار کی حفاظت کیا اور اس شہادت عظماء کی خبر سادات کے خیموں تک پہنچا دیا تھا اور شبیہ تابوت شہید اعظم اسلام حضرت امام حسینؑ کے بے گور کفن لاشے کی یاد میں بنائی جاتی ہے جو کربلا کی گرم ریت پر تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی۔

گلگت اور اس کے علاقہ جات میں دوران جلوس شبیہ تعزیہ کا عام رواج نہیں

ہے اگر چہ برصغیر میں تعزیہ کا رواج اہلسنت والجماعت کے ہاں زیادہ عام ہے تعزیہ کا رواج کربلا کے شہداء کے روضوں کی یاد کو تازہ کرنا ہے اور جو کربلا سے دور ہیں وہ اس یاد کو تازہ رکھتے ہیں۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی وشامی

اربعین

اربعین عربی زبان کا لفظ ہے اس کو فارسی میں چہلم اور اردو زبان میں چالیسواں کہتے ہیں ۔واقعہ فاجعہ کربلا کے بعد کربلا کے اسیروں کا لٹا ہوا قافلہ امام زین العابدین ۔کی سرکردگی میں 11 محرم الحرام 61ھ کو کوفہ شہر کی جانب روانہ کیا گیا اس طرح خانوادہ رسالت کا یہ اسیر قافلہ ۱۲ محرم کو مسجد حنانہ پہنچا اور مسجد حنانہ میں رات گزار کر ۱۳ محرم کی صبح کو یہ مظلوم قافلہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا اور یہ مظلوم قیدی عبیداللہ ابن زیادہ کے دربار میں حاضر کرائے گئے اس لئے حاکم کوفہ نے ان قیدیوں کے بارے میں احکامات حاصل کرنے کی خاطر ایک قاصد اسلامی ایمپائر کا دارالخلافہ دمشق روانہ کیا شہر کوفہ سے شام تک کی مسافت تقریبا چودہ سو میل بنتی ہے اور یہ ایک عام راستہ تھا۔

اس طرح جب عبیداللہ ابن زیاد کا قاصد سام سے واپس کوفہ پہنچا تو قیدیوں کو شام کی جانب روانہ کیا گیا اسطرح اسیروں کا یہ قافلہ شام جاتے ہوئے دوبارہ کربلا

میں مقتل شہداء میں پہنچا وہ دن اربعین یعنی چالیسواں کا تھا اور یہ قافلہ کربلا سے ہو کر شام کی جانب روانہ ہوا اور یہ مظلوم قافلہ 62ھ ہجری تک شام میں یزید ابن معاویہ کی قید مشقت میں رہا اور ایک سال کی اسیری کے بعد ان قیدیوں کو رہائی ملی اور ہفتہ بھر شام میں ہی ذکر مصائب حسینؑ کی مجلس برپا کیا اور شریکۃ الحسینؑ زینبؑ بنت علیؑ نے دار السلطنت شام میں سید الشھداء امام حسینؑ اور آپ کے باوفا ساتھیوں کا بھر پور ماتم کیا اس طرح ہفتہ بھر شہادت حسینؑ کی پرچار کے بعد خانوادہ رسالت کا یہ قافلہ مدینۃ النبیؐ کی جانب روانہ ہوا اور اسطرح شام سے واپسی کے بعد جس دن یہ قافلہ دوبارہ کربلا کی زمین میں شہداء کی قبروں پر پہنچا وہ تاریخ بھی 62ھ ہجری ماہ صفر کی 20 تاریخ تھی اس طرح دس محرم سے بیس صفر تک چالیس دن بنتے ہیں۔

اس لئے لوگ بطور عقیدت واحترام یکم محرام الحرام سے بیس صفر تک بلکہ 8 ربیع الاول کی شام تک کوئی خوشی اور مسرت کا کام نہیں کرتے ہیں چونکہ یہ ایک عقیدت مندی ہے شرعی مسئلہ نہیں ہے لیکن عاشور محرم کے دن دنیاوی مفاد کی خاطر مال ودولت جمع کر کے میں مصروف ہونا بنی امیہ کا شیوہ رہا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اس طرح دس محرم کے دن سنت کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے اور عصر عاشور تک فاقہ کی نیت سے کچھ کھائیے پیئے بغیر رہنا کار ثواب ہے۔

علاقہ گلگت خاص میں منظم طریقے سے جلوس عاشورہ کا باقاعدہ انتظام 1951ء میں ہوا ہے اس وقت تک یہ جلوس ایک امام بارگاہ سے نکل کر دوسرے امام بارگاہ میں ختم ہوتا تھا مگر اس باقاعدہ جلوس عزا کا اہتمام بلتستان کے چند فوجی جوانوں کی ترغیب سے ہوا پہلی دفعہ یہ جلوس والی ریاست نگر کا محل نگر ہاؤس گلگت سے برآمد ہوا اور تھانہ چوک سے ہو کر ایئرپورٹ روڈ سے گزر کر موجودہ جہاز میدان پہنچ کر دائیں جانب مڑ کر امام بارگاہ کلاں نگرل میں اختتام پذیر ہوتا تھا مگر چند سال بعد ہی جلوس عاشورہ کا یہ راستہ تبدیل کیا گیا اور اس طرح اب عاشورہ محرم کا موجودہ روٹ جامع مسجد امامیہ گلگت سے شروع ہو کر تھانہ چوک اور گھڑی بازار سے ہوتا ہوا آگے دائیں جانب بڑھ کر جماعت خانہ بازار اور مومن بازار سے ہو کر ہسپتال روڈ سے گزر کر ایجنسی ہاؤس سے ہوتا ہوا شام تک واپس جامع مسجد امامیہ گلگت میں اختتام پذیر ہوتا ہے اس طرح اول سے ہی سٹی تھانہ اور جامع مسجد دیوبندی کے بالمقابل سٹیج لگتا تھا اور آدھ گھنٹہ تک یہاں ذکر شہادت حسینؑ ہوتا تھا مگر متعصب انتظامیہ اور دیوبندی مسلک کے مولویوں کی باہمی سازش سے جلوس عاشورہ کا اس تبلیغی سٹیج پر پابندی لگادی گئی ابن تیمیہ اور محمد عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں نے متعصب انتظامیہ کی سرپرستی میں اس راستے پر جلوس عاشورہ محرم کے گزرنے پر مزاحمت کا اعلان کر دیا اور متعصب انتظامیہ کی ملی بھگت سے 1974ء میں عاشورہ محرم کے جلوس عزا پر فوج کی موجودگی میں دیوبندی مسجد سے فائرنگ ہوئی اور کئی ماتم دار زخمی ہوئے مگر شرکاء

جلوس نے جلوس عزا کے تقدس کی خاطر کوئی جوابی اقدام نہیں کیا اور محرم کا جلوس اپنے مقررہ راستوں سے نہایت نظم وضبط کے ساتھ گزر کر اختتام پزیر ہوا اور اس بھونڈی سازش کی ناکامی کے بعد دیوبندی مولویوں نے درخواست کیا کہ دوران جلوس عبادت کی خاطر مسجد میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے مسجد کے سامنے لگنے والی سٹیج کو چند قدم آگے کر دیا جائے تو بہتر ہوگا اس ظاہری اور مناسب مطالبے پر انجمن امامیہ گلگت کے اراکین نے نمائندہ افراد سے مشورہ کر کے رواداری کی خاطر اگلے سال سٹیج کو پچاس گز آگے لگا دیا لیکن اس معمولی تبدیلی پر بعض جذباتی شیعہ جوانوں نے احتجاج کیا اور بعض علماء اور اراکین انجمن امامیہ گلگت کے خلاف غلیظ پروپیکنڈہ شروع کیا اور دوسرے سال محرم کے دوران سابقہ جگہ پر ہی سٹیج لگانے کا اعلان کر دیا گیا اس طرح شیعہ جوانوں کے اس جذباتی اعلان پر متعصب انتظامیہ کے کل پرزے متحرک ہوئے اور دیوبندی مسلک کے طرفداروں نے سواد اعظم اہلسنت کے نام سے شور شرابہ کی فضا پیدا کر دیا اور جلوس عاشورہ محرم پر پابندی لگانے کا غیر دانشمندانہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا اس دور کے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے گلگت کے اپنے دورے کے دوران اعلان کیا کہ جلوس عاشورہ محرم شان سے نکلے گا اور سٹیج کے بارے میں دونوں فریق آپس میں صلح وصفائی سے فیصلہ کرے اس اعلان کے بعد سازشی عناصر کو موقعہ ملا اور یہ قدیمی سٹیج اور رسم کو متنازعہ بنا دیا گیا اور اس طرح اس تنازع کی بدولت چند شیعہ جوانوں نے ایک کفن بردار گروہ تیار کیا اور

اعلان کے بعد سازشی عناصر کو موقعہ ملا اور یہ قدیمی سٹیج اور رسم کو متنازعہ بنا دیا گیا اور اس طرح اس تنازع کی بدولت چند شیعہ جوانوں نے ایک کفن بردار گروہ تیار کیا اور ساتھ ہی بابائے گلگت کرنل حسن خان رانا اس جلوس کی قیادت کرنے والوں میں شامل تھے اس حوالے سے متعصب انتظامیہ اور پس پردہ حکومتی ایجنسیاں متحرک ہوئیں اور ایک خاص سازش کے تحت 1974ء کا جلوس محرم فوجی ماٹرگنوں اور بندوقوں کے سایہ میں نکالا گیا پولیس ایف۔ایس۔ایف اور فوج نے حسب سابق تھانہ چوک میں سٹیج لگانے نہ دیا اور ریڑے پر لگا ہوا لاؤڈ سپیکر اور سٹیج کو بھی عین موقع پر استعمال کرنے نہ دیا گیا اور پولیس فورس کی طرف سے جلوس عاشورہ محرم پر لاٹھی چارج ہوا اور ایف۔ایس۔ایف کی طرف سے ہوائی فائرنگ ہوئی اور اس دوران عبوری سٹیج پر کھڑا آغا یحییٰ کو جو تقریر کرنے والے تھے راقم اور سیشن جج غلام مصطفیٰ اور ماسٹر محمد یوسف شگری نے کھینچ کر متنازعہ جگہ سے آگے حرکت کرایا اس طرح یہ خاص خطرہ ٹل گیا اس دور کے پولیٹکل ایجنٹ محمد نواز شنواری ایک توپ بردار جیپ میں بیٹھ کر جلوس محرم پر فائرنگ آڈر پر دستخط کرنے والے تھے اس نے دستخط کے لئے فائل کھولا تھا اس دور کے ایس۔ڈی۔ایم محمد بلال مرحوم نے پولیٹکل ایجنٹ شنواری کے ہاتھ سے زبردستی فائل چھینا اور فائرنگ آڈر پر دستخط کرنے نہ دیا جلوس عاشورہ کے اس قیامت خیز حالت کا تفصیل سے ذکر کرنا عام لفظوں میں آسان نہیں اور اس تکلیف دہ حالت کے پس پردہ عوامل اور پیش منظر پر روشنی ڈالنا کافی مشکل ہے اس

خاص سازش میں شریک مقامی انتظامیہ کے تیور اور گھناونے کردار اور چند شیعہ جذباتی جوانوں کے رویہ کی بدولت تھانہ چوک پر قائم سٹیج کا سلسلہ ختم ہوااوراس کے ساتھ تحصیل چوک کا تبلیغی منبر بھی چھن گیااور آج تک عاشورہ محرم کا جلوس اپنی سابقہ روایات کے خلاف بغیر تقریر کے گزر جاتا ہے ایسے جذباتی عوامل کو سنجیدگی سے حل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مذہبی قومی اور علاقائی مسائل پر خلوص نیت اور جذبات کو بالائے طاق رکھ کرادھر ادھر کے حالات سے باخبر ہوکر قدم اٹھانا ہوتا ہے چونکہ اس خطہ بے آئین میں عوام اور علاقے پر تسلط قائم رکھنے کے لئے مقامی انتظامیہ اور ایجنسیوں کے پاس بہت سے وسائل ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کو باہم دست وگریباں کرایا جاتا ہےاوراس طرح اس حساس علاقے میں ایسے خاص مسائل کو جذبات کی رو میں آ کر اٹھانے سے اصلی نصب العین کو نقصان ہوتا آیا ہے چونکہ قوم کی خدمت اور مذہب اسلام کی خدمت عبادت ہے اور ہر عبادت کی انجام دہی کے لئے معرفت اور خلوص نیت شرط ہے ورنہ اس کا فیض عام نہیں ملتا ہے۔

خیال خاطر احباب چاہیئے ہردم
نیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

جلوس اربعین

ماہ محرم الحرام کے بعد ۲۰ صفر المظفر ۶۱ ہجری کی مناسبت سے چہلم شہدائے کربلا کی یاد میں اربعین کا جلوس انجمن حسینیہ نگر خزانہ روڈ گلگت سے برآمد ہوتا ہے اس جلوس کی ابتداء 1972ء میں ہوا ہے ابتداء میں زنجیر زن جوانوں کا ایک دستہ انجمن حسینیہ نگر سے زنجیروں کا ماتم کرتا ہوا مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت پہنچ کر اختتام پذیر ہوتا تھا مگر اس خطہ بے آئین پر مسلط متعصب انتظامیہ نے اس مذہبی رسم کو بھی متنازعہ بنانے کی کوشش کی اسیطرح 9 جنوری 1980ء کی اربعین کے موقعہ پر اس جلوس کا روایتی راستہ تبدیل کرانے کی کوشش کی گئی کیونکہ انتظامیہ اس جلوس کو نہایت مختصر کر کے کومل پائین کے راستے سے مرکزی جامع مسجد لیجانے کی ضد کرتی تھی جبکہ سابقہ روٹ پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں دیوبندیوں سے تصادم ہونے کا امکان ہو مگر متعصب انتظامیہ اپنی خبث باطنی کی وجہ سے اس رسم عبادت کو محدود کرنا چاہتی تھی انتظامیہ کی طرف سے یکطرفہ طاقت استعمال کر کے جلوس چہلم کو روکنے کی ناکام کوشش کی گئی اور بلا جواز آنسوں گیس کا استعمال ہوا اور فائرنگ ہوئی اس بلا جواز اور غیر قانونی فائرنگ سے ایک ماتم دار جوان علی محمد شہید ہوئے اور سید ہدایت شاہ نامی جوان زخمی ہوا۔

اس بے جا مداخلت اور دباؤ کے باوجود جلوس چہلم سید الشہداء اپنے روایتی

راستے پر سے گزر کر مرکزی جامع مسجد امامیہ پہنچ کر اختتام پذیر ہوا اور اس طرح اس قربانی کے بعد جلوس کا یہ راستہ صاف ہوا مگر اس بے مداخلت کے بعد اربعین کا یہ مخصوص اور مختصر جلوس ایک بڑے عظیم اجتماع میں تبدیل ہوا لیکن شہید چہلم علی محمد کے قتل کا مقدمہ قوم اور مرکز کے بے حسی کی وجہ سے داخل دفتر ہوا اور اب ہر سال جلوس اربعین شہید کی قبر پر جا کر ذکر شہادت سید الشہداءؑ کے بعد اختتام پذیر ہوتا ہے۔

شیعہ مذہب کی اسلامی تقریبات

گلگت خاص اور اس کے اطراف و جوانب میں شیعہ اثنا عشریہ اپنے مذہبی تقاریب کو تاریخ اسلام کی روشنی میں مختلف ایام اور جدا تاریخوں کے حوالے سے حسب موقعہ مخصوص انداز میں ان محافل و مجالس کی تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں۔

اس طرح شیعوں کی مذہبی تقاریب میں سے سر فہرست محفل میلاد ۱۷ ربیع الاول کی مناسبت سے منعقد کرتے ہیں اور ۱۷ ربیع الاول کی یہ مبارک تاریخ پیغمبر خاتم حضرت محمد عربیؐ ابن عبد اللہ کی ولادت باسعادت سے منسوب کر کے مناتے ہیں اور خطہ شمال گلگت اور اس کے ایالات میں اس مبارک موقعہ کی مناسبت سے شام کو مسجدوں امام بارگاہوں گھروں اور قرب و جوار کی پہاڑیوں پر چراغاں ہوتا ہے اور دن کو اس خوشی کی مناسبت سے اپنے گھروں میں حسب حیثیت اچھے کھانے پکاتے ہیں اور بطور نذر تبرک کے نام سے مٹھائی یا حلوہ تقسیم کرتے ہیں۔

اور دن کو محافل نعت اور سیرت النبیؐ کے خاص موضوعات پر علماء اور ذاکرین تقاریر کرتے ہیں۔ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد مولود پیغمبرؐ کی مناسبت سے ۱۲ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول تک محافل میلاد اور سیرت النبیؐ کی موضوعات پر جلسے منعقد کرتے ہیں اور اس کو ہفتہ وحدت کہتے ہیں پھر وصال پیغمبر اسلامؐ اور شہادت نواسہ رسولؐ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی مناسبت سے ۲۸ صفر کو مجالس ذکر و مصائب کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور بطور نذر تبرک کا بندوبست کرتے ہیں بلکہ قدیم ایام میں اسی مناسبت سے شب بیداری بھی کرتے تھے۔

پھر ہر اسلامی مہینہ رجب المرجب کی ۱۳ تاریخ کو جشن مولود کعبہ کے نام سے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے خوشیاں منائی جاتی ہیں مساجد اور امام بارگاہوں گھروں اور پہاڑوں پر چراغاں کرتے ہیں اور دن کو محافل مقاصدہ اور ذکر فضائل مناقب کی خصوصی محفلیں منعقد ہوتی ہیں پھر ۱۹ سے ۲۱ رمضان المبارک کے دوران شیر خدا حضرت علیؑ کا یوم ضربت اور شہادت کی مناسبت سے مجالس ذکر شہادت کا اہتمام ہوتا ہے اور بطور تبرک نذر و نیاز کا بندوبست کرتے ہیں۔

سردار جوانان جنت نواسہ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے ۳ شعبان المعظم کو مساجد اور امام بارگاہوں اور گھروں میں چراغاں کے علاوہ محافل ذکر مناقب کا اہتمام ہوتا ہے اور مختلف حکومتی اور مذہبی اداروں کے طلبہ

یوم حسینؑ کے نام سے تقاریب منعقد کرتے ہیں اور یکم محرام الحرام سے عاشورہ محرم تک بھرپور انداز میں لوگ ذکر شہادت عظمیٰ کا اہتمام کرتے ہیں لوگ نذر اللہ اور نیاز حسینؑ کے نام سے خیرات کرتے ہیں اور ذکر شہادت اور تبلیغ کا یہ سلسلہ ۸ ربیع الاول تک جاری رہتا ہے۔

اس طرح ۱۵ رمضان کو ذکر ولادت امام حسنؑ کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے اور ۱۵ شعبان المعظم کو شب برات اور بقیۃ اللہ اعظم امام محمد مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے ذکر فضائل شب برات اور مناقب امام زمانہؑ کے حوالے سے چراغاں کا خصوصی بندوبست ہوتا ہے اور لوگ امام زمانہؑ کی ولادت اور شب برات کی مناسبت سے تبرک کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور ۱۹ رمضان سے ۲۳ رمضان تک شب قدر کی مقدس راتوں کے حوالے سے شب بیداری اور نوافل شب قدر اور خصوصیت کے ساتھ نزول قرآن کی خوشی میں اور کتاب خدا قرآن مجید سے خصوصی فیض کی خاطر قرآن پاک کو سر پر اٹھا کر اجتماعی دعا عمل قرآن کے نام سے مانگتے ہیں اور پھر ۱۸ ذالحجہ ۱۰ ہجری کو تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ اعلان غدیر خم واقع ہوا ہے اس پرمسرت موقعہ پر لوگ خوب چراغاں کرتے ہیں اور گھروں میں خصوصی دعوتوں کا اہتمام ہوتا ہے لوگ حلوہ اور مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور اس دن واقعہ غدیر پر علماء اور ذاکرین روشنی ڈالتے ہیں اور شعراء قصائد پیش کرتے ہیں۔

اس طرح ۳ جمادی الثانی کو بضعۃ الرسولؐ حضرت فاطمہؑ کی شہادت کی

مناسبت سے مجالس ذکر شہادت خاتون جنت کا اہتمام ہوتا ہے اور خواتین بھی اس سلسلے میں اپنی الگ مجلسیں خصوصی منعقد کرتی ہیں اس کے علاوہ ہر امام کی ولادت اور شہادت کی مناسبت سے محافل ومجالس کا اہتمام ہوتا ہے اور عید مباہلہ عید زہرا اور عید نوروز کا منانا اس مکتب کا خصوصی پہچان ہے۔

قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کی مستند اور متواتر روایات کی روشنی میں یہ دن ایام اللہ ہیں اس طرح دین اسلام کی تبلیغ اور مذہب شیعہ خیر البریہ کی ترویج کے لئے امام جعفر صادقؑ کی قائم کردہ ثقافت کو زندہ رکھنا ہمارا اولین فریضہ ہے اور قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کی روشنی میں اس جعفری ثقافت کو یاد رکھنا نہایت ضروری ہے تا کہ ان ایام اللہ کے توسط سے احیاء دین اور ثقافت جعفریہ کے تعارف کے لئے مواقع اور وسائل فراہم ہوں لیکن ان عبادی مراسم کو خلوص نیت عقیدت اور حصول ثواب کے فلسفے کو مدنظر رکھ کر بجالانا چاہئے ورنہ اس ثقافت کے معنوی فوائد حاصل نہیں ہونگے آج زمانے کی سرعت رفتار اور مغربی ثقافت کی یلغار نے خطیب شہر سے لیکر غریب شہر تک سب کو متاثر کردیا ہے اور آج ہر فرد کا زاویہ نظر خودنمائی اور تصنع وبناوٹ کی جانب مڑ گیا ہے دنیا والے جو بھی کرے اور جیسا کرے اس دین کا مالک خدا ہی اس دین کو بچانے والا ہے اور وہ ذات اپنی قدرت کاملہ سے اس دین کی حقانیت کو دامن قیامت تک جاری رکھے گا اور اس طرح ہزاروں قافلے اس راہ پر گزر گئے ہیں اور قیام قیامت تک ایسے ہزاروں مسافر گزریں گے مگر دین اسلام اور اس دین کے محافظ زندہ وتابندہ رہینگے۔

فصل پنجم

شیعوں کے مسائل ومشکلات

گلگوت، گری گرت، دردستان، بلاورستان یا شینا کی کے قدیم اور غیر واضح ناموں سے منسوب یہ کوہستانی علاقہ گلگت پاکستان کے انتہائی شمال میں واقع ہے اس طرح یہ خاص علاقہ اپنے جغرافیائی حیثیت کے لحاظ سے دنیا کے تین اہم اور مشہور پہاڑی سلسلے کوہ ہمالیہ کوہ ہندوکش اور کوہ قراقرم میں واقع ہے اور خطہ شمال گلگت اپنی جغرافیائی طبعی خدوخال کے حوالے سے بہت زیادہ جاذب نظر اور نہایت اہم ہے اس لئے اقوام عالم خصوصا یورپ کے سیاح اور محققین کے نزدیک یہ خاص علاقہ بہت زیادہ مشہور اور معروف ہے چونکہ یہاں قطبین کے علاوہ دنیا کا سب سے بڑا گلیشر بھی پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کوہستانی علاقے میں گلیشروں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور اس کے علاوہ دنیا کی دوسری مشہور اور بلند چوٹی k,2 بھی اس علاقے میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ہی دنیا کی بلند چوٹیوں کی تعداد بھی یہاں زیادہ ہے اور پھر فوجی نقطہ نگاہ سے بھی یہ علاقہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس علاقے سے چین، روس، بھارت اور افغانستان کی سرحدیں پاکستان سے ملتی ہے اور تاریخ کی قدیم مشہور سڑک شاہراہ ریشم اب شاہراہ قراقرم کے نام سے معروف ہے اور یہ راستہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ روزگار کہلاتا ہے اس کوہستانی علاقے سے ہوکر

گزرتی ہے اور آج اس مشہور شاہراہ کی وجہ سے اس خطہ کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور اس طرح انقلاب روس اور انقلاب چین کی کامیابی کے بعد تاج برطانیہ اور اس کے حلیف ملکوں کو اس کوہستانی خطہ شمال کی اہمیت کا احساس ہوا اور اس کے ساتھ ان دنوں کمونسٹ بلاک ۔ کے خاص طور پر سویت یونین کی طرف سے پس پردہ اس خطہ کے چھوٹے چھوٹے راجوں سے رابطے بڑھ گئے تھے اور کمونسٹ نظام کی طرف سے ان پس پردہ روابط سے خطرہ محسوس کر کے امریکہ نے مہاراجہ گان کشمیر کے ذریعہ اس علاقے کی خاص نگرانی شروع کر دی اور اپنے جاسوس لوگوں کو بطور پولیٹکل ایجنٹ یہاں مقرر کیا تا کہ کمونسٹ نظام کے ان دونوں بلاک یعنی روس اور چین کا متوقع مداخلت کا سد باب کیا جا سکے۔

انیسویں صدی کے وسط تک یہ کوہستانی علاقہ گلگت خاص کے علاوہ مختلف چھوٹی اور خود مختار شخصی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اگر چہ ماضی میں چترال سے تاش کر غن اور چیلاس تک یہ سب علاقے تخت گلگت کے زیر نگین تھے اور ان سب علاقوں کو گلگت کہتے تھے اور بلتستان کا علاقہ اس میں شامل نہیں تھا پھر بھی گلگت کے نام سے بلتستان کی پہچان ہوتی تھی لیکن اب گلگت بلتستان گانچھے، دیا میر اور غذر کو شمالی علاقہ جات کہتے ہیں پھر 1846ء میں انگریزوں کی فتح کے بعد بدنام زمانہ معاہدہ امر تسر کی رو سے کشمیر جنت نظیر کو انگریز استکبار نے مہاراجہ کشمیر گلاب سنگھ کے ہاتھ پچھتر لاکھ ۷۵ نانک شاہی سکوں کی عوض فروخت کیا انگریزوں نے پوری دنیا میں جہاں

بھی مفاد نظر آیا موقعہ ملنے پر ان کے ساتھ یہی غیر انسانی سلوک کرنے میں دریغ نہیں کیا ہے تاریخ عالم میں انگریز قوم کی طوطہ چشمی مشہور ہے اور اس غیر انسانی اور غیر اخلاقی خرید و فروخت پر مفکر اسلام محمد اقبالؒ نے بڑے دکھ درد کے ساتھ اس انسانی سودا پر یوں اظہار خیال کیا ہے:

دہقان و کشت و باغ و خیابان فروختند   قومی فروختند چہ ارزاں فروختند

اس طرح اس غیر انسانی سودا بازی کے ساتھ انگریز سوداگروں نے سکھوں کو زیر تسلط ریاست کے علاوہ دیگر ملحقہ علاقوں کو بھی فتح کر کے اپنے زیر نگین رکھنے کی عام اجازت دی تھی تا کہ مہاراجہ کے نمائندے انگریز سرکار کے لئے مخبری بھی کرینگے اس معاہدے کے تناظر میں انیسویں صدی کے وسط تک ڈوگرہ حکمرانوں نے گلگت اور اس کے ایالات کے باقی علاقوں پر بھی قبضہ کیا مگر ریاست نگر کے باہمت اور دلیر قوم نے ڈوگروں کا دباؤ اور تسلط کو قبول نہیں کیا تھا اس لئے 1892ء میں انگریز کمانڈر کرنل ڈیورنڈ کی کمان میں کشمیری اور انگریز افواج نے ریاست نگر پر حملہ کر دیا اور بڑی مزاحمت کے باوجود اندرونی جاسوسی کی وجہ سے اس ریاست کو فتح کر لیا گیا اور اس تاریخی جنگ کو جہانگیر یا جنگی لیئی کا نام دیا جاتا ہے اور ریاست نگر پر مکمل قبضہ کے بعد ان افواج کا رخ ریاست ہنزہ کی طرف ہوا مگر والی ریاست ہنزہ نے ان افواج سے صلح کر لیا اس طرح گلگت اور اس کے ایالات کی ریاستوں پر بھی ڈوگرہ اور انگریز افواج کا مکمل قبضہ ہوا اور پورے شمالی علاقہ جات پر ان کی حکومت قائم

ہوئی اسیطرح 1935ء تک انگریزوں کی سرپرستی میں مہاراجہ کشمیر کے نام پر گلگت کے تمام علاقہ جات فتح ہوئے تھے مگر انگریزوں نے وہ علاقے جو کسی بھی ہمسایہ ملک کی سرحدوں سے ملحق تھے اپنے مفاد کی خاطر اپنے زیر نگین رکھا اسیطرح ان علاقوں کی نگرانی کے ساتھ ہمسایہ ملکوں میں جاسوسی کی خاطر گلگت خاص میں پولٹیکل ایجنٹ کے نام سے اپنا نمائندہ متعین کر رکھا تھا اور گلگت میں مہاراجہ کشمیر کی طرف سے ایک منتظم مقرر ہوتا تھا اور اس ناظم کو وزیر وزارت کا نام دیا جاتا تھا اس وزیر وزارت کا مرکزی دفتر گلگت خاص میں ہوتا تھا اسیطرح گلگت علاقہ جات کا دارالخلافہ قرار پایا اور گلگت کے سارے علاقے نام نہاد مہارجہ کشمیر کے ماتحت ہوتے تھے مگر ان علاقہ جات کی خاص نمبرداری انگریز سرکار کا نمائندہ پولیٹکل ایجنٹ کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور یہ پولیٹکل ایجنٹ کشمیر میں مقیم ایذیڈنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا اور ایذیڈنٹ صرف والسرائے ہند کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا اسیطرح 1930 تک خطہ شمال گلگت میں دوعملی کا سلسلہ جاری تھا مگر 1935 میں اس خطہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر اور شمال کی طرف سے بالشیوک روس کا متوقع خطرہ کی وجہ سے انگریز سرکار کو خطہ شمال پر مکمل اور مضبوط کنٹرول کی خاص ضرورت پیش آئی اس لئے ضلع استور کے علاوہ دریائے سندھ کے مغرب کا سارا علاقہ انگریزوں نے 66 سال کی مدت کے لئے مہارجہ کشمیر سے لیز پر لیا اور اس معاہدے کے بعد شمالی علاقہ جات میں درعملی کا بھونڈا سلسلہ ختم ہوا اور کشمر سے آئے ہوئے سرکاری ملازم واپس ہوئے اور

اسیطرح ریاستی افواج کے چلے جانے کے بعد گلگت کے حالات کو سنبھالنے کی خاطر گلگت سکاؤٹس کے نام سے قائم عسکری تنظیم کو مستقل کیا گیا اور اس سکاؤٹس فورس سے ایک مکمل فورس کا کام لیا گیا اور گلگت سکاؤٹس کا یہ خاص تنظیمی ڈانچہ 1947 تک یعنی برصغیر ہندو پاک کی تقسیم تک قائم رہا اسیطرح انگریز سرکار کے دور سے اس کوہستانی علاقے کا نام گلگت ایجنسی رکھا گیا تھا۔

چونکہ مہاراجہ ہری سنگھ ڈوگرہ گلگت سکاؤٹس کی مقامی عسکری تنظیم کی طاقت سے مشکوک اور خوفزدہ تھا اس لئے وہ اس سکاؤٹس تنظیم کو توڑ کر گلگت کے لوگوں کو بے دست و پا کرنا چاہتا تھا تا کہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کے بعد یہ عسکری تنظیم مزاحمت نہ کر سکے چونکہ برصغیر کے بدلتے حالات کی وجہ سے برصغیر کے تقسیم سے قبل ہی گلگت کے لوگوں کی ذہنوں میں یہ بات پوری طرح آچکی تھی کہ کشمیر کے ساتھ گلگت ایجنسی کا علاقہ بھی مہاراجہ کشمیری کو واپس ہوگا اس لئے یہ فکر عوام کے ذہنوں کو الجھا رہی تھی کہ گلگت کے 90 فیصد مسلمان عوام کی قسمت کا کیا بنے گا اور گلگت کے عام لوگوں میں بھی یہ بے چینی پھیل چکی تھی اس لئے گلگت سکاؤٹس کے سب سے سینئر کمانڈر صوبیدار میجر محمد بابر خان مغلوٹ کیانی کو اس متوقع تبدیلی کی خاص فکر تھی وہ اپنے خاندانی تاریخ کے پس منظر اور حالات سے باخبر تھے اس لئے گلگت ایجنسی کے متوقع مخدوش حالات کے بارے میں سوچا اور اپنے قریبی رفقاء اور جونیئر آفیسروں سے مشورہ کر کے ان سب کو اعتماد میں لیا اور ایک خاص انقلابی اقدام کا

حتمی فیصلہ کیا اور اسطرح گلگت ایجنسی کے عوام میں بھی تحریک پاکستان کے لئے زمین ہموار کرنے کا کام شروع ہوا چونکہ 1947ء میں تقسیم ہند سے قبل ہی انگریز جفادریوں نے گلگت ایجنسی کا انتظام مہاراجہ کشمیر کو واپس حوالہ کیا تھا مگر اپنے شیطانی مکر اور چال کی خاطر اپنے کچھ زرخرید ایجنٹ کس بھی شکل میں اس خطہ شمال میں باقی رکھا اور ان خاص ایجنٹوں میں گلگت کی قومی اور علاقائی تاریخ کا بدنام ترین شخص میجر براون تھا اس خاص ایجنٹ نے نوزائدہ مملکت پاکستان کی افواج کا سربراہ جنرل گریسی اور چند خانزادوں سے ملکر گلگت ایجنسی کی قسمت کو دور پر لگا دیا اور یہ قوم مسلمان ہوتے ہوئے اپنا پاکستان تشخص قائم نہ کرسکی انگریز کی ظاہری واپسی کے بعد مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ کی طرف سے ان کا نمائندہ بن کر ایک فوجی گورنر بریگیڈیر گھنسارا سنگھ جموال ڈوگرہ نے گلگت ایجنسی کا چارج لیا اور اس طرح اس نے اپنی خبر رساں اداروں کو چوکس کر دیا اور عوام میں سے کچھ لوگوں کو خرید کر عوام کے اندر خبریں حاصل کرنے کے لئے پھیلا دیا اور گلگت کے عوام میں خوف و ہراس اور لالچ دیکر لوگوں کو منحرف کرنے کی کوشش شروع کی گئی کیونکہ ان کو خفیہ ذرائع سے پتہ چلا تھا کہ گلگت میں بھی قیام پاکستان کے لئے کام ہو رہا ہے اسی طرح اس فوجی گورنر نے گلگت کے لوگوں کو تحریک پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کی فکر سے بدظن کرا کر دور رکھنے کی کوشش شروع کی اس سلسلے میں پہلی مرتبہ گلگت میں مسجد کے محراب سے یہ خاص نعرہ سنا گیا۔ ہندو مسلم، سکھ، عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی۔ ان ہگامی

حالات کے دوران عوامی تنظیم سرفروشان ملت نے اس انقلابی تحریک کو گھر گھر پہنچا دیا اور گلگت سکاوٹس کے اسلام دوست اور وطن پرست جونیر آفیسروں نے اسلام اور پاکستان کی خاطر تن من دھن قربان کرنیکا فیصلہ کیا اور اس عہد و پیمان پر قائم رہنے کے لئے خداوند عالم کی کتاب قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھایا صوبیدار میجر فدا علی گنش ہنزہ کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور سب آفیسرز اس کتاب مقدس پر ہاتھ رکھ کر عہد کرتے جاتے تھے اب اس مقام پر ایک قومی یادگار قائم ہے اور اس تاریخی فیصلے کے شرکاء سب شیعہ تھے اسی طرح اس عہد و قسم کے بعد اندرونی اور بیرونی سازشوں کو ناکام بنانے کی خاطر تحریک شروع کی اور راجہ محمد بابر خان مغلوٹ کیانی ان متوقع حالات کے منتظر تھے اور برصغیر کے بدلتے سیاسی اور جغرافیائی حالات سے متاثر ہونے کی وجہ سے کشمیر فوج کا ایک گلگتی آفیسر میجر حسن خان رانا کو بھی انقلاب کی خاص فکر تھی اس لئے میجر حسن خان رانا نے اپنے ساتھی مسلمان آفیسروں کے ساتھ پس پردہ انقلاب آزادی میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا آپ کا بونجی چھاونی گلگت تبادلہ ہوا تھا اس طرح بونجی گلگت میں آپ کی موجودگی سے تحریک انقلاب آزادی گلگت بلتستان کے علاوہ گلگت سکاوٹس کی عسکری تنظیم کے جوانوں اور آفیسروں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور گلگت کی سول تنظیم سرفروشان ملت کو بھی حوصلہ ملا اسی طرح جموں و کشمیر کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دن تھا جس دن اور تاریخ کو اس مظلوم قوم کی قسمت کا فیصلہ کیا گیا جب 27 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگھ

ر نے یکطرفہ طور پر کشمیر کا بھارت سے الحاق کا اعلان کیا تو اس نام نہاد معاہدے کے اعلان کے بعد ہی گلگت ایجنسی کے عوام کی قسمت نے پلٹا کھایا اور طئے شدہ پروگرام کے مطابق یکم نومبر 1947ء کو انقلاب آزادی گلگت کے لئے عملی تحریک شروع ہوئی اور اس مسلم خطہ کی آزادی کی خاطر گلگت سکاؤٹس کی عسکری تنظیم نے سرفروشان ملت کی عوامی تنظیم سے ملکر ڈوگرہ استبداد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گورنر بریگیڈیر گھنسارا سنگھ ڈوگرہ نے ایک دن قبل بونجی چھانی سے نفری منگوائی تھی اس بہانے سے میجر حسن خان رانا اپنی کمپنی کے ہمراہ یکم نومبر 1947ء کو بونجی سے گلگت پہنچ گئے تھے ان کی آمد سے گلگت کے عوام کو اور حوصلہ ملا اس طرح ایک اور گلگتی آفیسر میجر احسان علی خان وزیر جس نے اپنی کوششوں سے بونجی چھاونی گلگت تبادلہ کرایا تھا 2 نومبر 1947ء کو اپنے بچوں کے ساتھ گلگت پہنچ گئے اسی طرح مہاراجہ کشمیر کا نمائندہ گورنر بریگیڈیر گھنسارا سنگھ ڈوگرہ کی گرفتاری کے بعد انقلابی کمان کونسل کی طرف سے گلگت ایجنسی میں ایک عبوری حکومت کا قیام عمل میں آیا اور اس عبوری حکومت کا سربراہ راجہ شاہ رئیس خان مغلوٹ کیانی کو مقرر کیا گیا اور حکومت پاکستان کو اس آزاد کردہ خطہ کا نظم وضبط میں مدد کی درخواست کی گئی جنگ آزادی کے اس ہنگامی دور میں والیان ریاست نگر اور ہنزہ کی طرف سے کوئی مالی اور سیاسی مدد نہیں ملی تھی البتہ اس جنگ آزادی کے مجاہدین کا تعلق ان ریاستوں سے تھا مگر یہ مجاہد جواں اور آفیسران راجوں کے خاص دباؤ سے آزاد تھے چونکہ اس انقلاب آزادی کے بعد والیان

ریاست نگر اور ہنزہ کا مہاراجہ کشمیر اور دہلی دربار سے تعلق اور رابطہ ختم ہوا تھا۔اس لئے وہ اپنی شخصی حکومتوں کو بچانے کی خاطر حکومت پاکستان کی طرف جھک گئے اور بعض حضرات کی زبانی یہ بات سننے میں آتی ہے کہ ان والیان ریاست نے گلگت ایجنسی یعنی شمالی علاقہ جات کا پاکستان سے الحاق کے نام سے بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ سے معاہدہ کیا ہے جس کو معاہدہ کراچی کہتے ہیں میری دانست کے مطابق اگر ایسا معاہدہ ہو بھی گیا ہو تو اس نام نہاد معاہدے کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔کیونکہ یہ دونوں والیان ریاست گلگت ایجنسی یعنی شمالی علاقہ جات کے عوام کے نمائندے نہیں تھے اور نہ وہ اس قسم کے معاہدے کے مجاز تھے کہ وہ اس اہم علاقے کی قسمت کا فیصلہ یکطرفہ طور پر کر سکے اور نہ ان والیان ریاست کا اس جنگ آزادی میں کوئی واضح کردار رہا ہے ان حالات کے تناظر میں معاہدہ کراچی کے نام سے جو کچھ بھی ہوا ہے گلگت ایجنسی یعنی شمالی علاقہ جات کے لوگ اس نام نہاد معاہدے کے ہرگز پابند نہیں ہیں۔ برصغیر میں تحریک پاکستان ہو یا تحریک انقلاب گلگت ان سب مشکل اور اہم مراحل میں ملت شیعہ نے مسلم ملت اور اس علاقے کی آزادی کے لئے قوم کی بھرپور قیادت اور مدد کی ہے اسی طرح علاقہ جات کی مشہور عسکری تنظیم گلگت سکاؤٹس کے 93 فیصد جوان اور آفیسرز شیعہ اثنا عشریہ اور شیعہ اسماعیلیہ مکتب سے تعلق رکھتے تھے گلگت ایجنسی کے اس کامیاب انقلاب کے بانی اور کمان کونسل کے اہم ارکان جن کو قیادت کے تین ستون کا نام دیا جاتا ہے یعنی راجہ محمد بابر خان

کیانی رانا مرزا محمد حسن خان اور وزیر احسان علی خان شیعہ تھے اور جمہوریہ گلگت کا اولین صدر راجہ شاریس خان کیانی بھی شیعہ تھا اسی طرح یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کانگریس اور قدوائی کا حمایتی ایک خاص ٹولہ کے علاوہ شیعہ اثنا عشری، شیعہ اسماعیلی اور سنی مسلمانوں نے حسب حیثیت ملکراس جنگ آزادی کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے اور اس طرح بیرونی تسلط کا جوا اتار پھینکا اور خطہ شمال سے ڈوگرہ استبدار کا خاتمہ ہوا مگر استکباری طاقتوں کا ایجنٹ غدار قوم میجر براون کی درپردہ سازش اور خصوصی رابطوں کی بدولت پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل گریسی صوبہ سرحد کا انگریز گورنر خان عبدالقیوم خان اور لیاقت علی خان وغیرہ کی خاص پالیسی کی بدولت اس آزدشدہ خطہ کی آئینی حیثیت مشکوک بنا دی گئی اور پس پردہ خصوصی سازش کے تحت اس مخلص قوم کی قسمت کا فیصلہ الجھائے رکھا اور اس خطہ کے عوام کی پاکستان سے محبت اور اسلام سے عقیدت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس مخلص اور وفادار قوم کی قربانی اور حقوق کو پائمال کیا گیا اور اپنی بدنیتی کی بناء پر صدر جمہوریہ گلگت اور انقلابی کمان کونسل کے تین میں سے دو قائدین کو نام نہاد ملازمتوں میں پھنسائے رکھا اور ایک سوچے سمجھے پلان کے مطابق ایک تاریخی زیادتی کی گئی ورنہ بغیر کسی کی مدد کے اس اہم خطہ کو آزاد کرانے والے قائدین اور صدر جمہوریہ گلگت کو بطور انعام خصوصی پروٹول ملنا چاہئے تھا کیونکہ ان کی بے لوث قربانیوں کی بدولت چین جیسے بڑے ہمسایہ ملک سے معاہدہ کرنے کا موقعہ فراہم ہوا

مگراس دور کے خودغرض حکمرانوں نے سازش اور تعصب کی بناپران قائدین اوراس آزادی بخش قوم کو جمہوری حقوق سے محروم رکھاان کی طرف سے مدد کی درخواست پر نومبر 1947ء کے وسط تک پاکستان کی طرف سے ایک فوجی اور ایک سول نمائندہ گلگت بھیجا گیااور جنگ آزادی گلگت کی کمان کونسل کی پر خلوص مشاورت اور بھرپور تعاون کے ساتھ اس تحریک آزادی کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کی خاطر دو مجاہد کالم ترتیب دیئے گئے اس طرح ایک کالم استور سے آگے بڑھا ان مجاہدین کا کمان میجر حسن خان رانا کررہے تھےاور دوسرا کالم بلتستان کی طرف گیاان مجاہدین کی کمان میجر احسان علی خان وزیر کررہے تھے ان دونوں کمانڈروں نے 1948ء میں اپنی کاروائی کا باقائدہ آغاز کیا اسی طرح دائیں کالم کے مجاہدین کی کمان میجر حسن خان کررہے تھے ان مجاہدین کو گلگت سے دستیاب مدد پہنچائی جاتی تھی اور بونجی کے مشہور نمبر دار نیاز علی کا خصوصی تعاون اور وادی استور کے راجوں وزیروں اور عوام کی مدد سے یہ مجاہدین ایک مکمل اور مسلح فوج کے خلاف لڑتے ہوئے علاقہ گزیر کو عبور کرکے تراگبل تک پہنچ گئے تھے ان کے پاس گرمی اور سردی سے بچنے کے وسائل بھی نہ تھے ہتھیار اور ایمونیشن کی کمی کے باوجود اسلام کے نام پران کے پائے ثبات میں لگزش نہیں آئی اور آزادی وطن کا یہ قافلہ برابر آگے بڑھ رہا تھا اس طرح دوسرا مجاہد کالم بلتستان کی طرف بڑھا ان مجاہدین کی کمان میجر احسان علی خان وزیر اور راجہ محمد بابر خان کررہے تھے۔ان مجاہدین کے ساتھ بلتستان کے غیور عوام نے بھرپور تعاون کیا

بلتستان کا محاذ ہر محاذ سے اہم تھا میجر احسان علی خان وزیر کے ہمراہ کل 240 مجاہد سکاؤٹس تھے جن کے پاس ایک ایک رائفل کے ساتھ صرف پوچ ایمونیشن تھا جبکہ میجر احسان علی کا کالم کا مقابلہ ایک بریگیڈ فوج کا توپخانہ اور وضائی طاقت سے تھا مگر میجر احسان علی خان نے اپنی جنگی حکمت عملی سے اپنے مجاہد سکاؤٹس کی دلیری اور بلتی عوام کی اسلامی ایثار وقربانی کی بدولت ایک ڈویژن بھارتی افواج سے مقابلہ کر کے نہایت حیران کن کارنامہ انجام دیا اور جنگ کے بعد دشمن سے چھینا ہوا اسلحہ سے ایک بریگیڈ کی طاقت کے دو یونٹ قائم کئے اسیطرح بلتستان کے عوام کا جذبہ اسلام اور زمین وطن سے محبت کا منطقی نتیجہ تھا کہ میجر احسان علی خان اس محاذ پر معرکہ سر کرتا ہوا لداخ سے صرف چند میل کے فاصلے پر پہنچ گیا تھا اور دونوں محاذوں پر دونو ں کالم آگے کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اس دوران میدان جنگ میں ہی میجر حسن خان اور میجر احسان علی خان سے کمان کا چارج لیا گیا اور کمان کی تبدیلی کے ہفتہ بعد ہی مجاہد سکاؤٹس کو مزاحمت اٹھانا پڑی اور ۱۳ ہزار مربع میل کا جیتا ہوا علاقہ گنوا کر پیچھے ہٹنا پڑا اس طرح کارگل اور لداخ کا علاقہ پھر ہاتھ سے نکل گیا اور صرف بلتستان کا علاقہ باقی رہ گیا اور اس نگی سازش کے بعد لیاقت علی خان نے ہندوستان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر کے اس جہادی تحریک کو بند کرایا اور مجاہد سکاؤٹس جہاں تھے وہاں رہ گئے چونکہ مسلمان ملک اور قوم کے ناطے مدد مانگنے پر حکومت پاکستان نے وزارت امور کشمیر کا ایک جائنٹ سکریٹری کو پولیٹکل ایجنٹ/ایڈیڈنٹ

کے نام سے قانونی اور انتظامی اختیارات دیکر گلگت بھیجا تھا وہ مقامی حکومت کا سربراہ ہوتا تھا اس کے پاس وسیع اختیارات ہوتے تھے اور وہ مقامی حکومت کا بے تاج بادشاہ ہوتا تھا اس لئے اس وفادار قوم کو بدنام زمانہ ایف، سی، آر کے کالے قانون کے تحت آئینی حقوق سے محروم رکھا گیا اسیطرح ہر آنے والے حکومتی منتظم نے گلگت و بلتستان کے مسلمان اور محبّ وطن عوام کو دبائے رکھا کسی قوم کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کو اپنے انسانی اور شہری حقوق سے محروم رکھنا سب سے بڑا ظلم اور زیادتی ہے اور بعد میں پاکستان پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں گلگت ایجنسی کے غیور عوام کی اکثریت اس غیر جانبدار پارٹی کی حامی تھی کیونکہ گلگت و بلتستان کا ہر دانشور اس پارٹی کے منشور سے متاثر ہو کر اس کا حامی بنا تھا اس طرح پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیوں میں اس پارٹی کو زیادہ پذیرائی ملی تھی اور اب بھی پاکستان پیپلز پارٹی عوامی سطح پر شمالی علاقہ جات کی سب سے بڑی اور غیر جانبدار سیاسی پارٹی ہے اس دور کے دانشور وکلاء اور پارٹی کے عہدیداروں کی کوششوں اور پیپلز پارٹی کے جمہوری دستور العمل کی بدولت اس پارٹی کے بانی چیئرمین اور وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت کے دوران گلگت ایجنسی کا نام تبدیل کر کے شمالی علاقہ جات رکھا اور بدنام زمانہ فرنٹیر کرائمز ریگولیشن کا نام نہاد کالا قانون میں تبدیلی لا کر عوام سے مالیہ اور نقد کی لعنت کو ختم کیا اور گلگت و بلتستان کی بعض جگہوں میں موجود راجگی نظام کا خاتمہ کر دیا لیکن جنگ آزادی گلگت وبلتستان کے دوران قابل قدر اور نمایاں خدمات

انجام دینے والی مشہور عسکری تنظیم گلگت سکاؤٹس کو بھی توڑ دیا اور اس فورس کی جگہ پولیس فورس بنائی گئی اور ملکی سرحدات کی حفاظت کی خاطر ناردن ایریا لائٹ اینفنٹری کے نام سے ایک نئی فوجی تنظیم کی بنیاد رکھا اس طرح شمالی علاقہ جات کے بے روزگار جوانوں کو روزگار فراہم کیا گیا اس سے قبل گلگت ایجنسی سے روالپنڈی جانے کے لئے مقامی انتظامیہ سے تحریری اجازت لینی پڑھتی تھی کیونکہ 1960ء کے دوران خود راقم نے حصول تعلیم کی خاطر روالپنڈی پاکستان جانے کے لئے پولیٹکل انتظامیہ کو درخواست دیکر تحریری اجازت نامہ حاصل کیا تھا اور پندرسال کے اندر ان غیر ضروری پابندیوں میں تبدیلی آئی ہے مگر ہر دور میں شمالی علاقہ جات میں آنے والی انتظامیہ نے تعصب سے کام لیا اور ان جانبدار افراد کی بدولت بعض جگہوں کے لوگوں کو خصوصی مراعات حاصل ہیں اس لئے یہاں ''یک بام دو ہوا'' کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اسیطرح شمالی علاقہ جات پر حاکم انتظامیہ نے ایک خاص گروپ کو پریشر گروپ کے نام پر قائم رکھا ہے اور اپنے ان خصوصی عنایات کی وجہ سے اس خاص گروپ کو جری بنا دیا ہے تا کہ بوقت ضرورت اس کے ذریعہ اپنا راستہ ہموار کر سکے۔ آج تک اس علاقے میں آنے والا حاکم قانون اور اخلاق کے بندھنوں سے آزاد ہو کر آیا ہے اور ہر آنے والے حاکم نے دانستہ طور پر جانبداری اور تعصب کی عینک لگا کر حکومت کرتا آیا ہے اور ان خاص عوامل کی بدولت ملت شیعہ کو مسائل و مشکلات سے دو چار ہونا پڑھ رہا ہے چونکہ ہر آنے والا نیا رنگ اور ڈھنگ بدل کر

آتا ہے اور مکتب شیعہ جعفری ثقافت کی پیروی میں زندگی گزارنے کا پابند اور عادی ہے اس کے اندر اسلام محمدی کے سنہرے اصولوں کے مطابق بردباری اور تحمل مزاجی کا جذبہ موجود ہے اس لئے یہ مکتب اسلام اور زمین وطن سے محبت رکھتا ہے ورنہ ایک اور انقلاب کا راستہ موجود ہے یا ایک اور کربلا بنانے کا جذبہ اور حوصلہ بھی رکھتا ہے۔

بدقسمتی سے شمالی علاقہ جات پر حاکم بیرو کریسی نے آج تک اپنے مفادات کی خاطر نوآبادیاتی طرز حکمرانی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا ہے اس لئے جب بھی اس خاص اور اہم خطے کے مسلمان مل کر حقوق اور شہریت کی بات کرتے ہیں تو علاقے پر مسلط خودمختار انتظامیہ اور خفیہ ایجنسیاں مذہب کے نام پر اس قوم کو آپس میں الجھا کر لڑاؤ اور حکومت کرو کی اشکباری پالیسی پر عمل کرتی ہیں اور ایسے خاص موقعوں پر ان خاص مراعات یافتہ لوگوں کو خصوصی طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور مسلک وفقہ کے نام پر ان مراعات یافتہ لوگوں کو محراب و مسجد کے ذریعہ استعمال کرنے کی کوشش ہوتی ہے بقول افلاطون: مذہب کے نام سے ایک مختصر گروہ اکثریت پر غالب آجاتا ہے چونکہ دین کا مسئلہ حساس ہوتا ہے اور مذہب کے نام پر عوام کو ورغلانا نہایت آسان ہوتا ہے اور مذہب کے خاص نام پر ظاہری تقدس مآب لوگ فی سبیل اللہ فساد کی خدمت انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بلادلیل کسی کلمہ گو کو کافر اور مشرک کہنا نادان لوگوں کے نزدیک آسان ہے مگر کسی بھی عالم دین کے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ عالم کسی کے خلاف فتویٰ لگانے کے لئے قرآن وسنت سے دلیل تلاش کرتا ہے تاکہ

مسلم معاشرے میں تفرقہ پیدا نہ ہو جو مسلم برادری کے لئے زہر قاتل ہے:

دین عالم فکر وتدبیر وجہاد دین ملا فی سبیل اللہ فساد

اس طرح درباری علماء اپنی انا اور مفاد کی خاطر کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کو کافر کہہ کر آپس میں تفرقتیں بڑھا دیتے ہیں چونکہ ہر ناداں شخص خود اس کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہی کہہ دیتا ہے دنیا میں مساجد اور امام بارگاہیں اسلام اور ایمان کی تبلیغ کی خاص جگہیں ہیں مگر دل اور ضمیر کے اندھے لوگ ان مقدس مقامات کو اپنی ذاتی تشہیر اور مفاد کی خاطر استعمال کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایک دوسرے کے خلاف غلیظ زبان استعمال کر کے ان مقدس جگہوں کا تقدس پائمال کرتے ہیں اور ان بے ہنگام حالات میں حکمران تماشائی بنے رہتے ہیں تا کہ اس صدائے بے ہنگام کے ذریعے آپس کے جذبات مجروح ہوں اور اس طرح یہ لوگ آپس میں ہر وقت الجھے رہے اور حکمران چین کی بانسری بجائے مکتب شیعہ کی مذہبی ثقافت میں حق کی خاطر تحمل اور برداشت کا مادہ علمی اور عقلی دلائل کے علاوہ فطری طور پر بھی موجود ہوتا ہے۔ اس لئے شیعہ مکتب فکر ہر بے دلیل بات کو جاہلوں کی بھڑک سمجھ کر نظر انداز کرتا ہے اور اندھی تقلید کا قائل نہیں ہے مگر اس صبر وتحمل اور شرافت کی صفت پر مفت کے مفتی الزام دیتے ہیں کہ شیعوں کے ہاں جہاد نہیں ہے لیکن قرآن وسنت کی روشنی میں یہ لوگ خود فلسفہ جہاد سے ناواقف ہیں شیعہ مکتب کی رسائل عملیہ میں فروع دین کے باب میں جہاد پانچواں واجب رکن ہے دین اسلام اجتہاد اور تحقیق کا دین ہے اور علم وعمل کے

اس نئے دور میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے مگر بدقسمتی سے شمالی علاقہ جات گلگت کے اس اہم خطے میں جب بھی اتحاد اور بھائی چارہ کی فضاء قائم ہوتی ہے تو یہاں کے حکمران اور بیروکریسی کو یہ پرامن فضاء اچھی نہیں لگتی اس لئے وہ کسی نہ کسی بہانے سے کسی بھی مسجد کے مولوی کو لعمہ دیکر علاقے کی پرامن فضا کو مکدر کرانے کی کوشش کرتی ہے ورنہ حکومت کس پرندے کا نام ہے۔

خطہ شمال کے لوگوں کی بڑی بدقسمتی تھی کہ 72-1971ء کے دوران گلگت میں سب سے پہلا شیعہ اور دیوبندی فساد ہوا اور اس دوران پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ رونما ہوا تھا کیونکہ ہندوستان کی سازش اور بے جا مداخلت کی وجہ سے پاکستان کا مشرقی بازو ہم سے کٹ چکا تھا اور اس خاص مصیبت کے وقت گلگت کی دیوبندی مسجد سے لاؤڈ سپیکر پر مچھلی خور بنگالیو زندہ باد کا نعرہ لگا پھر 1974ء میں شیخ عبداللہ اور اندرا گاندھی کا کشمیر میں گٹھ جوڑ ہوا اور شیخ عبداللہ نے شمالی علاقہ جات پر اپنا حق کا اعلان کیا تو اس کے ساتھ ہی گلگت میں خانہ جنگی کے سے حالات پیدا کرادیئے گئے اور شاہراہ ریشم پر کام کرنے والے چینی مزدوروں پر حملے ہوئے اور کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی جس کی وجہ سے حکومت نے ضلع کوہستان میں فوجی مداخلت کیا اور اسی سال محرم کے جلوس عاشورہ کے موقعہ پر فوج کی موجودگی میں دیوبندی مسجد سے جلوس محرم پر فائرنگ ہوئی اور اس فائرنگ کے نتیجے میں 17 ماتمی زخمی ہوئے جانبدار انتظامیہ نے کسی کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی نہیں کی

پھر 1980ء میں خود مختار اور جانبدار انتظامیہ نے سواد اعظم کے سنیوں کو ہمنوا بنانے کی خاطر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انجمن حسینیہ نگر سے نکلنے والا جلوس اربعین کو روکنے نا کام کوشش کی اور اس ننگی سازش کی وجہ سے ایک جوان شہید ہوا اور ایک جوان زخمی ہوا پھر اس طرح 1983ء میں مذہب اسلام کے نام پر دیو بندی مولویوں نے چیلاس ضلع دیامیر میں کام کرنے والے شیعہ سرکاری ملازمین کو ضلع دیامیر سے نکلنے کا حکم دیا قتل کی دھمکی دی گئی اس خصوصی حکم پر افراتفری پھیل گئی اور جانبدار انتظامیہ کی بے حسی کی وجہ سے یہ مولوی حضرات اپنا خالصہ شاہی احکامات جاری کرتے رہے اسی طرح پھر 14 مارچ 1984ء میں چیلاس کی شیعہ مسجد اور جماعت خانہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جس جگہ کو مسجد قرار دیکر اس میں نماز پڑھی جائے وہ جگہ محترم ہوتی ہے اور محترم جگے کا احترام فرض بنتا ہے اور مسجد کو صاف ستھرا رکھ کر اس میں بھی نماز پڑھی جاتی تو بہتر تھا مگر شیعہ دشمنی نے دیو بندیوں کو اندھا کر دیا اور یہ مسجد اب تک ویران پڑھی ہے اس طرح شیعہ مسجد اور جماعت خانہ کے احراق کے بعد شمالی علاقہ جات کا اس وقت کا مطلق العنان ایڈمنسٹر یڑ نے بظاہر اس غیر اسلامی حرکت سے اظہار بیزاری کیا اور پولیس فورس اور مقامی انتظامیہ کی غیر تسلی بخش کارکردگی کا بہانہ کر کے فرینیٹیز فورس کی آمد تک اس غیر اسلامی اور غیر قانونی اقدام کے خلاف تادیبی کاروائی کو موخر کر دیا مگر ایف، سی فورس کی آمد کے بعد بھی اس جانب توجہ نہیں دیا گیا اس غیر شرعی حرکت میں ملوث مجرموں

کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی دین اسلام کے فلسفہ عمرانیات میں نئی مسجد تعمیر کرنا سنت ہے اور مسجد کی تعمیر کے بعد اس کی حفاظت ونگرانی اور پاک وصاف رکھنا واجب ہے شیعہ قیادت کی بے توجہی اور غیر ضروری مسائل کی بدولت چیلاس دیامیر کی شیعہ مسجد دم تحریر خرابہ کی شکل میں ویران پڑھی ہے واقعہ احراق مسجد کے علاوہ کئی ایسے واقعات باوجود نیز انتظامیہ کی دانستہ غفلت کی وجہ سے دیوبندی اسلام کے پرستار جری بن گئے اسطرح ان کی غیر قانونی سرگرمیاں اور بڑھ گئی پھر عین اس وقت روس کی ایما اور مدد سے ببرک کارمل کی حکومت نے افغانستان سے آئے دن پاکستانی علاقوں پر بمباری کروارہی تھی اور دوسری طرف سیاچن گلیشر میں جو دنیا کا سب سے اونچا محاذ جنگ ہے ہندوستانی اور پاکستانی افواج کے درمیان تصادم جاری رہتا تھا شمالی علاقہ جات گلگت میں مذہبی منافرت کو خوب ہوا دی جارہی تھی۔ اس طرح یہ لوگ شیعہ آبادی کو اشتعال دلا کر علاقہ جات کی فضاء کو خراب کرنا چاہتے تھے اور آئے دن کفر وشرک کے بے سروپا فتوئی بازی اور قتل وجہاد کے نام نہاد اعلانات ہر جمعہ کو سنائے جاتے تھے اس طرح ان لوگوں کی ان غیر اخلاقی اور غیر اسلامی حرکتوں سے ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا اور ملت شیعہ خیر البریہ ان حرکتوں کا جواب، این جواب آن غزل کے طور پر دینے کی بھرپور صلاحیت کے باوجود حکم قرآن کے مطابق جب جاہل لوگ تم سے مخاطب ہوں تو خاموش رہو کے اصول اخلاق پر عمل کرتے ہوئے خاموش رہتی رہی یہ خاموشی کمزوری نہیں صبر کا یہ رویہ ثقافت جعفریہ کی پیروی

اور ملک وملت سے وفاداری کی واضح دلیل ہے۔

اس طرح ان مسلسل سازشوں کے ذریعے اس وفادار اور محبّ وطن قوم کو مسائل ومشکلات میں پھنسائے رکھا اور پھر مئی 1988ء میں رونما ہونے والا شرمناک سانحہ شمالی علاقہ جات گلگت کی تاریخ کا بدترین واقعہ تھا اس منظّم لشکر کشی کے پس پردہ حالات اور واقعات پر غور کیا جائے تو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اسلام کے ٹھیکہ داروں نے دین اسلام کے مقدس نام پر عالمی استکبار کا حق نمک خواری ادا کیا ہے اس سلسلے میں ماہ اپریل کے اوائل میں اسلام آباد سے تین انسان دوست سنی گلگت آئے تھے اور ان حضرات نے انسانی ہمدردی کے تحت صدر انجمن امامیہ مرکزی جامع مسجد گلگت وامام جمعہ والجماعت آقائے سید عباس علی شاہ نجفیؒ اور راقم سے ملکر قبل از وقت اس خاص خبر کو بتا دیا تھا کہ گلگت کے شیعوں پر لشکر کشی ہونے والی ہے مگر ہم نے اپنے ضمیر کے مطابق بطور حسن ظن اس طرف خاص توجہ نہیں دیا اس منظّم لشکر کشی میں دیگر سنی حضرات نہیں تھے صرف دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے علاوہ C,I,A کا منظور نظر مولوی گلبدین حکمت یار کے حامی 7500 تربیت یافتہ کرائیے کے مجاہد جو دو لاکھ فی کس کے حساب سے میاں والی کیمپ سے سیلائے گئے تھے اس حملے کے کمانڈر صوبہ سرحد کا گورنر فضل حق اور وزیر امور کشمیر وشمالی علاقہ جات قاسم شاہ تھے اس لئے اس لشکر کو اتنے لمبے فاصلے سے گلگت پہنچانے کے لئے ہر ضلع کے ذمہ دار افراد کو اعتماد میں لیا گیا تھا اور منظّم منصوبہ بندی کے تحت ہر گروپ کا ایک

امیر مقرر تھا اور ہر گروپ کے ہمراہ ہلکا اور بھاری اسلحہ ایمونیشن اور ایمبولنس گاڑیوں کے علاوہ وائرلس کمونیکیشن کا بندوبست بھی تھا اس طرح دیوبندی مدارس کے طلباء کے علاوہ راہنمائی کے لئے مقامی دیوبندی لوگوں کا تعاون حاصل تھا اس لشکر کشی میں بعض سول اور فوجی آفیسر بھی ملوث تھے اور اس واقعہ فاجعہ کے بعد گلگت کے جناب نادعلی رانا نے مشہور قوم پرست لیڈر جناب خان عبدالولی خان سے ملاقات کی تھی اس وقت خان صاحب نے اپنے اخباری انٹرویو میں کہا تھا مئی 1988ء میں گلگت پر لشکر کشی جنرل ضیاء الحق اور جنرل فضل حق کی نگرانی میں ہوئی تھی اس حملے میں صوبہ سرحد میں مقیم افغان مہاجرین اور کفر کے فتوے لگانے والے ملاؤں کی مدد اور حمایت حاصل تھی اور حکومتی مشینری استعمال ہوئی اور اس لشکر کشی کا کنٹرول روم اسلام آباد میں امریکی سفارت خانہ تھا اسیطرح مئی 1988ء کا سانحہ فاجعہ اسلام کے نام پر نام نہاد دیوبندی مسلمانوں کی طرف سے ایک غیر اسلامی حرکت تھی اور اس غیر اسلامی حرکت کی وجہ سے دین اسلام اور ایمان کی تضحیک کے علاوہ پوری دنیا میں اسلام اور پاکستان کی بڑی بدنامی ہوئی کیونکہ یہ غیر اخلاقی حرکت اسلام کے نام پر کی گئی تھی اگرچہ ملک میں آباد ہر شہری کو اپنی افواج اور نظام عدل پر بھروسہ اور اعتماد ہوتا ہے اور ہر ملک کے لوگ ان دو اہم اداروں پر پورا بھروسہ کرتے ہیں جب کہ 23 مئی 1988ء کی صبح 9 بجے جلال آباد گاؤں کے گھر جل رہے تھے اور اس جلی ہوئی آبادی کا دھواں آسمان سے باتیں کررہا تھا راقم اور ڈسٹرکٹ ممبر امیر شاہ

صاحب نے شمالی علاقہ جات کے فورس کمانڈر میجر جنرل ایاز احمد خان سے ایف سی، این، اے جوٹیال گلگت میں خصوصی ملاقات کر کے انکو اس یکطرفہ لشکر کشی کے بیانک واقعات اور مخدوش حالات پر نہایت تفصیلی سے بات کی اور جلد اس وحشیانہ جارحیت کو مطالبہ کیا مگر جنرل موصوف نے سیاچن کے محاذ پر ہونے والی جھڑپ کا حوالہ دیکر کہا کہ میرے پاس نفری نہیں ہے اور اتنے بڑے لشکر کو روکنے سے مجبور ہوں پورے علاقے کا محافظ فورس کمانڈر کی زبان سے لفظ مجبور سنکر ہمارے دل و دماغ بھی سن ہو گئے اور نہایت مایوسی کے عالم میں ہم دونوں دنیور واپس ہوئے مگر چار گھنٹہ بعد وہی مجبور فورس کمانڈر نے فوجی ہیلی کاپٹر کو دنیور چوک کے ایک کھیت میں اتار کر ناراض عوام کے سامنے خود یہ اعلان کیا کہ مجھے جہاں روکنے کا حکم ملا میں نے وہاں پر روک دیا ہے اسطرح ان چار گھنٹوں کے اندر اس بڑے مسلح لشکر کو روکنے کی خاص ضرورت کیوں پیش آئی اس کے پس پردہ مضمرات مندرجہ ذیل تھے:

1:۔ اس منظم سازشی منصوبے میں صرف ۶ دن کا اپریشن پلان تھا مگر ایک دن قبل شیعوں کی عید الفطر کی وجہ سے اور سکوار گاؤں کے محاذ پر خلاف توقع سخت مقابلہ اور مزاحمت کی بدولت یہ پہلا دور بری طرح ناکام ہوا کیونکہ سکوار گاؤں فوجی چھاونی سے ایک میل کے فاصلے پر ہے حملہ آوروں نے اس گاؤ کو جلا کر دنیور کی جانب رخ کرنا تھا اس خاص منصوبے کے لئے صرف ۳ گھنٹے مقرر تھے مگر گٹم سر سکوار کے محاذ پر خالی ہاتھ مدافعین نے مسلح لشکریوں کو 52 گھنٹے تک روک کر ان کو شرمناک شکست

دیا۔

2:۔ملکی محاذوں خصوصا بلتستان اور سیاچن کے محاذ جنگ پر وطن کا دفاع کرنے والے فوجی جوانوں تک اس بلا جواز اور شرمناک لشکر کشی کی افسوناک خبر پہنچ گئی تو ان جوانوں کے دل میں اپنے گھر بار اور ناموس کی خاص فکر لگی اور ان کے جذبات میں خاص تبدیلی کا امکان پیدا ہوا۔

3:۔مذہب کے نام پر ہونے والے اس حملے کی مکمل خبر سے آگاہ ہونے کے بعد بلتستان کے عوام کی طرف سے حکومت کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ یہ سلسلہ مزید جاری رہا تو ایک نیا راستہ کھولا جائیگا۔

4:۔جلال آباد، اوشکھنداس، سکوار اور دنیور سے گھر بار چھوڑ کر بے گھر ہونے والے اکثر مہاجرین کا یہ فیصلہ تھا کہ گلگت انتظامیہ اور پاک فوج ہمیں تحفظ نہ دے سکی لہذا گلگت کی سرحد پار کر کے چائنا سرحد میں جا کر چین سے پناہ طلب کی جائے اور اسی طرح ان پس پردہ افسوس ناک حالات وواقعات سے باخبر ہو کر محکمہ اینٹلی جنس لبیرو گلگت کے سربراہ جناب مجیب الدین صاحب کی خصوصی رپورٹ پر اس شرمناک اور جارحانہ حملے کو روکنے کا حکم دیا گیا اور امریکی سفیر رافیل کو سرینہ لاج گلگت میں بٹھا کر جلی ہوئی شیعہ بستیوں کا نظارہ کرانا مقصود تھا وہ پورا ہو گیا تھا ملت شیعہ کے خلاف اس بزدلانہ لشکر کشی کے حوالے سے سابقہ صفحات میں کچھ واقعات بطور مثال اور دلیل پیش کیا ہے اس طرح شمالی علاقہ جات گلگت کی اس وقت کی

متعصب اور جانبدار انتظامیہ نے اس مراعات یافتہ گروہ سے ملکر جب بھی موقعہ ملا اس ملت کو مسائل ومشکلات میں پھنسانے کی ہر بار کوشش کی ہے مگر بردبار شیعہ قوم نے ہر بار دانشمندی کا ثبوت دیکر دین فلسفہ اسلام اور ملک وملت کو بدنام ہونے سے بچایا اس حوالے سے تاریخ اسلام کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس ملت کا ایک روشن اور تابناک ماضی ہے چونکہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد عالمی استکبار اپنے زرخرید چاکروں کے ذریعے اس ملت کو پاکستان کے اندر دباؤ میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ پاکستان کے اندر موجود شیعہ ملت مرعوب رہے اور استکبار کے نمایندوں کا رعب بھی قائم ہوتا رہے۔

شیعہ ملت تاریخ کے ہر دور میں صابر رہی ہے جابر نہیں! چونکہ شمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان دین اسلام اور پاکستان کا بازوے شمشیر زن ہے اور اس ملت کی ابدی حقیقت کو امریکی چال اور سعودی ریال کی طاقت سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے ۔مگر اس مراعت یافتہ گروہ کی خبث باطنی اور شیعہ قیادت کی غیر دانشمندانہ اور غیر مربوط پالیسیوں کی بدولت اس اہم خطے میں روز بروز مسائل ومشکلات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے عملی کام کم ہورہا ہے نعرہ بازی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے یعنی مرغی انڈا چھوٹا دیتی ہے اور اونچی آواز میں کتاک کرتی ہے متعصب انتظامیہ کی جانبدارنہ طرز حکمرانی کی بدولت ایک خاص اور واضح قومی پالیسی مرتب ہونی چاہئے مگر آج تک اس ملت کی قسمت جذباتی اور سخت گیر افراد کیا انانیت اور ذاتی معادات میں گرفتار

رہی ہے۔اسلئے اس علاقے پر حاکم انتظامیہ ایک تیر دو نشان کی پالسی کو بڑی دلیری اور کامیابی کے ساتھ چلا رہی ہے اور اس طرح پاکستان میں شیعہ ملت کی مذہبی قیادتوں کی غیر دانشمندانہ پالیسیوں کی بدولت عالمی استکبار اور اس کے بہی خواہ لوگوں کیلئے سازشی منصوبوں کا راستہ ہموار ہوتا جاتا رہا ہے اور اسی پالیسی کے تحت مئی 1988ء میں گلگت کے شیعوں پر ایک منظّم لشکر کشی کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا اور اسیطرح اس خاص لشکر کشی کے لئے بہانے تلاش کئے جا رہے تھے۔کیونکہ کسی نہ کسی طرح گلگت کے شیعوں کو بدنام کر کے حملے کا جواز بنایا جائے اس لئے اس سانحہ فاجعہ سے قبل بطور مقدمہ موضع جا گیر بسین بالا گلگت کی دیو بندی مسجد کو ڈائنامیٹ سے اڑانے کی سازش کی گئی تھی اور اس سازش میں ملوث شخص خود بھی دیو بندی سنی تھا مگر خوش قسمتی سے وہ نام نہاد مسلمان رنگے ہاتھوں گرفتار ہوا اور گرفتاری کے بعد اس نے پس پردہ سازش کرنے والوں کو بے نقاب کرنے کی دھمکی دیا تھا اس لئے وہ باعزت طور پر بری ہوا اور یہ بات یاد رہے کہ فقہ جعفریہ میں مسجد کا احترام واجب ہے اور کسی طرح کی بے ادبی حرام ہے اور پھر مرتب کردہ منصوبے کے تحت بانی انقلاب اسلامی جمہوریہ ایران حضرت آیۃ اللہ امام روح اللہ خمینیؒ کے خلاف جگہ جگہ غلیظ نعرے لکھوائے گئے تاکہ گلگت کے شیعہ اس سے اشتعال میں آ کر ردعمل کا اظہار کرے تاکہ لشکر کشی کا جواز مل جائے مگر ملت شیعہ نے اس نازیبا حرکت کو دشمنوں کی سازش قرار دیکر امن پسندی یا بزدلی کا عام مظاہرہ کر کے مقامی خود مختار انتظامیہ تک اپنا

احتجاج پہنچایا اور یہ بھونڈی سازش بھی ناکام ہوئی اس کے بعد ایک اور بھونڈی سازش کے ذریعے سنیوں کو اشتعال دلا کر شیعوں کو بدنام کرنے کی خاطر خلفائے ثلاثہ کے خلاف مختلف دیواروں پر جگہ جگہ چاکنگ کرائی گئی اور ان دونوں واقعات میں لکھنے والے کی لکھائی اور سیاہی بھی ایک تھی اسیطرح جمعہ 13 مئی 1988ء کو گلگت میں عالمی یوم القدس منایا گیا اور اس ایمان افروز اجتماع میں شیعہ سنی علماء اور مقررین نے قبلہ اول بیت المقدس کی آزادی اور وحدت المسلمین کے اہم موضوعات پر کھل کر اظہار خیال کیا اور گلگت شہر میں ہونے والے ان نازیبا اور اشتعال انگیز واقعات پر اظہار افسوس کے ساتھ ان پس پردہ سازشوں کی بھرپور مذمت کی گئی اور اس گھناؤنی سازش سے لاتعلقی کا اعلان بھی کیا مگر اس دن دیوبندی مساجد میں جمعہ کے خطبات کے دروان ملت شیعہ کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں کے علاوہ حسب عادت شیعوں کے خلاف کفر کے بازاری فتویٰ بازی بھی ہوتی رہی اسی دن جمعۃ الوداع کے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد اوشکھنداس گاؤں کے چند لڑکے ٹریکٹر پر سوار ہو کر واپس اپنے گاؤں جاتے ہوئے برائت از مشرکین کے خدائی حکم کے مطابق عالمی استکبار یہود و نصاریٰ کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے کشروٹ محلّہ کی بڑی سڑک سے گزر رہے تھے کشروٹ محلّہ کے چند دیوبندی مسلک کے لڑکوں نے ان کا راستہ روک کر ان پر حملہ کر دیا اس طرح اس حملے اور مارکوٹائی میں خودکار اسلحہ سے فارنگ بھی کی گئی اور اس گیرا گیری کے دوران ڈپٹی سپرنڈنٹ پولیس

راجی الرحمت صاحب نے موقعہ پر پہنچ کر اس جھگڑے کو ختم کرانے کی کوشش کی مگر اس جھگڑے میں ان کے پاؤں میں گولی لگی دو عدد سوزوکیوں کے علاوہ ایک دکان بھی جلا دیا گیا اور شر پسندوں نے دو پولیس سپاہی بھی زخمی کر دیئے اور اس کھلی غنڈہ گردی اور دہشت گردی کے باوجود حکام بالا کی طرف سے کوئی تادیبی کاروائی نہیں ہوئی اس لئے مقامی انتظامیہ کے خاص لوگ اس پس پردہ لشکر کشی کے پروگرام سے واقف تھے اور مقررہ تاریخ تک گلگت کی عام فضاء کو مسموم رکھنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ اس بھیانک سازش کو مربوط اور منظم کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس دوران وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات قاسم شاہ اپنا سازشی مشن کی خاطر گلگت کے خصوصی دورے پر آیا اور شیعہ اور سنی افراد کو امن مزاکرات میں الجھائے رکھا اور منصوبہ ساز لوگ پس پردہ اس شرمناک اور انسانیت سوز سازش کی تیاری میں لگے رہے اور وزیر قاسم شاہ مزاکراتی لوگوں کو سیاست سکھانے کی کھلی دھمکی دیکر واپس اسلام آباد چلا گیا۔

غیبی امداد

شمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان میں آج تک اکثر و بیشتر اہل تشیع اہلسنت سے ایک دن بعد عید الفطر مناتے رہے ہیں کیونکہ فقہ جعفریہ کے حکم کے مطابق صرف ریڈیو کی ایک خبر سے یکم شوال کی تاریخ ثابت نہیں ہوتی ہے اس لئے یہ خبر واحد کہلاتی

ہے اور ایسی خبر پر عمل نہیں ہوسکتا ہے اور ایسی خبر کی صحت یقین کامل سے مشروط ہوتی ہے چونکہ یکم شوال کی تاریخ ثابت ہونے کے لئے انسان خود چاند دیکھے یا رمضان ماہ کے ۳۰ دن پورے ہوں یا مختلف شہادتوں سے یقین کامل حاصل ہو مگر خوش قسمتی سے اس سال خلاف معمول 17 مئی کو بلتستان میں چاند نظر آنے کی شرعی شہادت کے ساتھ یقین حاصل ہوا تو ملت شیعہ نے گلگت میں ایک دن قبل عید الفطر منایا اس طرح شیعوں کے حق میں اس پس پردہ گھناونے سازش کے مقابلے میں خداوند عالم کی طرف سے ایک خاص غیبی امداد تھی اور ملت شیعہ ایک بہت بڑے خطرناک حادثے سے محفوظ رہی اسیطرح عید کی تاریخ کی تبدیلی کی بدولت خالی ہاتھ نمازی اس بھیانک حملے سے بچ گئے اور سازش کا یہ منصوبہ ناکام ہوا اور 17 مئی 1988ء کو عید کی نماز سے فارغ ہو کر شیعہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے چند شیعہ جوان کشروٹ محلہ سے سڑک پر سگریٹ پیتے ہوئے گزر رہے تھے اگر چہ بطور اخلاق ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اس دوران چند دیوبندی جوانوں نے ان لڑکوں کو روک کر رمضان میں سگریٹ پینے کا بہانہ بنا کر ڈانٹ پلا دیا اور بدزبانی کے ساتھ شرارت پر اتر آئے اور بات بڑھ گئی اس دوران دیوبندی جوانوں میں سے ایک نے سامنے موجود پولیس سپاہی سے بندوق چھین کر فائر کیا اور اس فائر سے ایک جوان پاؤں میں گولی لگنے سے زخمی ہوا چونکہ مرتب کردہ پلان کے مطابق کوئی بہانہ تلاش کرنا تھا اس طرح گلگت کے حالات خراب کرا کر اس خاص منصوبے پر عمل کرنے کے لئے

راہ ہموار کرنا تھا اس کشمکش اور منہ ماری کے ساتھ ان لوگوں نے شیعوں کا محلہ نگرل کی طرف خودکار ہتھیار سے فارنگ بھی کر دی اور فائرنگ کے ردعمل کے طور پر محلہ نگرل کی طرف سے بھی جوابی فائرنگ ہوئی اس طرح محلہ نگرل کا ایک جوان گولی لگنے سے زخمی ہوا اور کشروٹ محلہ کا ایک جوان بھی زخمی ہوا تھا جو بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسا۔اس فائرنگ میں ایف،سی،کا کردار قابل تعریف نہ تھا اور اس طرح 18 مئی 1988ء کو اہلسنت نے عید منائی اور دیوبندی خطیبوں نے عید الفطر کے خطبوں میں دل کھول کر شیعوں کے خلاف بولا ان کو کافر اور بدعتی کہہ کر ان کے خلاف جہاد کرنا فرض قرار دیا اور عوام الناس کو شیعوں کے خلاف جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیا اسطرح 18 مئی کی شام تک منصوبے کے تحت گلگت شہر سے مشرق کی جانب 9 میل کے فاصلے پر آباد مناور گاؤں میں کم از کم پانچ ہزار تک مسلح حملہ آور لشکری داخل ہو چکے تھے مناور گاؤں کی آبادی شیعہ سنی افراد پر مشتمل ہے مگر شیعہ آبادی کی تعداد کم ہے اس لئے اچانک حملہ آور مناور گاؤں میں داخل ہو کر شیعہ آبادی کو یرغمال بنایا اور ان کی مساجد اور امام بارگاہ کو گرادیا اور نائب ناظم تعلیمات مظفر علی خان کو جو عید ملنے مناور گاؤں گیا تھا اغواء کر کے قتل کر دیا اور ابھی تک ان کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں چلا اس طرح جناب شیخ جہانگیر حسین قمی جو اپنی تحقیق سے فقہ جعفریہ میں داخل ہوا تھا اس کے ہم زلف شیخ ناصر عباس قمی کے ہمراہ بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے اس طرح 19 مئی 1988ء کو حملہ آور لشکریوں نے خودکار

بھاری اسلحہ سے لیس ہو کر گلگت کی فوجی چھاونی سے صرف ایک میل کے فاصلے پر
واقع سکوار گاؤں پر حملہ کر دیا اور سکوار گاؤں پر قبضہ کے لئے صرف 3 گھنٹے مقرر تھا
تھے چونکہ اس گاؤں پر قبضہ کے بعد گلگت کے بعد دوسرا بڑا گاؤں دنیور پر حملہ کرنا تھا
جو دریا پار واقع ہے مگر سکوار گاؤں کا دفاع کرنے والے جوانوں نے خلاف توقع
اپنے ناقص اور کم اسلحہ کے ساتھ بھاری اور خودکار اسلحہ سے لیس منظم حملہ آور لشکریوں
کو سکوار گٹم سر کے میدان ہی میں روک لیا اور اپنی جنگی مہارت اور ٹیکنیکل طریقے
سے اس محاذ پر حملہ آوروں کو الجھائے رکھا اس طرح سکوار گاؤں کا دفاع کی خاطر اس
محاذ پر کل 140 مدافعین شریک تھے اور ان جان نثار جوانوں کی کمان صوبیدار علی
بیگ دنیور، صوبیدار ایران علی نگر، نائب صوبیدار سلطان علی دنیور، نائب صوبیدار شاہ
رئیس خان سکوار اور نائب صوبیدار محمد جان سکوار اور زندہ شہید نائب صوبیدار علی محمد نگر
کر رہے تھے ان ریٹائرڈ فوجی کمانڈروں نے اپنا تجربہ اور حکمت عملی کے ساتھ اپنا
ناقص اسلحہ اور کارتوس کی کمی کے باوجود ہاتھ کے بنے ہوئے دستی بموں کے ساتھ
اچھے نشانہ باز جوانوں کی نشانہ بازی اور بہادری کی وجہ سے ہزاروں مسلح حملہ آور
لشکریوں کا 52 گھنٹوں تک ڈٹ کر مقابلہ کیا اگرچہ ان مدافعین کے لئے ہر طرف
سے کمک اور مدد کے راستے مسدود تھے اور حملہ آور لشکری آزاد تھے اور ان کے لئے
سب راستے کھلے تھے کوئی چیک کرنے اور روکنے والا نہیں تھا سرکاری اور نیم سرکاری
مشینری کھلم کھلا ان کی مدد کرتی تھی ان سخت حالات کے باوجود مکتب شیعہ کے

جوانوں نے اپنی ناموس کی حفاظت کی خاطر فداکاری کے جوہر دکھایئے اور ہر طرح سے مسلح حملہ آوروں کی اس یلغار کو ناکام بنادیا اور سکوار گاؤں کے اس حساس محاذ پر 80 کے لگ بگ حملہ آور ہلاک اور زخمی ہوئے اور دفاع کرنے والوں میں سے 9 جوان شہید ہوئے اور ایک کمانڈر نائب صوبیدار علی محمد زخمی ہوئے اس طرح سکوار گاؤں کے اس اہم محاذ پر دفاع کرنیوالے جوانوں کی پامردی اور جانبازی نے مسلح حملہ آور لشکر اور ان کے حامیوں کو حیران کر دیا مگر اس سازش میں ملوث انتظامیہ نے اپنی ساکھ کو بچانے کی خاطر مکر اور فریب سے پولیس اور ایف، سی کی نفری کو متحارب گروپوں کے درمیان لاکھڑا کیا اور لاوڈ سپیکر پر بار بار یہ اعلان کرایا کہ پولیس اور ایف سی کی مسلح نفری درمیان میں آ گئی ہے لہذا فائر بند کر کے سب اپنی پوزیشنوں سے پیچھے ہٹ جاؤ چونکہ دنیور گاؤں میں قائم ہنگامی کنٹرول روم کی طرف سے مدافعین کو یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ اگر انتظامیہ کی طرف سے جنگ رکوانے کے لئے مداخلت ہو جائے اور پولیس یا ایف، سی درمیان میں آ جائے تو تم اپنے مورچے چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاؤ اور بصورت دیگر آخری جوان اور آخری گولی تک گاؤں کی حفاظت کرنا ہے۔

دنیور میں قائم ہنگامی کنٹرول روم ہر قسم کے حالات کی نگرانی کے علاوہ ہر قسم کے تعاون کا بھی خیال رکھتا تھا یعنی سکوار کے محاذ اور جلال آباد کے محاذ تک ہر قسم کی دستیاب کمک پہنچانے کا ذمہ دار تھا اور اس خاص اور ہنگامی مرکز کو چلانے میں نمبردار

نیت خان دنیور حولدار شکور علی دنیور، محمد عیسیٰ خان ایڈوکیٹ دنیور، شیخ غلام حسین انجم دنیور، کے علاوہ وزیر غلام عباس گلگت سید یحییٰ شاہ نگر صوبیدار احسان علی نگر، صوبیدار بیتھام نگر، اور صوبیدار محمد شاہ نگر خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس لئے سکوار گاؤں کا دفاع کرنے والے حسب حکم اپنے مورچے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے تو پولیس اور ایف سی نے درمیان میں آکر عام فائر بندی کرائی مگر ان لشکریوں کے ہمراہ آنے والے لوگوں میں سے چند مقامی واقف کار لوگوں نے رات کی تاریکی میں گاؤں میں گھس کر سکوار کی مساجد اور امام بارگاہ کو آگ لگانے کے علاوہ چند دکانوں کے دروازے توڑ کر کھانے کی عام چیزیں چوری کر کے لیکر گئے۔ سانحہ گلگت کے دوران ایف، سی فورس کا کردار کھلے انداز میں جانبدار رہا یہ فورس مکمل طور پر حملہ آور لوگوں کے لئے مخبری کے علاوہ ان کو تحفظ فراہم کرتی رہی دنیور کی حفاظت کی خاطر چائینا پل پر پہرہ دینے والے حوالدار محمد علی کو ایف، سی نے چائنا پل پر فائر کر کے شہید کر دیا سکوار گاؤں کے محاذ پر حملہ آوروں کو ہزیمت اٹھانے کے بعد غیر جانبدار پولیس آفیسروں نے چیف سکریٹری کو لکھ کر دیا تھا کہ حالات زیادہ خراب ہیں اور حالات پولیس فورس کے قابو سے باہر ہیں اس لئے پورے علاقے کا کنٹرول فوج کے حوالہ کیا جائے مگر اس لشکر کشی کا سرغنہ قاسم شاہ وزیر امور کشمیر وشمالی علاقہ جات نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر اس منظم اور مسلح لشکر کشی کو دو فرقوں کا جھگڑا قرار دیکر علاقے کا انتظام فوج کے حوالے کرنے سے انکار کیا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سکوار گاؤں

کی اہم شکست کے بعد دنیور پر حملے کا خاص منصوبہ بری طرح ناکام ہوا اور اسی دوران ۲۰ مئی کی سہ پہر کو قاسم شاہ مناور گاؤں جا کر حملہ آور لشکریوں سے اظہار ناراضگی کے ساتھ پس پردہ منصوبے کے بارے میں نئے ہدایات دیکر گلگت واپس ہوا اس طرح مناور گاؤں میں جمع ہونے والے کرایے کے حملہ آور جلال آباد اور ہیراموش کی طرف چلے گئے ان کے ہمراہ بھاری اسلحہ ایمبولنس گاڑیاں وائرلیس سیٹ کے علاوہ سرکاری اور نیم سرکاری گاڑیوں کی کانوائے بھی تھی ۲۰ مئی کی شام کو مسلح حملہ آوروں نے ہیراموش اور جلال آباد کی جانب بھرپور پیش قدمی شروع کیا اور ہیراموش کی طرف آگے بڑھنے والے کالم کو کمانڈنٹ بونجی چھاونی کرنل عبدالعزیز ناصبی کی طرف سے تعاون اور راہنمائی حاصل تھی اس لئے دریائے سندھ کے اس پار سے کورنگ فائرنگ کے لئے مشین گنوں سے لیس لشکری متعین تھے اسی طرح مسلح لشکری دریائے سندھ کے ساتھ شاہراہ بلتستان پر ہیراموش اور بلتستان کی طرف پیش قدمی کر کے ہیراموش کی پہلی آبادی عنصر کیمپ تک پہنچ گئے تھے چونکہ تو اس خاص موقعہ کی خاطر ایف ڈبلیو او کا یہ فوجی کیمپ بھی خالی کرایا گیا تھا علاقہ ہیراموش مختلف چھوٹی اور پہاڑی آبادیوں پر مشتمل ہے جب ان آبادیوں کو اس مسلح حملے کا علم ہوا تو فوری طور پر جوانوں کا ایک مختصر دستہ شاہراہ بلتستان پر واقع کھات نامی آبادی میں آ گیا اور اس مسلح حملے کو روکنے کی کوشش شروع کی قدیم تاریخ سے علاقہ ہیراموش کے لوگ اپنی جنگ جویانہ طبیعت اور بہادری کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں اس لئے

ان لوگوں نے بھاری ہتھیار سے لیس ہزاروں حملہ آور لشکریوں کا بھر پور مقابلہ کیا ان لوگوں کے پاس عام فرسودہ ہتھیار کے ساتھ ایمونیشن کی کمی تھی مگر ٹیکنیکل طور پر پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر گرا کر شاہراہ بلتستان کو بند کر دیا اس لئے حملہ آور لشکری کھات نامی آبادی میں مجبوراً رک گئے مگر کھات گاؤں کے اوپر واقع شوتہ نامی گاؤں جس کی آبادی 45 گھرانوں پر مشتمل ہے حملہ آوروں نے رات کی تاریکی میں جا کر آگ لگا دی شوتہ گاؤں کے گھر بار جل کر خاکستر ہوئے یہاں کی آبادی پہلے ہی گاؤں چھوڑ کر بلتستان کی طرف ہجرت کر گئی تھی اس طرح جب مہاجرین کا قافلہ روندو بلتستان پہنچ گیا تو اس لشکر کشی کا علم ہوا تب روندو بلتستان سے مسلح جوان ہیراموش کو بچانے کی خاطر مختلف گروپوں میں ہیراموش کی طرف آنا شروع ہوئے اس طرح روندو بلتستان کا پہلا دستہ جب ہیراموش پہنچ گیا تو دفاع کرنے والے خالی ہاتھ لوگوں کو حوصلہ ملا اور ان کے جذبے اور طاقت میں اضافہ ہوا اور کسی حد تک دفاعی حالت سدھر گئی اس طرح کھات نامی گاؤں میں سخت تاریخی معرکہ رونما ہوا چونکہ دریا پار بونجی کی طرف سے بھاری ہتھیاروں سے کورنگ فائر ہوتی تھی اور اس فارنگ کی وجہ سے خود حملہ آوروں سے اپنے ہی ساتھیوں کا زیادہ جانی نقصان ہوا جب گلگت اور ہیراموش پر حملے کی چونکا دینے والی خبر سارے بلتستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تو سکردو سے بھی جوان اپنا خرچہ پانی لیکر لگاتار ہیراموش کی جانب روانہ ہوئے اس طرح جب بلتستان کا علاقہ پوری طرح حرکت میں آگیا تو

حالات کا رخ ہی بدل گیا اور اس کے ساتھ ہی مذہبی اور سیاسی لوگوں نے حکومت کو یہ کھلی دھمکی دیا کہ اگر یہ لشکر کشی فوری طور پر بند نہ ہوئی تو ہم ایک نیا راستہ کھولنے پر مجبور ہونگے بلتستان کے لوگوں کی طرف سے اس سنسنی خیز دھمکی کے بعد اس سازش میں ملوث انتظامیہ نے مجبور ہو کر صرف پوچ ایمونیشن کے ساتھ این، ایل، آئی، کی نفری ہیراموش کی طرف روانہ کیا اور اس کے ساتھ ہی حملہ آور کرایئے کے لشکریوں کو واپس ہونے کا حکم بھی دیا گیا اس طرح ہیراموش کے محاذ پر دفاع کرنے والے ایک کمانڈر نے بتا کہ این، ایل، آئی کے جوانوں کی آمد سے دو گھنٹہ قبل بلتستان سے آنے والے جوان اور اسلحہ پہنچ جاتا تو مسلح لشکریوں کو کھات نامی آبادی سے عالم پل تک دھکیل دیا جاتا جنگ کا یہ احوال ہے کہ دفاع کرنے والوں کے مقابلے میں حملہ آوروں کا نقصان زیادہ ہوتا ہے اور اس حملے کے دوران بھی دریائے سندھ کے پار بونجی کی طرف سے امدادی فائر کرنے والوں کی غلطی کی وجہ سے مسلح لشکریوں کا بھاری جانی نقصان ہوا اور اس دفاعی جنگ میں 9 مدافعین شہید ہوئے اور ان شہیدوں میں سے سات جوان بلتستان کے تھے اور دو ہیراموش کے اس طرح شاہراہ بلتستان پر علاقہ ہیراموش کا پہلا مقام کھات نامی گاؤں میں مسلح حملہ آور لشکریوں سے مقابلہ تاریخ حرب وضرب کا ایک تابناک باب بن گیا ہے اور یہ مقابلہ گلگت و بلتستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اس طرح منصوبہ بندی کے ساتھ طے شدہ پروگرام کے مطابق سب سے پہلے 19 مئی کو تقریباً ایک ہزار مسلح لشکریوں نے

جدید خودکار اسلحہ کے ساتھ چاروں طرف سے گری ہوئی شیعہ آبادی جگوٹ سٹی کے لوگوں کو برغمال بنایا تھا جگوٹ گاؤں کی آبادی 100 گھرانوں پر مشتمل تھی قوم پرستی اور نسل برادری کے نام پر ان کی عزت اور ناموس بچ گیا اور اعلان وہابیت کے نام سے جان ومال اور ناموس کی عزت بچ گئی مگر خدا کا گھر مساجد اور امام بارگاہین جلنے سے محفوظ نہ رہ سکیں اسی دوران اسلام کے نام پر بہت سے واقعات رونما ہوئے ان واقعات کی تفصیل باعث طوالت ہوگی اس طرح اعلان وہابیت کے ۶ ماہ بعد جگوٹ گاؤں کے سو گھرانے اپنا سب کچھ چھوڑ کر گلگت کی جانب ہجرت کر کے آگئے اور خاص گلگت کے آس پاس آباد ہوئے ہیں ظلم وجبر سے بچنے اور ناموس اسلام کی خاطر ہجرت کرنا ایک بڑی سعادت ہے اور اسیطرح مکتب اہل بیتؑ کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر آنے کے باوجود یہ مہاجر پہلے سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔

اس طرح 19 مئی 1988ء کو ہی حملہ آور مسلح لشکریوں نے شاہراہ قراقرم سے دریائے سندھ کے پار بونجی گاؤں میں آباد پشتنی شیعہ آبادی کو یرغمال بنا کر ان کو اپنے ظلم وزیادتی کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تو ان مجبور لوگوں نے قبل از وقت بونجی کی قدیم اور مشہور چھاونی میں پناہ حاصل کر لیا اور اس قدیم چھاونی کی تعمیر کے علاوہ اس خاندان کے بزرگوں نے اسلام کی خاطر جنگ آزادی گلگت و بلتستان کے دوران ڈوگرہ افواج کے خلاف مجاہدین کی بھرپور مدد کی تھی ہر ملک کی فوج اس ملک کے شہریوں کا آخری سہارا ہوتی ہے لیکن اس لشکر کشی کے دوران بونجی چھاونی میں متعین

کمانڈنٹ کرنل عبد العزیز ناصبی اور میجر الیاس نے ان مجبور پناہ گزینوں کی دلجوئی کے بدلے سب سے پہلے مذہب تبدیل کرانے کے لئے تبلیغی جماعت کے مولویوں کی ڈیوٹی لگادی تھی تاکہ ان لوگوں کو وہابی بنایا جاسکے مگر کرنل عبد العزیز اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ کیونکہ مکتب اہل بیتؑ کے عقیدت مند مذہبی میدان میں شکست نہیں کھاتے اور یہاں پر بھی بعض معتدل مزاج سنی حضرات نے قوم اور برادری کے حوالے سے ان لوگوں سے بھرپور تعاون کیا اور اس طرح بونجی گاؤں کی شیعہ آبادی برادری کے تعاون سے بونجی چھاونی سے نکل کر اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی اور نہایت بے سروسامانی کے عالم میں گلگت کی طرف آ گئی اور اس طرح نام نہاد اسلام کے نام پر اس کرایئے کے لشکر نے بونجی گاؤں میں آباد شیعہ آبادی کے بھرے گھر اور املاک کے علاوہ مساجد کو بھی آگ لگادیا اور اس طرح پڑی بنگلہ گاؤں شاہراہ قراقرم پر گلگت شہر سے 35 کلومیٹر اسلام آباد کی جانب واقع ہے اور اس گاؤں کی سنی وشیعہ مشترک آبادی میں صرف 40 گھر شیعوں کے تھے معتدل مزاج سنی حضرات کی ایما پر شیعہ آبادی قبل از وقت بال بچوں کے ہمراہ پڑی بنگلہ گاؤں سے گلگت منتقل ہوئی تھی اور شیعہ آبادی کی انخلا کے بعد صرف دو جوان وہاں رہ گئے تھے حملہ آور لشکریوں نے ان دونوں کو گرفتار کر کے شہید کردیا اور پڑی گاؤں کے شیعوں کی املاک اور مسجد کو بری طرح نقصان پہنچایا اور اسیطرح گلگت شہر سے مغرب کی جانب تخت تھاوس یاسین غذر، شیر قلعہ، شکیوٹ، شروٹ بارگو بالا اور بارگو

پائین میں آباد شیعہ گھرانوں کو قتل کرنے یا ان کو وہابی بنانے کی خاطر ایک منظم منصوبے کے تحت عظیمو نامی قاتل شخص کو لشکر کا امیر بنا کر حملہ آور لشکری تھاوس یاسین میں آباد پندرہ گھرانوں پر مشتمل شیعہ اثنا عشریہ لوگوں پر حملہ آور ہوئے۔ مگر یاسین غذر کی اکثریتی آبادی اسماعیلی اور امن پسند سنی حضرات کی مداخلت پر عظیمو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس ہوا اور یہ مسلح حملہ آور لشکری داریل اور تانگیر کے گرمائی راستوں سے ہو کر یاسین گئے تھے راجدانی تخت تھاوس یاسین سے گلگت تک تقریباً 90 میل کا فاصلہ بنتا ہے اس طرح گلگت خاص سے 30 میل مغرب کی طرف سابقہ راجدانی شیر قلعہ واقع ہے اور شیر قلعہ میں صرف 14 گھرانے شیعہ اثنا عشری مسلک کے آباد تھے شیر قلعہ کی اکثریتی آبادی اسماعیلی برادری کی ہے اور 50 تک سنی گھرانے بھی آباد ہیں اس لئے حملہ آور لشکریوں نے شر قلعہ غذر کی شیعہ آبادی میں سے مردوں کو یرغمال بنا کر گلاپور گاؤں میں قائم کیمپ میں پہنچا دیا اور شیر قلعہ کی واحد شیعہ مسجد کی چھت کو گرا دیا گلاپور گاؤں میں اکثر دیوبندی مسلک کے لوگ بستے ہیں اس نام نہاد اسلامی لشکر کا امیر عظیمو اور اس کے حملہ آور ساتھی اور مقامی دیوبندی مسلک کے لوگوں کا خاص نشانہ شکیوٹ شروٹ بارگو بالا اور بارگو پائین کی شیعہ آبادی تھی چونکہ گلگت شہر کے مخدوش حالات کی بنا پر اس علاقے کی شیعہ اور سنی آبادی کے مابین ایک امن معاہدہ بھی ہوا تھا مگر جب عام حالات کا رخ دیوبندیوں کے حق میں بدل گیا تو ان اسلام کے دعویداروں نے اس امن معاہدے کو پس پشت

ڈال کر شکیوٹ اور شروٹ کی شیعہ آبادی پر حملہ کر دیا لیکن اس متوقع حملے کے خوف سے مشروٹ اور شکیوٹ گاؤں کے کچھ شیعہ لوگ گلگت شہر کی طرف منتقل ہوئے تھے اور کچھ گھرانے دریا پار بارگو بالا اور بارگو پائین میں منتقل ہوئے تھے اگر چہ ان دونوں گاؤں میں شیعہ اور سنی افراد آباد ہیں ان ہنگامہ خیز حالات میں بارگو کے سنی حضرات نے انسانیت کا ثبوت دیا شروٹ اور بارگو کے درمیان دریائے گلگت پر معلق لکڑی کا پل جلد دیا گیا اسیطرح معتدل مزاج سنیوں کی مدد سے شیعوں نے اپنی عزت وناموس کا تحفظ کرلیا لیکن اسلام کے دعویدار لشکریوں اور ان کے حمایتیوں نے شکیوٹ اور شروٹ کے شیعہ گھروں کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دیا اور اس کے ساتھ تین مساجد اور ایک امام بارگاہ کو بھی اگ لگادی گئی اور ایک جوان کو بھی شہید کر دیا گیا اس دوران وزیرامور کشمیر وشمالی علاقہ جات قاسم شاہ خود گلاپور کیمپ گیا اور وہاں پر جمع حملہ آور لشکریوں اور ان کی حمایت کرنے والوں سے ملاقات کر کے ان کا حوصلہ بڑھایا اسیطرح امیر لشکر عظیمو اپنے ساتھی لشکر کے ہمراہ 24 مئی تک گلاپور کیمپ میں مقیم رہا اور اس دور کا بے شرم ایڈمنسٹریٹر عبدالقیوم خان نے اپنے خصوصی احکامات سے ان حملہ آوروں کے لئے سرکاری گاڑیوں کا بندوبست کریا اور وہ لوگ گلگت سے ہوکر باقاعدہ اہتمام کے ساتھ اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے اور مقامی جانبدار انتظامیہ کی اس شرمناک پالیسی کی وجہ سے شیعہ عوام ہر وقت سوچنے پر مجبور ہیں کہ ایسے مسائل ومشکلات کیوں پیدا کیئے جا رہے ہیں......؟

اسیطرح 20 مئی 1988ء کی شام کو حملہ اور مسلح لشکری سنی آبادی چھموگڑھ
سے گزر کر پہاڑ کے اوپر اباد بلکور گاؤں پر حملہ آور ہوئے بلکور گاؤں کی آبادی
40 گھرانوں پر مشتمل ہے اور یہاں کے لوگ قبل از وقت گاؤں چھوڑ کر جلال آباد
آ گئے تھے اگر چہ جلال آباد اور چھموگڑھ کے لوگوں کے مابین بھی ایک امن معاہدہ
ہوا تھا کہ کوئی فریق کسی بیرونی شخص یا اشخاص کو اپنے علاقے سے گزرنے نہیں دیگا مگر
پس پردہ منظّم لشکر کشی کا کسی کو علم نہ تھا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ مقامی انتظامیہ کی خاص
پالیسی کے تحت لڑاو اور حکومت کرو کی پالیسی ہوگی اور انتظامیہ حسب سابق اپنی دکان
چمکانا چاہتی ہے مگر حالات ایسے نہیں تھے بلکہ ایک منظّم اور مسلح لشکر کشی کی وجہ سے
چھموگڑھ کی آبادی بھی یرغمال بن گئی تھی اور جلال آباد کے لوگ بھی حالات کی
نزاکت سے مجبور ہوئے چونکہ یہ لوگ اس غیر متوقع لشکر کشی سے بے خبر تھے اس طرح
اس خوش فہمی یا غلط فہمی کی بدولت جلال آباد والوں کو بھی نقصان اٹھانا پڑا اور چھموگڑھ
والے بھی اس سازشی دلدل میں پھنس گئے اسیطرح اسلام کے نام پر لوٹ مار اور قتل
وغارت گری کا بازار گرم کر دیا گیا چونکہ سکوار کے محاذ جنگ پر ہزیمت اٹھانے کے بعد
حکمت یار گروپ کے کرایئے کے نام نہاد مجاہدین جلال آباد اور ہیراموش منتقل
ہوئے تھے اور وہ سکوار کی ناکامی کا بدلہ ادھر چکانا چاہتے تھے چونکہ جلال آباد کی
حفاظت اور دفاع کی خاطر لوگ منئے مال نامی جگہ پر پہرہ دے رہے تھے آخری وقت
تک وہ لوگ اس حملے کو مقامی انتظامیہ کی سازش سمجھتے تھے مگر ان ہزاروں حملہ آور

لشکریوں نے خودکار بھاری اسلحہ کے ساتھ جلال آباد کی طرف فائر شروع کیا۔ چونکہ ان کے ہمراہ خودکار ہتھیار کے علاوہ مشین گن وائرلس سیٹ ایمبولنس گاڑیوں کے علاوہ جدید اسلحہ سے بھرے ٹرک بھی تھے اور اس حملے کے دوران مسلح لشکری امریکہ زندہ باد، سعودی عرب زندہ باد، قاسم شاہ زندہ باد، حکمت یار زندہ باد، اور کرنل عبد العزیز زندہ باد کے خاص نعرے لگا رہے تھے اور یہ خاص نعرے گورنمنٹ بوائز ہائی سکول جلال آباد کی دیواروں پر بھی لکھ کر چھوڑا تھا۔ اسیطرح جب اصل صورت حال کا علم ہوا کہ یہ کوئی عام حملہ نہیں بلکہ یہ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت کاروائی ہورہی ہے تب مصیبت کی اس گھڑی میں لوگوں نے خالی ہاتھ ہوتے ہوئے جان نثاری اور نہایت پامردی کے ساتھ ان مسلح حملہ آور لشکریوں کو روکا اس ہنگامی حالت میں جلال آباد کا دفاع کرنے والوں کے پاس بھی عام اور فرسودہ قسم کا اسلحہ تھا اور کارتوس اس کے لئے بھی کم تھے لیکن عزت وناموس کی خاطر اس مسلح حملے کو 36 گھنٹے تک روکے رکھا اور اس موقع پر پاک فوج سے ریٹائرڈ ہونے والے تجربہ کار جوانوں کی حکمت عملی کارگر ہوئی اس لئے منصوبہ ساز سازشی اپنے اصل مقصد میں جلد کامیاب نہ ہو سکے مگر اس سازش میں ملوث انتظامیہ نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سکوار گاؤں کے محاذ جنگ کی طرح یہاں بھی ایف سی اور پولیس نفری کو اتار دیا اور انتظامیہ کے ذمہ دار افراد کی طرف سے یقین دہانی اور دفاع کی ذمہ داری کے وعدے پر مدافعین اپنے مورچے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے اور ان کی یقین دہانی پر

اعتبار کیا گیا لیکن خلاف وعدہ پولیس کی نفری دفاعی مورچوں کے قریب بھی نہیں گئی بلکہ جلال آباد کو لشکریوں کے لئے خالی چھوڑا گیا اسطرح خالی مورچے دیکھ کر مسلح حملہ آور لشکریوں نے آبادی کی طرف پیش قدمی کیا اور بلا روک ٹوک جلال آباد کی آبادی میں داخل ہو کر جلاو اور گیراؤ شروع کر دیا اور اس ہنگامی حالت میں عزت وناموس کی خاطر جلال آباد کا انخلا ضروری ہو گیا تھا۔ اس طرح 22 مئی 1988ء کی رات کو جلال آباد سے لوگوں نے نکلنا شروع کیا اور اس ہنگامہ محشر میں ملک کے محافظ پاک فوج کے جوان اوشکھنداس اور جلال آباد کے درمیان کیمپ لگائے پریشان اور مجبور لوگوں کی بے بسی اور جلال آباد کی بربادی کا تماشا دیکھتے رہے اور اس دوران حملہ آور لشکریوں نے اوشکھنداس میں قائم فوجی کیمپ کی طرف بھی فائر کیا جس سے ایک فوجی جوان زخمی ہوا اس طرح اس فائر کے بعد فوجی آفیسروں نے اپنا رعب دکھانے کی خاطر مارٹر گن کے چند گولے جلال آباد کے پہاڑوں کی جانب فائر کرایا مگر جلال آباد کی ہنستی بستی آبادی کو جلنے اور جلانے سے روکنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

22 مئی کی شام کے بعد اس بیانک رات کو میں نے جو قیامت خیز مناظر دیکھے ایسے دلدسوز مناظر کو میں قبر تک بلا نہیں سکتا مگر اتنی بڑی بربادی کے بعد بہت ہی کم مدت میں میرے مذہبی اور سیاسی قائدین نے ان قیامت خیز مناظر کو بھلا دیا ہے اور جلال آباد کے لوگوں نے امدادی ریلیف کے بعد جلد ہی اس سانحے کو فراموش کر کے اپنے ماضی قریب کی اس تاریخی زیادتی کو صرف نظر کر دیا ہے اور اسطرح جو قومیں

اپنے ماضی کی مشکلات کو نظر انداز کرتی ہیں وہ پھر سے ایسے امتحانات میں گرفتار ہو جاتیں ہیں۔

22 مئی کی شام کو ہنگامی مرکز دینور میں ایک خاص اطلاع ملی جس پر راقم کے ساتھ نائب صوبیدار محمد جابر صاحب کی قیادت میں صرف 6 افراد کا ایک دستہ اوشکھنداس کی طرف گیا اور مناور گاؤں کی سیدھ میں دریائے گلگت سے اس طرف رات کو نگرانی کرتا رہا اگر چہ وہاں پر موروچوں میں سمائر نگر کے جوان پہرہ دے رہے تھے اور رات کی تاریکی کے پھیلنے کے ساتھ ہی جلال آباد اور اوشکھنداس سے مرد خواتین اپنے بچوں کے ساتھ اپنا حسب ضرورت واستطاعت کا سامان اٹھائے بڑی افراتفری کے عالم میں گروہ در گروہ دینور کی طرف آتے رہے اس بیانک اور دلدوز منظر کے بارے میں اب بھی سوچتا ہوں تو دل سے ٹھنڈی آہیں نکل جاتیں ہیں اور شیعہ ملت کی بے بسی پر رونا آتا ہے اور ساتھ ہی اس پس پردہ سازش اور انسانیت سوز لشکر کشی کے علاوہ اس بربریت پر ان کے نام نہاد اسلام سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے کیونکہ جس مکتب فکر میں احترام انسانیت اور سلامتی کا تصور نہ ہو اس قوم اور مکتب کا اسلام سے کیا واسطہ اور نام کے ان مسلمانوں نے جلال آباد کی ہنستی بستی آبادی کو آگ لگا دیا پھلدار درختوں کو کاٹا مجبور و معذور بے زبان انسانوں کے علاوہ حیوانات کو بھی مشین گنوں کی گولیوں سے بھون ڈالا مساجد اور امام بارگاہوں کو آگ لگا دیا اگر چہ امن وسلامتی کا دین اسلام نے کافروں کے ساتھ بھی ایسا غیر انسانی سلوک

حرام قرار دیا ہے مگر کرائیے کے ان نام نہاد مسلمانوں نے یہود و ہنود کے تاریخی مظالم سے بھی بڑھ کر بے رحمی کا مظارہ کیا اسطرح کرائیے کے یہ حملہ آور چاہتا تھا کا لشکر شیعوں پر اپنا رعب قائم کرنا۔

چونکہ مکتب اہل بیتؑ کے دلدادہ لوگ مرعوب نہیں ہوتے مگر ان کے اس غیر انسانی عمل و کردار سے نفرت میں اضافہ ہوا کیونکہ جب احترام انسانیت اور اسلام کے سلامتی کے قرآنی اصول صرف نظر ہوں تو عام و خاص لوگوں میں نفرت بڑھ جاتی ہے اور اللہ کی زمین میں ظلم و جبر کا بدلہ خدا کی جانب سے اس کے غضب کا نزول ہوتا ہے۔

اسطرح جلال آباد کی اس کربلائے عصر میں فرعون و یزید اور تاتاری مظالم کا کھل کر مظاہرہ کیا گیا اور پھر حکومت وقت نے خود ہی ان کو آباد کرانے کی کوشش کی پھر بھی مکتب تشیع کے مسائل مشکلات میں کمی نہیں آئی اسطرح جلال آباد کے اس دفاعی جنگ میں پندرہ افراد مقابلے میں شہید ہوئے لیکن حملہ آور مقتولین کی صحیح گنتی کے لحاظ سے تعداد کا علم نہیں ہوا۔ مگر اس پورے سانحہ فاجعہ کے بارے میں غیر جانبدارانہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس منظم حملے میں کرائیے کے 518 حملہ آور لشکری ہلاک اور زخمی ہوئے تھے اس طرح مئی 1988ء کی اس مسلح لشکر کشی میں مختلف محاذوں پر میدان جنگ میں دفاع کرتے ہوئے 33 افراد نے جام شہادت نوش کیا 1230 گھر جل گئے 29 مساجد اور 13 امام بارگاہیں شہید ہوئے اور 2400 سو

کے قریب قرآن پاک کے سیپارے اور نسخے جل کر شہید ہوئے اور کئے درجن
مویشی کو مار دیا یا ہانکر لے گئے۔ پھلدار درخت کاٹ کر بے کار کر دیا فصلوں کو جلا دیا
اسیطرح ان انسانیت سوز مظالم کے بعد بلی کی طرح اپنی لیسٹ پر مٹی ڈالتے ہوئے
جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے اس سانحہ کے متاثرین کو معاوضہ بھی دیا اور اس طرح
اپنے مظالم کا خود اقرار کیا مئی 1988ء کے اس سانحہ کی وجہ سے کلمہ پڑھنے والوں کا
اسلام اور ایمان کی اصل حقیقت کا علم ہوا اور ان کی اس بے دینی کی روش پر مسلمان
اور غیر مسلم سب نے اظہار نفرت کیا اور اس واقعہ فاجعہ کی وجہ سے پاکستانی حکمرانوں
اور گلگت کی انتظامیہ کے علاوہ دیوبندی اسلام کے پرستاروں کے ماتھے پر کلنگ کا
ٹیکہ لگ گیا ہے اور ظلم وزیادتی کا یہ داغ تاریخ گلگت کے ماتھے کا جومر بن گیا ہے
چونکہ دنیا کی تاریخ کے ہر دور میں مکتب شیعہ کو مشکلات ومسائل میں گرفتار رکھنے کی
خاطر سازشیں ہوتیں رہی ہیں جنکی تفصیل بہت لمبی ہے اسیطرح 1990ء کے
دوران 13 رجب کی مناسبت سے ہونے والے چراغاں کو متنازعہ بنایا گیا خطہ شمال
گلگت میں مختلف مذہبی تقریبات کے حوالے سے اظہار مسرت کی خاطر پہاڑوں پر
چراغاں ہوتا ہے اور متعصب انتظامیہ نے خاص سازش کے تحت اس چراغاں کو
متنازعہ بنوادیا بدقسمتی سے شیعوں کی خوشی اور غمی دونوں کی بابت مسائل ومشکلات پیدا
کئے جاتے ہیں اس غیر ضروری عمل کے پیچھے شیعہ قیادت کی غیر مربوط پالیسی کا عمل
دخل بھی شامل ہے اور 13 رجب کی مناسبت سے ہونے والے چراغاں کو متنازعہ

بنوایا گیا اور سرزمین گلگت سے محبت رکھنے والے شیعہ سنی دانشور حضرات اور وکلاء برادری نے بطور صلح ایک معاہدہ طئے کیا تھا مگر تنظیم اہلسنت گلگت نے اس معاہدے کی مخالفت کیا اور اس کے ساتھ شیعہ حضرات میں سے بعض نے اس کو انا کا مسئلہ بنا دیا اور ۱۳ رجب کی شام کو حسب سابق اپنی سابقہ مقررہ جگہوں پر چراغاں کر کے شیعہ جوان واپس آرہے تھے منظم منصوبہ بندی کے تحت انجمن نصرت الاسلام کنوداس سے شیعہ جوانوں کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی اور اس غیر ضروری فائرنگ سے دو جوان شہید ہوئے اور چار افراد زخمی ہوئے اور اس سازش کے بعد جگلوٹ سٹی کے مقام پر پانچ بے گناہ مسافروں کو بھی قتل کیا گیا ان مقتولین میں دو حاضر سروس فوجی جوان بھی تھے ان دونوں واقعات کے ملزموں کے خلاف مقدمہ بنایا گیا اور فوج کی طرف سے دباؤ کی بنا پر دو ملزموں کو سزائے موت بھی ہوئی تھی مگر اس خاص مقدمہ کے حوالے سے شیعہ مذہبی قیادت کی غیر متوازن پالیسی کی بدولت اس سانحہ میں ملوث ملزم اِس کے بعد بری ہو گئے اور مقامی متعصب انتظامیہ نے شیعہ مکتب کو دباؤ میں رکھنے کی خاطر عید گاہ کنوداس میں شیعوں کے خلاف ایرانی پریشر ککر بم کے نام سے ایک ڈرامہ رچایا اور ملت شیعہ کے باعزت لوگوں کو گرفتار کر کے ان کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا گیا تاکہ ملت شیعہ پر دباؤ برقرار رہے اور اس خاص سازش کے مقابلے میں شیعہ قیادت کے جذباتی ردعمل اور غیر متوازن رویہ کی بدولت مسئلہ چراغاں بعد از خرابی بسیار ہمیشہ کے لئے ختم ہوا اور ''کھودا پہاڑ تو نکلا چوہا'' والا معاملہ

ہو گیا ملت مسلمہ کی فرقہ وارانہ روش کی وجہ سے شمالی علاقہ جات گلگت پر قابض حکمران اپنے بے پناہ اختیارات کے بل بوتے پر ایک تیر دونشان کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور مکتب شیعہ کی غیر ضروری پالیسیوں کی وجہ سے مسائل ومشکلات میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے اور نہ معلوم کہ اس خطہ بے آئین کے مسلمانوں کی غلامی کی گھڑیاں کب ختم ہونگی اور کب یہ وفادار قوم قانون کی نظر میں پاکستانی کہلانے کی حقدار بنئے گی اگرچہ تاریخ عالم کے تناظر میں دیکھا جائے تو ملت شیعہ ابتداء تاریخ سے ہی مسائل ومشکلات میں گرفتار ہوکر عادی ہو چکی ہے اور ماضی اور حال کے ہر دور میں ہر مشکل کو سہنے کی صلاحیت رکھتی ہے اس ملت نے مکتب اہلبیتؑ کے خلاف ہونے والی ہر سازش کے علاوہ باقی سب مشکلات کو بڑے صبر وتحمل سے برداشت کیا ہے اور اس سلسلے میں نہ صرف اپنا وجود کو برقرار رکھا ہے بلکہ اپنے علمی اور عددی تعداد میں بھرپور اضافہ بھی کیا ہے۔

مملکت خداداد پاکستان امت مسلمہ کا مشترکہ ورثہ ہے اور اس عظیم ورثے کی حفاظت اور اس کی ترقی کے لئے جدوجہد کرنا ہر شہری کا اخلاقی اور قومی فریضہ ہے اور اس ملک کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق آزاد زندگی گزارے اور بلا روک ٹوک اپنے عقیدے کی ترویج کرے اور ان کا شرعی اور اخلاقی فرض بنتا ہے کہ وہ دوسرے شہری کا نظریہ اور عقیدے کی تنقیص نہ کرے کیونکہ شرعا اور قانوناً ایسا کرنا جرم ہے پاکستان کی تاریخ میں ملت شیعہ نے 1947ء سے لیکر

آج تک پاکستان اور شمالی علاقہ جات کی آزادی اور بقاء کی جنگ میں اپنا قومی اور ملی فریضہ سمجھ کر جان لڑا دیا ہے اس لئے مکتب شیعہ کو بھی اپنے عقائد ونظریات کی کھل کر آزادانہ ترویج کا پورا حق ہے اس طرح نصاب تعلیم ہو یا نظام معیشت ملازمت کے حقوق ہوں یا سیاسی حقوق اس ملک کے اندر اس مکتب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں اگر کوئی ان حقوق میں بیجا مداخلت کرے تو مکتب شیعہ ان حقوق کی خاطر جان لڑا دے تو یہ ان کا شرعی اور قانونی حق بنتا ہے دنیائے اسلام میں جعفری ثقافت ایک مدلل مضبوط اور مسلمہ اکائی ہے پاکستان پر حاکم حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے زعم میں متعصب لوگوں کی سازشوں سے جعفری ثقافت کے خلاف مسائل ومشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں بحث بڑی طویل ہے البتہ 1963ء میں صدر جنرل محمد ایوب خان کے دور حکومت میں درباری متعصب علماء اور حکمرانوں نے حسد وکینہ کی بناپر صدر جنرل محمد ایوب خان اور اس کے ہم کاروں کو مکتب تشیع کے خلاف ابھارا اور اسلام کے نام پر شیعوں کے لئے مشکلات پیدا کئے تو مکتب اہل بیتؑ کے پرستاروں نے ان مسائل ومشکلات کا مقابلہ کرنے کی خاطر شیعہ مطالبات کمیٹی کے نام سے ایک منظم تنظیم بنایا اور قائد ملت جعفریہ علامہ سید محمد دہلویؒ کی پر خلوص قیادت میں کراچی سے گلگت تک مکتب شیعہ کے لوگوں نے یک جان ویک آواز ہو کر اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کیا اور قوم کے اس اتحاد کی بدولت جنرل محمد ایوب خان کی حکومت نے شیعہ مطالبات کو تسلیم کیا اور کچھ

عملی اقدامات بھی کئے اور یہ سلسلہ جنرل ضیاء الحق کے دور اقتدار تک جاری رہا پھر جنرل ضیاء الحق نے اپنے گیارہ سالہ دور حکومت میں 1980ء میں نفاذ اسلام کے نام پر پھر سے متنازعہ مسائل کو چھیڑنا شروع کیا تو شیعہ ملت نے حکومت وقت اور متعصب علماء کے خطرناک عزائم سے باخبر ہو کر مکتب شیعہ کو متحد کرنے کی خاطر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے نام سے ایک منظم انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی اور قائد ملت علامہ مفتی جعفر حسینؒ جیسی مخلص اور صالم قیادت کی سرپرستی میں ایک بار پھر پوری قوم نے متحد ہو کر اپنے مذہبی اور شہری حقوق کی خاطر بھرپور جدوجہد شروع کیا اور سابقہ چار مطالبات کے حصول کی خاطر تحریک چلایا اور اس اجتماعی تحریک کی بدولت صدر جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت شیعہ مطالبات ماننے پر مجبور ہوئی اور ان مطالبات کے ماننے کے باوجود پاکستان کی بیروکریسی کی سازش کی بنا پر صرف مسئلہ زکوٰۃ کے بارے میں ایک ڈیکلریشن فارم کے اجراء کے علاوہ کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی اور حضرت مفتی جعفر حسینؒ کے انتقال کے بعد محسن ملت علامہ سید صفدر حسین نجفیؒ کی تائید پر ملت شیعہ نے متفقہ طور پر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی قیادت علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ شہید کے سپرد کیا آپ نے شہر قائد کراچی سے گلگت و بلتستان تک کے علماء کو ان مطالبات کے حصول کی خاطر اجتماع کرنے کی دعوت دی اور آپ کی دعوت پر پورے ملک سے علماء کرام اسلام آباد میں وزارت مذہبی امور کے دفتر کے سامنے ارجن ٹیناپارک میں جمع ہوئے اور ہزاروں کی تعداد

میں علماء کا اس روح پرور اجتماع میں گلگت سے 14 علماء شریک ہوئے تھے اس دن اسلام آباد کی فضاء میں چڑھتا ہوا سورج غروب ہوا اور شام کی سیاسی مائل شفق نے علاقے کو گیر لیا تو علماء کا یہ متحرک اجتماع آہستہ آہستہ جلوس کی صورت میں مسجد اثناء عشریہ اسلام آباد میں آ کر رک گیا اور پانچ دن تک پانی اور بجلی کے بغیر پولیس اور فوج کے پہرے میں بطور احتجاج بیٹھا رہا اور اس دور کے وزیر داخلہ جناب محمود اے ہارون سے مزاکرات جاری رہے اور ان طویل مزاکرات کے نتیجے میں نصاب دینیات میں ترمیم اور باقی نصاب پر نظر ثانی کے لئے شیعہ علماء اور سکالر کے انتخاب کی تجویز منظور ہوئی اور ان مزاکرات کی وجہ سے جماعت نہم اور دہم کے طلباء کے لئے شیعہ طلباء اور سنی طلباء کے نام سے الگ دینیات کا اعلان ہوا جماعت نہم اور دہم کا اور مطلوبہ نصاب ایک سال بعد سکولوں میں رائج ہوا 1999ء تک یہ جدا نصاب دینیات جاری رہا اس کے بعد نصابِ دینیات کی تجدید ہوئی اور اس میں جماعت نہم و دہم کی لازمی اسلامیات کے نام سے قرآن مجید کی کچھ منتخب سورتیں اور کچھ منتخب احادیث مبارکہ کا ترجمہ اور تشریح شامل کر کے فقی تنازعات کو ختم کیا گیا اور اب بھی نصاب کمیٹی کی جانب سے مرتب شدہ نصاب اسلامیات وغیرہ شیعہ علماء اور سکالرز کی طرف سے نظر ثانی کے بعد چھاپا جاتا ہے اس لئے 2003ء کے دوران مرتب ہونے والے نصاب دینیات پر بھی پاکستان کے تین بڑے اداروں کے مشہور علماء نے نظر ثانی کیا ہے اور ان شیعہ اداروں میں جامعہ اہل بیت اسلام آباد، حوزہ علمیہ

جامعۃ المنتظر لاہور، اور جامعۃ النجف کراچی کے مستند علماء شامل ہیں پاکستان پر حاکم متعصب لوگوں کی طرف سے ہر دور میں مکتب تشیع کے خلاف سازشیں ہوتیں رہتی ہیں اور کسی نہ کسی بہانے سے شیعوں کو مسائل ومشکلات میں گرفتار رکھنے کی کوششیں ہوتیں ہیں لہذا اس خاص پالیسی کے خطرناک نتائج سے مکتب شیعہ کو محفوظ رکھنے کے لئے واضح پالیسی اور فکری دانشمندی کی ضرورت ہے اس طرح عالمی حالات کے تناظر میں پاکستان میں آباد شیعہ ملت کو اندرونی اور بیرونی خطرات اور مشکلات سے نجات دلانے کی خاطر بلوچستان سے سرحد تک اور کراچی سے گلگت بلتستان تک پوری ملت کا اتحاد اور ہم کاری شرط ہے اسطرح علماء دانشمند اکابرین اور عوام کے اتحاد سے ہی ہر دور کے مسائل ومشکلات سے بچا جاسکتا ہے کیونکہ قومی مسائل انفرادی کوششوں سے کامیاب ہوئے ہیں اور نہ ہونگے۔

شمالی علاقہ جات گلگت پر حکمران خودمختار انتظامیہ کی بدنیتی اور غیر واضح پالیسی کی بدولت دارالخلافہ گلگت خاص میں ملت شیعہ کے خلاف پہلی دفعہ شرپسندی کا پھونڈا الزام لگایا گیا اور متعصب انتظامیہ کے افراد دانستہ طور پر اس ملت باوفا کو کسی نہ کسی بہانے سے تنگ کر کے دبائے رکھنے کی کوشش کررہے ہیں اور یہ طرز حکمرانی افسوس ناک بھی ہے اور قابل مذمت بھی اور اس کے ساتھ پاکستان کے تین کروڑ شیعوں کے قومی مطالبات کو صرف اس خطہ بے آئین کا دارالخلافہ گلگت کی سطح تک محدود انداز میں اٹھایا جانا دانشمندانہ اقدام نہیں تھا اس لئے اس غیر مربوط مذہبی

پالیسی کی بدولت مسائل ومشکلات میں گرفتار ملت شیعہ کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بدقسمتی سے ان مسائل ومشکلات سے نجات پانے کے لئے کوئی واضح اور جامع پالیسی کی راہِ عمل بھی متعین نہیں تھا اسیطرح گلگت خاص میں پیش آنے والے حالیہ غیر مربوط مسائل وحالات کی بنا پر عام لوگوں کے حوصلے پست ہوتے گئے اور ہر ادارے کا ملازم اپنی نوکری کو محفوظ نہیں سمجھتا ہے اور نو آبادیاتی حکمرانی کے طرز پر خیرات کے نام پر آنے والا فنڈ ان خود ساختہ حالات کے نذر ہو جاتا ہے۔

یہاں آئینی حقوق اور قانون کی پاسداری کے بغیر امن کا تصور بے معنی ہے یہاں مخلص سیاست دان اور جمہوری سیاسی پارٹیاں ہی اس بے ہنگام ماحول کو سنوار سکتیں ہیں مگر آئینی حقوق کے فقدان کے علاوہ مقامی انتظامیہ اپنے مفادات کی خاطر علماء کے نام پر مولوی حضرات کو اہمیت دیتی ہے بقول اقبالؒ

دین عالم فکر وتدبیر وجہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

کیونکہ یہ حضرات اپنے سستے فتووں اور مناظرانہ طرز بیان سے مسلم برادری کے پرسکون ماحول میں ارتعاش پیدا کرتے رہتے ہیں اس لئے ہر باشعور اور مخلص مسلمان اس طرز ادا کو پسند نہیں کرتا ہے مگر جو حکمران لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو اپنائے ہوئے ہیں انکو اس فرقہ وارانہ ماحول سے فائدہ اٹھانے کا جواز مل جاتا ہے

۔اور فرقہ واریت قوموں کی بقاء کے لئے زہر قاتل اور رِستا ہوا ناسور ہے مسلم امہ کو کلمہ وحدت کی روشنی میں اس زہر اور ناسور کو ختم کرنا ہوگا وگرنا کس کس زخم پر تم روئی رکھوں گے فرواریت کا ناسور جگہ جگہ رستا ہے اسی طرح ہر دور کے حکمرانوں کا یہ خاص وطیرہ رہا ہے کہ وہ خودغرض اور نام نہاد علماء کے فتوؤں کے سہارے اپنے اقتدار کو بچانے کے خاطران کو خاص اہمیت دیتے رہے ہیں اور یہ طرز ادا احترام آدمیت کی تذلیل اور دین اسلام کی توہین ہے معصومؑ کا قول ہے کہ کافر حکومت عدل کی وجہ سے قائم رہ سکتی ہے مگر مسلمان حکومت ظلم سے قائم نہیں رہ سکتی اور ظالم جلد اپنے ظلم کا نتیجہ پالے گا۔

یادش بخیر

صدر جنرل ضیاء الحق کے دور کا وزیر اعظم محمد خان جونیجو کے آخری دور اقتدار میں مئی 1988ء کے دوران شمالی علاقہ جات گلگت پر فرقہ واریت کے نام سے مسلح لشکر کشی ہوئی راقم نے اپنی کتاب ''جلال آباد کیوں جل گیا''، میں بعض اصل حقائق سامنے لانے کی کوشش کی تھی مگر کتاب کے منظر عام پر آنیکے بعد گلگت کی مقامی انتظامیہ نے اس کتاب پر پابندی لگا دی اور دوسرا ایڈیشن شایع نہ ہوسکا۔ اسیطرح 1988ء کے آخری دنوں میں صدر جنرل ضیاء الحق کے طیارے کے حادثہ کے بعد بینظر بھٹو صاحبہ کی

حکومت آگئی تو پاکستان پیپلز پارٹی شمالی علاقہ جات کی کوششوں سے پاکستان کی قیادت علاقے کے بنیادی حقوق اور عوام کے مجروح جذبات واحساسات سے آگاہ ہوئی اور بینظیر بھٹو صاحبہ نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر شمالی علاقہ جات کے سیاسی حالات میں اصلاح کر کے آئینی حقوق دینے کے بارے میں دو سے زیادہ بار کمیٹیاں تشکیل دیا تھا۔ مگر مقامی متعصب انتظامیہ اور کانا ڈویژن کی آزاد بیروکریسی کی سازشوں کی بدولت یہ بیل منڈے نہ چڑھ سکا اور اس کے بعد ایک بار پھر پاکستان پیپلز پارٹی کی کوششوں کی بدولت 1990ء میں ناردرن ایریاز کونسل کے منتخب ممبران نے ایک متفقہ اصلاحی قرارداد حکومت پاکستان کو پیش کیا تھا۔ اس متفقہ اصلاحی قرارداد میں تین تجاویز زیر غور تھیں۔ اول شمالی علاقہ جات کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنا کر آئینی حقوق دیئے جائیں۔ دوئم یا کشمیر طرز کی مقامی حکومت بنائی جائے سوئم یا ان علاقوں کو کشمیر میں ضم کر کے سیاسی حقوق دیئے جائیں اگر چہ شمالی علاقہ جات کے عوام کشمیر میں شامل ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ناردرن ایریاز کونسل کے ممبران نے ان تجاویز کو صیغہ راز کے طور پر خفیہ رکھا تھا۔ اسطرح ان تین تجاویز کے علاوہ چوتھی کوئی خاص تجویز نہیں ہے۔ چونکہ ناردرن ایریاز کونسل کو اس متفقہ قرارداد کے باوجود علاقہ جات پر حاکم نوکر شاہی اور کانا ڈویژن کے خود مختار لوگ اپنے

بے پناہ اختیارات سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں تھے۔ اس لئے اپنے خاص مقاصد کے علاوہ عام تعصب کی بنا پر شمالی علاقہ جات کے محروم لوگوں کو آئینی اور اصلاحی حقوق سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں اس کے علاوہ جب بھی مرکز میں اس علاقے کے حقوق کی بات چلی تو آزاد کشمیر کے مفت خور اور بے حس لیڈروں نے اپنی سیاسی دکان چمکانے کی خاطر اخبارات میں الٹے سیدھے بیانات دیکر خطہ شمال کے محروم عوام کو مایوس کر دیا ہے اس لئے کہ شمالی علاقہ جات کے عوام کے سامنے کشمیری لیڈروں کا رویہ معاندانہ اور مشکوک رہا ہے۔ کیونکہ 1948ء کی جنگ آزادی گلگت وبلتستان کے بعد ان علاقوں پر ایف۔ سی۔ آر کے نام سے کالا قانون نافذ کیا گیا۔ تو ان کشمیری لیڈروں نے اس ناانصافی کے بارے میں کوئی احتجاج نہیں کیا۔ پھر جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں 1977ء میں ان علاقوں کو زون ای قرار دیکر مارشل لاء لگا دیا گیا۔ کیونکہ شمالی علاقہ جات کے لوگ ذوالفقار علی بھٹو کے شیدائی تھے اس دوران بھی کشمیری قیادت نے حکومت پاکستان کی اس دوغلی پالیسی کے خلاف ایک حرف بھی نہیں کہا اور اسیطرح 1988ء کے دوران پاکستان کے مختلف تحصیلوں اور شہروں کے علاوہ افغان پناہ گزینوں کا مسلح لشکر نے شمالی علاقہ جات گلگت پر یلغار کر دیا تو ان کشمیری لیڈروں نے احتجاج یا بطور انسانی

ہمدردی کے ایک لفظ بھی نہیں کہا جبکہ آج تک ہندوستان کی مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی میں گلگت وبلتستان اور استور کی نمائندگی کے لئے جگہ موجود ہے۔ اسطرح نہ تعلیمی اداروں اور سول سروسز میں کوئی کوٹہ مقرر ہے مگر کشمیری لیڈر ہندوستان کی طرح شمالی علاقہ جات کو اپنا اٹوٹ انگ کہتے ہیں اور اس طرح پس پردہ جوڑتوڑ کر کے ان علاقوں کے عوامی اور سیاسی حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ چونکہ وزارت امور کشمیر و شمالی علاقہ جات اور کانا ڈویژن کے ذمہ دار لوگ یکطرفہ طور پر سیاہ وسفید کے مالک ومختار بنے بیٹھے ہیں۔ اس لئے وزیر اعظم محمد نواز شریف حاجب کے دور اقتدار میں وزیر امور کشمیر وشمالی علاقہ جات کا قلم دان سردار مہتاب احمد خان عباسی کے ہاتھ لگا تو اس نے 1990ء کے مجوزہ انتخابات کے دوران اپنے من پسند امیدوار کو کامیاب کرانے کی خاطر حلقہ نمبر 1 وحلقہ نمبر 2 گلگت خاص میں ردّو بدل کیا چونکہ شمالی علاقہ جات میں پاکستان پیپلز پارٹی واحد مقبول عوامی جماعت تھی اس کو تقسیم کیا جاسکے لہٰذا اس خاص سیاسی تبدیلی کو روکوانے کی خاطر پاکستان پیپلز پارٹی کے سیاست دانوں نے وزیر امور کشمیر وشمالی علاقہ جات اور مسلم لیگ سے مقابلہ کی خاطر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کو بھی سامنے لایا تاکہ ان متنازعہ حلقون میں پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوارن کی کامیابی کے لئے راستہ ہموار کرسکے اس دور میں

علامہ شیخ غلام محمد نجفی تحریک جعفریہ پاکستان شمالی علاقہ جات کے صدر تھے
۔آپ نے 1991ء کے بلدیاتی اور این اے کونسل کے عام انتخابات کے
بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور اس بائیکاٹ کے بعد باہمی اختلافات کے علاوہ
ترقیاتی کاموں میں بھی خلل واقع ہوا اور یہ بائیکاٹ مذہبی رنگ اختیار کر
گیا۔ چونکہ اس دور تک علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب نے تحریک جعفریہ
کے نام سے اپنی پارٹی کو الگ انتخابی نشان کے ساتھ پاکستان کے عام
انتخابات میں متعارف کرایا تھا مگر یہ خلاف دستور تھا کیونکہ قائد تحریک نفاذ
فقہ جعفریہ پاکستان علامہ سید عارف حسین الحسینی شہید کے دور میں تحریک نفاذ
فقہ جعفریہ کی سپریم باڈی اور کونسل نے اپنے الگ انتخابی نشان کے ساتھ
صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے عام انتخابات میں حصہ نہ لینے کا حتمی فیصلہ
کیا تھا مگر علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستا
ن کا نام تبدیل کر کے تحریک جعفریہ رکھا اور اپنی اس پارٹی کو کتاب وتختی
کے نشان کے ساتھ پورے پاکستان میں اُتار انتخابی میدان میں دیا تھا۔مگر
پاکستان کے اندر شیعیان حیدر کرار کی واضع آبادی کے باوجود تحریک جعفریہ
پاکستان کا ایک بھی ممبر منتخب نہیں ہوا۔

شمالی علاقہ جات گلگت وبلتستان میں شیعیان حیدر کرار کی واضع
اکثریت ہے اور جس کسی پارٹی سے تعلق ہو یہاں شیعہ ممبران کی واضح

اکثریت منتخب ہوتی ہے۔ چونکہ شمالی علاقہ جات گلگت وبلتستان میں شیعہ اثنا عشریہ مکتب والے اپنے دینی اور سیاسی معاملات جعفریہ کونسل کے نام سے ایک نمائندہ مذہبی کونسل کے زریعے چلاتے تھے۔اس کونسل میں ہر پارٹی اور علاقہ اور گاؤں کے نمائندے شامل رہتے تھے۔ علامہ شیخ غلام محمد نجفی صدر تحریک جعفریہ شمالی علاقہ جات نے نگرل گلگت خاص میں ایک نمائندہ اجلاس کے دوران جعفریہ کونسل کوتوڑ دینے کا اعلان کیا اور سب سیاسی اور مذہبی پارٹیوں کوتحریک جعفریہ پاکستان میں شامل ہوکر علاقے کے آئینی و سیاسی اور مذہبی حقوق کے حصول کی خاطر تحریک چلانے کا حکم دیا مگر اس نمائندہ اجلاس میں موجود دانشوروں اور وکلاء نے جومختلف پارٹیوں سے تعلق رکھتے تھے آپ کے اس اعلان سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ اپنے آئینی اور سیاسی حقوق کے حصول کی خاطر پاکستان سے تعلق رکھنے والی غیر مذہبی سیاسی پارٹیوں کی مدد پر زور دیا اور تحریک جعفریہ میں شمولیت سے انکار کرلیا ۔علاقائی سیاست کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان حضرات کا فیصلہ درست تھا اور اسیطرح جعفریہ کونسل شمالی علاقہ جات کے ٹوٹنے کے بعد ملت جعفریہ شمالی علاقہ جات کا خالص مذہبی اور علاقائی پروگرام بری طرح متاثر ہوا اور تحریک جعفریہ ایک خالص مذہبی سیاسی پارٹی کے طور پر متعارف ہوئی اس دوران امامیہ اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن پاکستان اور امامیہ آرگنائزیشن

پاکستان کی علاقائی تنظیمیں زیادہ فعال ہوئیں اور اس زمانے میں علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب کے مکمل عروج کا دور تھا اس لئے۔ انقلاب اسلامی ایران کے ثمرات اور اثرات کی بدولت ہر عالم کہلانے والا شخص اپنا مذہبی اور سیاسی کردار ادا کرنیکا شوقین تھا۔ اس سلسلے میں ہر نوجوان عالم کی جذباتی تقریریں اور نوجوانوں کی جذباتی نعرہ بازی اور وال چاکنگ کی وجہ سے شمالی علاقہ جات گلگت کے پرسکون فضاء میں ایک غیر ضروری اور جذباتی ہل چل پیدا ہوئی۔ اسیطرح قم ایران میں زیر تعلیم طلبہء آئی۔ ایس۔ او اور آئی۔ او کی تنظیموں نے بھرپور انداز میں تحریک جعفریہ پاکستان گلگت کے لئے کام کیا۔ اور اس ہل چل میں تدبر دور اندیش اور متانت کی جگہ عام جذباتیات کا زیادہ دخل عمل رہا اس لئے سنجیدگی کی جگہ نعرہ بازی میں اضافہ ہوا اسیطرح دیکھا دیکھی مقابلے میں اسلامی جمعیت طلبہء اور انجمن سپاہ صحابہ اور جمعیت طلباء اسلام جیسی مذہبی تنظیمیں بھی فعال ہوئیں اور اس شور شر کی وجہ سے علاقائی بنیادی حقوق کی جگہ مذہبی بنیاد پرستی اور انتہا پسندی نے جنم لیا۔ اور اس خاص مذہبی ماحول کی وجہ سے شیعہ سٹیٹ یا اسمعلیہ سٹیٹ کا نام نہاد پروپیکنڈہ شروع ہوا کیونکہ 1991ء میں ناردرن ایریاز کونسل کے عام انتخابات کے بائیکاٹ کی مہم کو ایک مذہبی تحریک کا نام دیا جا چکا تھا۔ جس کی وجہ سے شمالی علاقہ

جات کے اس حسین خطہ میں عام نفرتیں جنم لینے لگی۔ اور نہ معلوم یہ
دوریاں کب ختم ہونگی۔ چونکہ نگران وزیراعظم معین قریشی نے شمالی علاقہ
جات کے عوام کو بہلانے کے لئے ایک اصلاحی پیکیج دیا تھا۔ مگر اس اصلاحی
پیکیج پر عمل درآمد بعد میں پاکستان پیپلز پارٹی کے دور میں ہوا اسیطرح اس
اصلاحی پیکیج میں ناردرن ایریاز کونسل کی سیٹوں کی تعداد 16 سے بڑھا کر
24 کردی گئی تھی خواتین کی دو الگ نشتوں کے علاوہ ڈپٹی چیف ایکز کیٹو کا
عہدہ بھی رکھا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی تین سے پانچ تک مشیروں کی جگہ بھی پیدا
کرلی گئی تھی۔ اس دور میں بے نظیر بھٹو صاحبہ دوسری بار وزارت عظمیٰ کے
عہدے پر فائز ہوئی تھی۔ اور آپ نے شمالی علاقہ جات میں جماعتی بنیاد پر
الیکشن کرانے کا اعلان کیا تو شمالی علاقہ جات میں تحریک جعفریہ پاکستان
پیپلز پارٹی پاکستان اور پاکستان مسلم لیگ انتخابی میدان میں مقابلے پر اتر
آئی مسلم لیگ برائے نام تھی۔ اصل مقابلہ پاکستان پیپلز پارٹی اور تحریک
جعفریہ کے مابین تھا۔ کیونکہ 1991ء کے انتخابی بائیکاٹ میں شرکت کے
بعد تحریک جعفریہ ایک مضبوط سیاسی جماعت کے طور پر سامنے آئی تھی۔ اس
لئے ناردرن ایریاز کونسل کے انتخابات میں اصل مقابلہ تحریک جعفریہ
پاکستان اور پیپلز پارٹی پاکستان کے درمیان ہونا تھا۔ اور پیپلز پارٹی کے
مضبوط امیدواروں کو شکست کا خوف تھا۔ اگرچہ 1994ء کے انتخابات

کے دوران پیپلز پارٹی کے مرکزی لیڈروں نے ایک پھیکی اور کمزور انتخابی مہم بھی چلائی تھی مگر دوسری جانب سے تحریک جعفریہ پاکستان کے قائد علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب نے نمائندہ ولی فقیہ کے نام پر مذہبی نعرہ کے ساتھ اپنے سینئر عہدداروں کے ہمراہ گلگت وبلتستان کا تفصیلی دورے کیئے اور خصوصاً دارالخلافہ گلگت پر ان کا زیادہ دباؤ تھا۔ تاکہ شمالی علاقہ جات کی سیاست میں نمایاں کام کرنے والے پیپلز پارٹی کے قائدین کو شکست دیا جاسکے پھر بھی پاکستان پیپلز پارٹی کے مقامی قائدین نے ضلع گلگت اور سکردو میں تحریک جعفریہ کے ساتھ انتخابی اتحاد کی بھرپور کوششیں کی اوران کے درمیان کیئے اجلاس ہوئے مگر تحریک جعفریہ نے اتحاد سے یکسر انکار کیا اور پسِ پردہ مسلم لیگ نواز گروپ اور تحریک جعفریہ کے درمیان انتخابی اتحاد ہوا جس کی وجہ سے حلقہ نمبر۲ کے مضبوط امیدوار محمد موسیٰ ہار گیا۔ اور سیف الرحمٰن خان شیعہ ووٹ لیکر جیت گیا۔ اور حلقہ نمبر۳ میں مشہور دانشور اور ماہر قانون دان سید جعفر شاہ سیاست میں نووارد امیدوار ڈاکٹر محمد اقبال سے ہار گیا۔

سیاست میں مزاکرات کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے لیکن تحریک جعفریہ نے پیپلز پارٹی کے ساتھ سیاسی اور انتخابی اتحاد کو مسترد کردیا اگرچہ گلگت وبلتستان کے علماء کی واضح اکثریت تحریک جعفریہ پاکستان کی

پالیسی سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔ لیکن قومی اتحاد اور مذہبی بدنامی کے پیش نظر پیپلز پارٹی کے انتخابی مہم میں حصہ نہیں لیا اور اس متوقع نقصان کے بارے میں دنیور کے مقام پر راقم نے جنرل سکیریٹری تحریک جعفریہ انور علی اخونزادہ کے ساتھ ایک سرسری ملاقات میں اس طریق کار کے منفی اثرات کا ذکر کیا تھا۔ پھر انتخابات کے سال بعد پروفیسر غلام حسین سلیم پارلیمانی لیڈر تحریک جعفریہ پاکستان شمالی علاقہ جات نے حوزہ علمیہ جامع المنتظر لاہور میں ملاقات کی تو اس دوران تحریک جعفریہ کے لئے عوامی حمایت کی تفصیل اور مستقبل میں پیش آنے والے متوقع مسائل و مشکلات کے حوالے سے گھنٹہ بھر بات چیت ہوئی۔ پروفیسر سلیم صاحب سنجیدہ انسان ہیں جیت کر بھی بظاہر مطمین نہیں لگ رہے تھے یا انکا دکھاوا تھا۔ چونکہ 1994ء میں ناردرن ایریاز کونسل کے عام انتخابات کے دوران تحریک جعفریہ پاکستان کے حمایتی لوگوں نے بلا جواز پاکستان پیپلز پارٹی کی قائد بینظیر بھٹو صاحبہ کے خلاف کافر اور لادین ہونیکا فتویٰ لگادیا اور مقامی قیادت کے خلاف بھی بلا جواز غلیظ پروپیگنڈہ کیا تاکہ عوام کے ذہن متنفر ہوں اور اسطرح اپنی کامیابی کی خاطر عوام الناس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے نہایت حساس مذہبی عنوانات کو موضوع بحث بنایا اور ان حساس عقیدتی باتوں میں سے چادر زینبؑ علم عباسؑ خون حسینؑ امام زمانہؑ اور نمائندہ ولی

فقیہ جیسے خاص باتوں کو عوام الناس میں خوب پھیلا دیا۔ اسیطرح اپنے مفادات کی خاطر ایک متحدہ قوم کو منتشر کرایا بقول محمد یوسف حسین آبادی مصنف تاریخ بلتستان تحریک جعفریہ پاکستان نے میاں محمد نواز شریف سے انتخابی اتحاد کے نام پر اور سردار محمد عبدالقیوم خان سے شمالی علاقہ جات اور کشمیر کے حوالے سے کافی سے زیادہ عالی معاونت حاصل کیا تھا۔ لہٰذا تحریک جعفریہ سے تعلق رکھنے والے حضرات نے ایک ہی منصوبہ پانچواں صوبہ کے اعلان کے باوجود اس خطہء بے آئین کی حالت کو اپنی سطحی سیاست اور ذاتی مفادات کا نذر کر دیا چونکہ قائد تحریک جعفریہ علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب نے خود ہی اس الیکشن کی رات کو شب عاشور کی طرح اہم قرار دیا تھا۔ لہٰذا مذہب کے نام پر اس سیاسی شور وشر اور بلند بانگ دعوں کے بعد انتخابی نتائج نے تحریک جعفریہ پاکستان اور پاکستان پیپلز پارٹی دونو کو ورطہ حیرت میں ڈالدیا کیونکہ دارالخلافہ گلگت میں پاکستان پیپلز پارٹی کے سرگردہ لیڈر سید جعفر شاہ ایڈوکیٹ محمد موسیٰ سید یحییٰ شاہ اور سابق مشیر قربان علی ہار گئے اس کے باوجود تحریک جعفریہ کو حکومت بنانے کے لئے مطلوبہ تعداد کی حمایت نہ مل سکی اور پاکستان پیپلز پارٹی نے پیر کرم علی شاہ کی سرکردگی میں اپنی حکومت بنائی اور اسیطرح پیر کرم علی شاہ شمالی علاقہ جات کے پہلے بے اختیار ڈپٹی چیف ایگزیکٹو مقرر

ہوئے۔ 1994ء کے انتخابات کی مہم کے دوران تحریک جعفریہ کے
مقامی قیادت کے علاوہ ملکی سطح کے مذہبی لیڈروں نے جی بھر کر مذہبی رنگ
میں سیاسی بیانات دیئے اسیطرح شمالی علاقہ جات کے اندر فرقہ واریت کا
یک خاص عنصر نمایاں ہوا اور ان بیانات کے تناظر میں تعصب اور خود غرض
لکھاریوں نے اسمٰعیلیہ یا شیعہ اثنا عشریہ سٹیٹ کا واویلا مچایا اور اس شورو
شر کی وجہ سے شمالی علاقہ جات کے جمہوری اور سیاسی حقوق کے حوالے سے
ہونے والی بشرفت میں تعطل پیدا ہوا اور ناردرن ایریاز کونسل کے دوسرے
الیکشن تک تحریک جعفریہ پاکستان کا سابقہ سیاسی اور مذہبی زور ختم ہوا اور
ان کی سیاسی حیثیت محدود ہو کر رہ گئی۔ اگر چہ سیاست مذہب سے جدا نہیں
لیکن دنیا میں جمہوریت کے مقابلے میں مذہب کا سیاسی اشو نہایت کمزور اور
عارضی ہوتا ہے۔ اس لئے مذہبی بعرہ بازی سے ہٹ کر سیاسی پارٹیوں کی
آواز میں اثر ہوتا ہے۔ اسطرح آزادی کی نصف صدی کے دوران آئینی
حقوق کے مقابلے میں شمالی علاقہ جات کے لئے اصلاحی پیکیجز میں اضافہ ہوتا
رہا۔ لہٰذا پاکستان مسلم لیگ (ن) نے ناردرن ایریاز لیگل فریم ورک آڈر
1994ء میں ترمیم کر کے 1999ء میں اس کونسل کا نام قانون ساز کونسل
رکھ دیا اور اس کونسل کو قانون سازی کے اختیارات بھی دینے کا اعلان کیا
اور اکتوبر 1999ء میں ناردرن ایریاز کونسل کے انتخابات جماعتی بنیاد پر

کروانیکا اعلان کیا اور وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات ریٹائرڈ لفٹننٹ
جنرل عبدالمجید ملک نے شمالی علاقہ جات کا دورہ کر کے مسلم لیگ (ن) کو از
سر نو منظم کیا اور اس کے بعد الیکشن کی بھرپور تیاری شروع کردی تھی مگر بد
قسمتی یا خوش قسمتی سے 12 اکتوبر 1999ء میں ملک کا نظام چوتھی بار فوج
کے ہاتھ لگا اور جنرل پرویز مشرف صاحب نے عنان حکومت سنبھال کر
ناردرن ایریاز لیگل فریم ورک آڈر 1999ء میں مزید ترمیم کر کے
ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل کے لئے ایک عدد سپیکر کی سیٹ کا اضافہ کر
دیا کیونکہ اب تک وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات صرف چیف ایکزیکٹیو کے
نام سے کونسل کے اجلاس کی صدارت کرتا تھا۔ اسیطرح جناب صاحب
خان ایڈوکیٹ موجودہ چیف جسٹس ناردرن ایریاز کونسل کے پہلے سپیکر منتخب
ہوئے۔ اسی دوران مشہور دانشور اور ممتاز قانون دان سید جعفر شاہ ممبر
ناردرن ایریاز کونسل نے ممبران ناردرن ایریاز کونسل کی خواہش پر شمالی
علاقہ جات کے لئے ایک جامع دستور العمل مرتب کیا۔ جس پر تمام ممبران
کونسل نے توثیق کردی ہے 1999ء کے انتخابات کی وجہ سے اس علاقے
کے ماحول میں اور خصوصاً ملت شیعہ کے اندر بے اعتمادی کی فضاء میں اور
بھنگ پڑھا اور ملت کے اندر گروہ بندی عام ہوگئی کیونکہ 1988ء کے
سانحہ گلگت و بلتستان کے بعد ملت شیعہ کے آپس میں ایک خاص مضبوط اتحاد

قائم ہوا تھا۔ لیکن 1994ء کے عام جماعتی الیکشن کی وجہ سے ملت شیعہ کے درمیان اختلافات کی خلیج بہت زیادہ بڑھ گئی کیونکہ اس خطہ نے آئین میں مذہب کے نام پر چلنے والی سیاسی مہم نے مذہبی قومی اور علاقائی وحدت کو سبوتاژ کر دیا۔ اسیطرح پارٹی بازی اور ذاتی اقتدار کی ہوس نے شمالی علاقہ جات کے اندر سنجیدہ لوگوں کے لئے ایک مایوس کن فضاء بنا دیا اور دن بدن اس بدلی فضا میں دھند چھا گیا خصوصاً شیعہ ملت کے اندر پائی جانے والی مایوس کن فضاء نے ماحول میں ایک خاص بے یقینی پیدا کر دی تھی اور بعداز خرابی بسیار تحریک جعفریہ کے قائدین نے شیعہ ملت کی ان دوریوں کو قربتو میں تبدیل کرنے کی خاطر کچھ حساس مسائل کو موضوع بحث بنا کر ملت شیعہ کے اس پراکندہ شیرازے کو دوبارہ متحد کرنے کی ہر بار ناکام کوششیں کی اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ نصاب کا بھی تھا۔ یہ مسئلہ پاکستان میں بسنے والے تین کروڑ عوام کا قانونی حق ہے۔ اور رہیگا۔ لہٰذا قائد تحریک جعفریہ گلگت آغا سید ضیاء الدین رضوی نے دارالخلافہ شمالی علاقہ جات گلگت کے اندر مسئلہ اصلاح نصاب تعلیم پر اپنی کوششیں تیز کر دی تو دارالخلافہ شمالی علاقہ جات گلگت اور اس کے اطراف میں حالات دن بدن کشیدہ ہوتے گئے تو مقامی حکومت کی طرف سے تحریک جعفریہ کے نامزد ڈپٹی چیف ایکزکٹو اور مشیروں پر امن و امان کے حوالے سے دباؤ بڑھ

گیا اور حکومتی دباؤ کی وجہ سے تحریک جعفریہ کے راسپوٹینوں نے مرکزی قیادت تک یہ شکایت پہچا دیا چونکہ یہ مسئلہ اب اشو بن گیا تھا۔ لہٰذا آپس کی بحث مباحثہ کے بعد قائد تحریک جعفریہ علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب نے تحریک جعفریہ پاکستان کی سپریم کونسل کا خصوصی اجلاس بلا کر تحریک جعفریہ کے صوبائی صدور کے دوبارہ انتخاب کا فیصلہ کیا۔ مگر دیگر صوبائی صدور اپنے عہدوں پر قائم رہے اور نزلہ حرف آغا سید ضیاء الدین رضوی پر گرا اور آپ کو شمالی علاقہ جات کی صدارت سے الگ کر کے آپ کی جگہ منتخب ممبر نادرن ایریاز کونسل سید محمد عباس رضوی سکردو کو شمالی علاقہ جات کا صدر بنایا گیا۔ اور اس بے موقعہ سلیکشن کے بعد قیادت کے اندر چپقلش اور تیز ہوگئی اس دوران انتہا پسند مذہبی جماعتوں کی طرح تحریک جعفریہ پاکستان پر بھی پابندی لگ گئی۔ پس پردہ اس چپقلش اور بے اعتمادی کی فضاء کے دوران بلتستان کی اہم اور بڑی شیعہ آبادی کو اعتماد میں لیئے بغیر اصلاح نصاب کے نام سے احتجاج اور سکولوں کے بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا ۔ متنازعہ نصاب کی اصلاح کے لئے بہت سے طریقے تھے اس نام سے سکولوں کے بائیکاٹ کی جگہ تعلیمی بائیکاٹ ہوتا تو یہ مسئلہ سیاسی اور فرقہ وارانہ رنگ نہ پکڑتا آغا سید ضیاء الدین رضوی جس قسم کی اصلاح پاکستانی نصاب دینیات اور نصاب تعلیم میں چاہتے تھے نادان دوستوں نے اس کو

مذہبی اور فرقہ وارانہ رنگ دیا جس کی وجہ سے اصلاح نصاب کی جگہ فرقہ وارانہ رنگ بہت زیادہ نمایاں ہوگیا۔ کیونکہ دارالخلافہ گلگت میں سکولوں کے بائیکاٹ کے دوران نگرانی کرنے والے لیڈر نما طلباء کو بقول کسی جو مالی مراعا ملی تھیں۔ اس طریق کار نے سنجیدہ لوگوں کو اور پریشان کر دیا تھا۔ آخر کار ۳ جون 2004ء کو عام احتجاج کا اعلان ہوا اور اس احتجاجی کال پر آغا سید ضیاء الدین رضوی اور آپ کے تین ساتھی گرفتار ہوئے تو اکثر لوگوں نے مذہبی جذبہ اور آپ سے عقیدت کی بنا پر مقامی انتظامیہ کی پالیسی کے خلاف احتجاج کیا اور سڑکوں پر آگئے اس دوران گلگت شہر کے اندر ایک بے گناہ طالب علم ساجد حسین میر ایف سی کے ہاتھوں قتل ہوا اور گلگت شہر میں کرفیوں لگا دیا گیا اسیطرح توڑ پھوڑ کے الزام میں دیگر 80 لوگ بھی گرفتار کیئے گئے اس دوران گلگت کے آس پاس کی جگہوں سے چار سے پانچ ہزار تک لوگوں نے گلگت شہر کی طرف مارچ کر کے چائنا پل دنیور میں جمع ہو کر گلگت شہر کی جانب جانا چاہا مگر پولیس کی رکاوٹ پر مظاہرین اور پولیس کے درمیان ٹکراؤ ہوا جس کی وجہ سے مشتعل ہجوم نے پولیس ریکروٹ سنٹر کو آگ لگا دی اسیطرح دنیور سکوار کے درمیان واقع چائنا پل کو مشتعل عوام نے مکمل طور پر بلاک کر کے ہر قسم کی ٹریفک کے لئے شاہراہ ریشم کو بند کر دیا مگر 4 جون 2004 کے دس بجے

تک بعض نا معلوم وجوہات کی بنا پر احتجاجی دھرنا دینے والوں میں سے نصف سے زیادہ لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اس دوران پانچ جون کو مقامی انتظامیہ اور نصاب ایکشن کمیٹی کے مابین ایک عبوری امن فارمولہ طے ہوا۔ اسیطرح ایکشن کمیٹی کی طرف سے اس عبوری فارمولہ کے اعلان کے بعد آغا سید ضیاء الدین رضوی اور دیگر گرفتار شدہ گان کی رہائی کے بغیر بچا کچا مجمع بھی نعرے لگاتا ہوا منتشر ہوا اسیطرح اس تحریکِ نصاب کا سین آسان طور پر ڈراپ ہوا بعد میں آغا صاحب اور آپ کے ساتھی رہا ہوئے مگر عوام میں سے اکثر گرفتار لوگ ذاتی تعلقات کی بنا پر رہا ہوتے رہے اور ایک سال تک تادم تحریر چند جوان اب بھی گرفتار ہیں بدقسمتی سے 8 جنوری 2005ء کو سرزمین گلگت میں بیسوی صدی کا دوسرا بڑا واقعہ پیش آیا اس سانحہ فاجعہ میں آغا سید ضیاء الدین رضوی اور آپ کے تین محافظین شہید ہوئے اور اس کے علاوہ کئی بیگناہ جانیں ضائع ہوئیں ۔اسیطرح ایک بار پھر یہ خطہ فرقہ واریت کے دلدل میں بری طرح پھنس گیا ہے۔ یہاں آئینی حقوق اور قانون کی پاسداری کے بغیر امن کا تصور بے معنیٰ ہے یہاں مخلص سیاست دان اور جمہوری سیاسی پارٹیاں ہی اس بے ہنگام ماحول کو سنوار سکتیں ہیں مگر آئینی حقوق کے فقدان کے علاوہ مقامی انتظامیہ اپنے مفادات کی خاطر علماء کے نام پر مولوی حضرات

کو اہمیت دیتی ہے بقول اقبال

دین عالم فکرو تدبیرو جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

کیونکہ یہ حضرات اپنے سستے فتووں اور مناظرانہ طرز بیاں سے مسلم برادری کے پرسکون ماحول میں ارتعاش پیدا کرتے رہتے ہیں اس لئے ہر باشعور اور مخلص مسلمان اس طرز ادا کو پسند نہیں کرتا ہے مگر جو حکمران لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو اپنائے ہوئے ہیں انکو اس فرقہ ورانہ ماحول سے فائدہ اُٹھانے کا جواز مل جاتا ہے اس لئے فرقہ واریت قوموں کی بقاء کے لئے زہر قاتل ہے۔

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ابتدائے اسلام سے آج تک مکتب شیعہ خیر البریہ نے لفظ اسلام اور لفظ ایمان کا حقیقی فلسفہ حیات وممات کو اپنائے رکھا ہے اس لئے شیعہ مکتب فکر اپنا نظریہ کسی پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتا ہے اور نہ کسی کے نظریہ فکر کو زبردستی قبول کرنے پر تیار ہے کیونکہ سلامتی وامن اور اتحاد و بھائی چارے کا قرآنی پیغام یہ ہے کہ اپنا عقیدہ مت چھوڑ و اور دوسرے کے عقیدے کو مت چھیڑو یہی امن اور بھائی چارے کا قرآنی مفہوم ہے اور ''لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْن'' کے حکم پر عمل پیرا ہو کر اتحاد امت

کے لئے کام کیا جاسکتا ہے مکتب شیعہ نے اپنے ابتدائی تاریخ سے آج تک ہر جابر حکمران کے دور میں صبر وشکر کے علاوہ دلیل و برہان کے ساتھ اپنی فکر ونظر کی ترویج کیا ہے اس لئے دنیائے اسلام میں حکومتوں اور ادیان و مذاہب کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ملت شیعہ نے کبھی بھی جبر اور دباؤ سے اپنا مکتبی نظریہ منوانے یا کسی سے اس کا نظریہ چھڑانے کی کوشش نہیں کی ہے۔

کیونکہ مکتب جعفریہ نے اپنے بے داغ ثقافت کو اخلاق حسنہ اور عقل ونقل کے واضح دلائل سے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے اور اسطرح مکتب شیعہ کو یہ علمی فکر ونظر اور صبر واستقامت در مصطفیؐ سے آپؐ کے عظیم خانوادے کے طفیل ملا ہے اور مکتب شیعہ نے وصال پیغمبر خاتمؐ کے بعد دباؤ اور زیادتی کے باوجود شورائی نظام حکومت کے طریق کار کو تسلیم نہیں کیا ہے اس طرح واقعہ کربلا کے عظیم سانحہ سے آج تک مکتب شیعہ کے ماننے والے سلامتی اور امن کی معتدل راہ پر گامزن ہیں اور تاریخ اسلام کی غیر جانبدارانہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی اسلامی تحاریک اور آج جدید دور میں چلنے والی اسلامی تحاریک سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مکتب اہل بیتؑ کے علاوہ کسی دوسرے مکتب فکر کی اسلامی تحاریک میں یہ خالص جذبہ واضح طور پر نظر نہیں آتا ہے کہ خود مٹ کر اپنا نظریہ کو مٹنے سے بچایا جائے دنیا کی تاریخ اور خصوصاً تاریخ اسلام میں یہ انوکھا کام فقط علیؑ اور اولاد علیؑ کے خانوادے میں نظر آتا ہے اور ان ذوات مقدسہ کے نقش قدم پر چل کر مکتب شیعہ نے یہ کام انجام دیا ہے کیونکہ اس مکتب فکر نے امام جعفر صادقؑ کی ثقافت کی خاطر خود

قربانیاں دی مگر کسی اور پر ظلم وزیادتی کی بھرپور کوشش نہیں کی ہے اور اسطرح ادیان عالم اور مکاتب فکر کے درمیان مکتب شیعہ کی یہ خاص پہچان ہے بقول ڈاکٹر اسرار احمد قائد تحریک اسلامی پاکستان ''پوری دنیا کی اسلامی تحاریک میں خود مٹ کر اپنے نظریہ کو بچانے کا خاص جذبہ کم رہا ہے مگر یہ کام شیعوں کا رہا ہے اسلئے شیعہ ایران میں کامیاب ہوئے ہیں۔''

خلاصہ یہ ہے کہ مکتب شیعہ خیر البریہ اپنا وزنی نصب العین کے مطابق اسلام محمدیؐ کے لازوال اصول اور ایمان علوی کے انمٹ نقوش کو اپنے سینے سے لگائے قائم آل محمد حضرت محمد مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ظہور تک اپنی منزل مراد کی جانب امن و آشتی کے ساتھ گامزن ہے اور اسطرح انبیاء اور اولیاء کا یہ گروہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اور حضرت نوحؑ کے بعد حضرت علیؑ سے منسوب ہو کر دامن قیامت تک قائم ودائم اور جاری وساری رہے گا۔

انشاءاللہ

والسلام

ماخذکتاب

1:۔قرآن مجید سورہ الصفت وسورہ قصص

2:۔تفسیر بیضادی جلد چہارم

3:۔تفسیر فتح الخبیر وفوز الکبیر

4:۔تفسیر صافی

5:۔قاموس والمنجر

6:۔صوائق محرقہ

7:۔فردوس دیلمی

8:۔تاریخ مذاہب اسلامیہ

9:۔تشیع ورہبری

10:۔تاریخ جموں کشمیر

11:۔تاریخ گلگت

12:۔تاریخ چترال

13:۔تاریخ چلاس

14:۔تاریخ عہد عتیق ہوہنزہ

15:۔تاریخ بلتستان

16 سانحہ گلگت

17:۔اسلام گلگت میں

18:۔زندگی کی بارات

19:۔شمشیر سے زنجیر تک

20:۔مجلہ پیام آشنا اسلام آباد

21:۔پیام مشرق

عاصم کریم کی یاد میں

نوجوان اور نوخیز انجینئر عاصم کریم کی بے وقت موت نے نہ فقط اس کی ماں اور باپ کو غمزدہ کر دیا ہے اس کے یار دوست ہم جماعت ساتھی اور اس کے شفیق اساتذہ کے علاوہ تمام احباب کو بھی غمگین کر دیا ہے عاصم کریم کی شرافت ملنساری اخلاق وسیرت اور مشکل وصورت نیز اس کی ذہنی قابلیت کے سبب تمام دوست احباب کو اس کی ناگہانی موت پر سخت افسوس ہوا اس لئے اپنے اور پرائے کی زبان پر یہ بات تھی کہ مرحوم ملک اور قوم کا قیمتی اثاثہ تھے ان کو جلد موت نہ آتی تو کیا تھا لیکن قانون قدرت کے سامنے ساری کائنات بے بس ہے اور موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔

موت کے سیلاب میں ہر خشک وتر بہہ جائے گا
ہاں فقط نام حسینؑ ابن علیؑ رہ جائے گا

مرحوم انجینئر عاصم کریم دینور گلگت میں انجینئر عبدالکریم جلال آبادی کے ہاں 13 جولائی 1979ء میں پیدا ہوئے اس نے 1997ء میں پبلک سکول جوٹیال گلگت سے اول پوزیشن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی طرح 2000ء میں اسلام آباد کالج برائے طلباء سے اول پوزیشن میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور میں داخلہ لیا اور 2005ء میں اول پوزیشن میں انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور فارغ ہوتے ہی اسلام آباد میں ایک پرائیویٹ

فرم میں ملازمت شروع کی تھی اس دوران ہی اعلیٰ تعلیم کی خاطر یونیورسٹی آف سوتھ ہمپٹن جو دنیا میں سیول انجینئرنگ کی بہترین درسگاہ ہے کی طرف سے سکالر شپ کے حقدار قرار پایا تھا مگر دنیا کی بے ثباتی نے اس کے اپنے ارمان کے ساتھ ماں اور باپ کے ارمانوں کو بھی چھین لیا اور اسیطرح 16 جنوری 2006ء میں گاؤں ججھال علاقہ کوہستان کے مقام پر پتھر لگنے سے حادثاتی موت کے شکار ہوئے اس حادثاتی موت کے بعد گاؤں ججھال کے لوگوں نے انسانی ہمدردی اور اسلامی اقدار کا بھرپور مظاہرہ کیا اور اس نوجوان کی میت کو مشکلات کے باوجود منزل تک احترام سے پہنچادیا ان حضرات کی اس انسانی خدمت اور ہمدردی پر مرحوم کا شریک سفر اور جگری یار انجینئر یاور عباس اور مرحوم کے والدین اور خاندان ان حضرات کا ممنون رہیگا اور خداوند عالم اس خدمت کا اجر ان کو عطا کریگا۔ بارگاہ خداوندی میں دعا ایک فریاد ہے اور وہ عظیم ذات ہی فریاد کو سنتی ہے اس لئے ہر پڑھنے والے ہمدرد سے التماس ہے کہ اس نوجوان کے حق میں بخشش کی دعا کرے کہ خداوند کریم عاصم کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب کرے۔　　آمین

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا